ڈاکٹر محمد یونس بٹ

شناخت پریڈ

© Urdu4U.com

شناخت پریڈ

ڈاکٹر محمد یونس بٹ

۱۹۹۲ء

- تو تو میں میں

یوں تو ادیبوں' شاعروں کو اپنے بارے میں کچھ لکھنے کی کبھی ضرورت ہی پیش نہیں آئی' جب ان کا دل چاہے کہ ان کے بارے میں کچھ کہا جائے وہ محفل سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں اور وہاں بیٹھے ادیب شاعر ان کی چاہت پوری کر دیتے ہیں۔ سو محمد یونس بٹ کے بارے میں کہہ کر میں آپ ہی کا کام کر رہا ہوں۔

URDU4U.COM

دیکھنے میں ایسا کہ ادیب شاعر اسے محمد یونس بٹ کا بیٹا سمجھ کر شفقت سے پیش آتے ہیں۔ قد اتنا کہ اسے ہر دوسرا شخص خود سے بڑا نظر آتا ہے۔ کھڑا ہوا لگتا ہے بیٹھا ہوا ہے۔ چلتا یوں ہے جیسے کشمیر فتح کرنے جا رہا ہو۔

برتھ سرٹیفکیٹ کے حساب سے اپنی پیدائش کے ایک سال بعد پیدا ہوا اور اس سے کئی سال پہلے اس کا نام رکھا جا چکا تھا۔ بچپن میں صحت ایسی تھی کہ والدہ اسے سکول لے کر جاتی تو محلے والے سمجھتے ہسپتال لے کر جا رہی ہے۔ گوجرانوالہ کی روایت کے مطابق ورزش کے لیے اکھاڑے گیا تو استاد پہلوان نے دیکھ کر کہا تمہاری ورزش کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ روزانہ دو کشتیاں دیکھ لیا کرو۔

بچپن ہی اس سے ڈاکٹر بننے کی صلاحیتیں تھیں۔ یعنی ہینڈ رائٹنگ شروع ہی سے

خراب تھی۔ اردو پنجابی میں بہت کچھ لکھا جس سے ادب کو کوئی فائدہ نہ ہوا' اسے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ اس کی ہینڈ رائٹنگ بہتر ہو گئی ہے۔

پہلے کارٹون بناتا تھا جب سے ادب میں آیا ہے کارٹون بنانے چھوڑ دیئے ہیں' اس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ ادب میں کارٹونوں کا کوئی سکوپ نہیں کیونکہ یہ شاعروں' ادیبوں کی تصویروں سے پوری ہو جاتی ہے' تاہم اردو شاعری کے حوالے سے ادب اس کا احسان ہمیشہ یاد رکھے گا کہ اس نے تمام مواقع ملنے کے باوجود شاعری نہ کی۔ شعروں کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے جو لوگ شاعروں کے ساتھ کرتے ہیں۔

یوں تو بچے کا آنسو دنیا میں اس کا سب سے پہلا لفظ ہوتا ہے' لیکن بچپن میں وہ مصیبت میں ہوتا یا کسی کو مصیبت میں دیکھتا تو رونے کی بجائے لکھنے لگتا' یوں اس نے رونے کا کام لکھنے سے لیا۔ آج بھی اس کی تحریریں پڑھ کر یہی لگتا ہے۔ گھر والوں نے جب اسے کسی غلطی کی سخت سزا دینا ہوتی تو اسے کچھ نہ کہتے اور وہ ساری رات سو نہ سکتا۔

دوسروں سے تعلقات یوں ختم کرتا ہے کہ انہیں کئی سال بعد پتہ چلتا ہے اور جن سے نئے تعلقات بناتا ہے انہیں بھی اتنی ہی دیر بعد پتہ چلتا ہے۔ زیادہ لوگوں کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا تا کہ کم سے کم لوگوں کو اس سے مایوسی ہو۔ وہ ہر قسم کے لوگوں کے پاس بیٹھ سکتا ہے مگر اس کے پاس ہر قسم کا آدمی نہیں بیٹھ سکتا۔ کسی کو قائل کرکے دوستی اور محبت نہیں کرتا۔ کہتا ہے جسے میں قائل کر سکتا ہوں اسے کوئی بھی قائل کر سکتا ہے اور جو ہر کسی سے قائل ہو جائے وہ دوستی اور محبت کے قابل کہاں۔ دو قسم کے لوگوں سے ملتے ہوئے ڈرتا ہے۔ ایک وہ جن کے ساتھ رہنا مشکل ہو اور دوسرے وہ جن کے بغیر رہنا مشکل ہو۔ دوست صورت دیکھ کر اور دشمن سیرت دیکھ کر بناتا ہے۔ اس قدر بزدل کہ جسے ناپسند کرتا ہے اسے پتا نہیں چلنے دیتا اور جس سے محبت کرتا ہے اسے بھی پتا نہیں چلتا۔ حالانکہ خاموشی ناپسندیدگی کے اظہار کا بہترین طریقہ سہی مگر محبت کے اظہار کا بدترین طریقہ ہے جس کسی کو سزا دینا چاہے اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ اس سے نفرت کرے۔ جس کو چاہے اس کا دشمن نہ بنے' اسے دوست نہیں

بناتا۔
ہر چیز سے خوف کھاتا ہے۔ دشمن کی بجائے دوستوں سے باتیں کرتے وقت زیادہ ڈرا ہوتا ہے کہ کہیں کوئی ایسی بات نہ کر دے جس سے وہ ناراض ہو جائیں۔ اسی لیے جلد از جلد تنہا ہونے کی کوشش کرتا ہے۔
URDU4U.COM
وہ ہر کام کر سکتا ہے مگر انتظار نہیں کر سکتا۔ انتظار کرتے ہوئے اسے بخار ہو جاتا ہے۔ اور بخار کے درجے سے پتا چلتا ہے انتظار زنانہ یا مردانہ۔
جانتا ہے غلطی کرنا انسان کا کام ہے اور معاف کرنا خدا کا اور وہ وہی کام کرتا ہے جو انسان کے کرنے والا ہوتا ہے۔ جس دن وہ کوئی کام نہ کرے سمجھ لیں آج اسے بہت سے کام ہیں۔
لوگوں کے موڈ اور انداز سے ان کی بات کہنے سے پہلے سمجھ جاتا ہے۔ لیکن لوگ اس کی بات اس کے کہنے کے بعد بھی نہیں سمجھتے۔ دوران گفتگو آپ سمجھیں گے وہ آپ کی بات بڑی توجہ سے سن رہا ہے۔ حالانکہ وہ اپنے بولنے کی باری کا انتظار کر رہا ہوتا ہے۔
اس کا دل دیہاتی' آنکھیں شہری اور دماغ کسباتی ہے۔ ڈاکٹری کو بیوی اور ادب کو محبوبہ کہتا ہے۔ کھیلوں سے دلچسپی نہیں' کہتا ہے مجھے ایسی جیت نہیں چاہیے جس کے ساتھ کسی کی ہار وابستہ ہو۔
ایک وقت میں ایک سے زیادہ غلط کام نہیں کرتا جس کی وجہ یہ ہے کہ ایک وقت میں صرف ایک ہی کام کرتا ہے۔ اردو پنجابی دونوں بولتا ہے مگر کسی زبان میں "ناں" نہیں کہہ سکتا۔
بروں کی نسبت اچھوں سے زیادہ محتاط رہتا ہے کہ برے تو ظاہر ہوتے ہیں خود کو اچھا ظاہر کرنے والوں کا کیا پتا کب برا پیش آئیں۔
کہتا ہے میری کامیابی کا یہ راز ہے کہ سارے کام خود کرو۔ ٹھیک کہتا ہے اس نے یہی بات لوگوں سے کہہ کر کامیابی حاصل کی ہے۔ خوبیوں والے دوستوں کی تلاش کرتا ہے' لیکن اس طرح کہ پہلے دوست تلاش کر لیتا ہے پھر ان کی خوبیاں تلاش کرنے

لگتا ہے۔ اس کے بارے میں بری رائے قائم کرنے کے لیے ایک بار ملنا ہی کافی ہے' البتہ اچھی رائے قائم کرنے کے لیے کئی بار ملنا پڑتا ہے۔

URDU4U.COM

جب وہ لاہور میں آیا تو اسے پورے شہر میں کوئی نہیں جانتا تھا۔ اب تو بہت لوگ اس کی عزت اور اس سے پیار کرتے ہیں۔ جس سے لگتا ہے کہ اب بھی اسے کوئی نہیں جانتا۔ حکم یوں دیتا ہے جیسے گزارش کر رہا ہو اور گزارش یوں کرتا ہے جیسے حکم دے رہا ہو۔ خدا کے علاوہ کسی اور کی محبت میں شریک نہیں رکھتا۔ اپنی پریشانی کسی کو نہیں بتاتا کہ اس سے پریشانی کم نہیں ہوتی۔ جس موقع پر لوگ دوسروں سے ناراض ہوتے ہیں یہ اس موقع پر خود سے ہی ہوتا ہے۔ پسندیدہ جگہ جہاں سے آسمان نظر آئے' پسندیدہ سواری ٹانگیں۔ اسے وہ کھانا پسند ہے جسے کھانے والے پسند کے ہوں۔

وہ کام نہیں کرتا جو اس سے نہ ہو سکے اور وہ کام بھی نہیں کرتا جو ہر کسی سے ہو سکے۔ جس دن اسے کوئی مسئلہ نہ ہو' پریشان رہتا ہے۔ کہتا ہے مخلوط تعلیمی اداروں میں شریف لڑکی وہ ہوتی ہے جو روزانہ ایک ہی لڑکے سے چائے پیتی ہے اور شریف لڑکا وہ ہوتا ہے جس سے روزانہ مختلف لڑکیاں چائے پیتی ہیں۔ اس لحاظ سے وہ نہ خود کالج کے شریف لڑکوں میں شامل ہو سکا اور نہ اس سے کوئی لڑکی شریف ہوئی۔

جس ماحول میں ہو اسی کا حصہ بن جاتا ہے مگر اس ماحول کو اپنا حصہ نہیں بناتا۔ جن چیزوں کو خریدا جا سکے ان کی اسے خواہش نہیں اور جو بغیر کسی قیمت کے ملیں ان کو لیتا نہیں۔

اس کا پسندیدہ دوست محمد یونس بٹ ہے اور دشمن بھی یہی ہے۔

اس کی ایک عجیب و غریب عادت ہے جس سے ملنے کی نیت بنا کر جائے صرف اسے ہی مل سکتا ہے اگر اس جگہ پر اسے کسی اور سے ملنا ہو تو پھر کمرے میں آ کر اس سے ملنے کی نیت کرکے دوبارہ جائے گا۔

ہر وقت جلدی میں ہوتا ہے جو کچھ کرنا چاہتا ہے اس کی کامیابی کے لیے دن رات ایک

کر دیتا ہے اور جونہی کامیابی کے آثار پیدا ہوتے ہیں' اسے چھوڑ کر کوئی اور کام پھر زیرو سے شروع کر دیتا ہے اور اکثر زیرو ہی رہتا ہے۔

URDU4U .COM

○○○

• جناب بے نیازی

بد صورت کی جو حرکت بد تمیزی کہلاتی ہے وہی خوبصورت کرے تو ادا بن جاتی ہے اور بے نیازی اس کی ادا ہے۔ وہ ہر تیسرے آدمی کا پسندیدہ شاعر ہے۔ تیسرے آدمی کا اس لیے کہ ہمارے ہاں ہر پہلا اور دوسرا شخص خود شاعر ہے۔ اس کے ہاں اس قدر بے نیازی ہے کہ کسی نے پوچھا' فیض صاحب کی موت سے ادب میں جو خلا پیدا ہوا ہے اسے پر کرنے کے لیے آپ کس کا نام پیش کریں گے تو موصوف نے فرمایا' یہ بات میرے سوچنے کی نہیں آپ کے سوچنے کی ہے۔

پٹھان ہے اپنی بات نہیں بدلتا۔ یعنی جو کچھ وہ آپ کی حاضری میں کسی غائب کے بارے میں کہہ رہا ہو گا وہی کچھ آپ کے جانے کے بعد آپ کے بارے میں کہے گا۔

مذہب سے اتنا لگاؤ ہے کہ سچے دل سے اپنے آپ پر ایمان لے آیا ہے۔ وہ تو داتا صاحب کے مزار پر جا کر بھی یہ دعا مانگتا ہے' یا اللہ میرے صدقے داتا صاحب کے گناہ معاف کر دے۔ وہ ڈکٹیٹر ہے' اپنا حکم منواتا ہے مگر کسی حاکم کی طرح نہیں بچے کی طرح۔

اسے پرفیومز جمع کرنے کا شوق ہے۔ اکثر پرفیوم لگا کر مشاعروں میں جاتا ہے تا کہ شاعروں کے پاس آرام سے بیٹھ سکے۔ مجید امجد سے گہری رفاقت رہی جو اس رفاقت کی گہرائی جاننا چاہے اسے گھورتا ہے۔ غالب اور اس کا پیشہ آباء ہی نہیں ذریعہ عزت بھی ایک ہی ہے۔ بس دونوں میں یہ فرق ہے کہ وہ جس چیز کے لیے قرض مانگتا ہے یہ وہ ہی مانگ لیتا ہے۔ یوں اس کی ہر بیوی کو اس کا اتنا ہی خیال رکھنا پڑتا ہے جتنا اس بچے کا جس نے نیا نیا چلنا شروع کیا ہو۔

دیکھنے میں اپنی ہی غزل کا مصرع لگتا ہے شاید اس لیے ہمیشہ خود کو شعر بنا کر رکھتا ہے۔

مردوں میں بیٹھا پریشان پریشان اور عورتوں میں بیٹھا ہو تو وہ پریشان پریشان لگتی ہیں۔

حافظے کا انتظار حسین یعنی آج کی بات یاد نہیں ہوتی مگر برسوں پہلے کا سب یاد ہے۔ اپنی پہلی بات کو آخری بات سمجھتا ہے جب کہ دوسروں کی آخری بات کو بھی پہلی بات ہی سمجھتا ہے۔

URDU4U.COM

نئے لکھنے والوں کی اس قدر حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ وہ کتاب بعد میں لکھتے ہیں اس سے دیباچہ پہلے لکھوا لیتے ہیں۔

ہمارے ہاں اکثر شاعر گفتگو کر رہے ہوں تو لگتا ہے ان کی شاعری اچھی ہے۔ شاعری پڑھ لو تو لگتا ہے گفتگو اچھی کرتے ہیں لیکن اس کی شاعری پڑھو تو لگتا ہے شاعری اچھی ہے اور باتیں سنو تو وہ اچھی لگتی ہیں۔

کہتا ہے مجھے صرف خوبصورت لوگوں سے لگاؤ ہے حالانکہ اسے جن سے لگاؤ ہوتا ہے انہیں خوبصورت کہتا ہے۔ اس کی اپنی الگ سلطنت ہے جس کا وہ خود ہی فرمانروا ہے اور خود ہی رعایا۔ اس کا بس چلے تو وہ سرحدوں پر متعین فوجوں سے ٹینک اور توپیں لے کر انہیں غزلوں اور نظموں سے کام چلانے کو کہے۔

عام آدمی کو یوں دیکھتا ہے جیسے چھت سے گلی میں جھانک رہا ہو۔ کہتا ہے ہندوستان میں تو میری پوجا ہوتی ہے لیکن میرا دوست "ف" کہتا ہے' ہندوستان میں گائے کی بھی پوجا ہوتی ہے۔ ڈرا ہوا آدمی ہے اور ماہر نفسیات کہتے ہیں ڈرتے ہوئے آدمی سے ڈرنا چاہیے۔

اس کا کوئی ہم عصر اس کا ہم اثر نہیں وہ دنیا کو یوں دیکھتا ہے جیسے کوئی بچہ پہلی بار حیرانی سے یہ سب دیکھ رہا ہو اسی لیے اس کی شاعری حیران کرنے والی ہے۔

دوسروں کے بارے میں جاننے کا اسے اس قدر شوق ہے کہ جس شاعر ادیب کا اس کے سامنے نام لو فوراً پوچھے گا' یہ کون ہے؟ مشاعروں میں دوسرے شعراء کو یوں دیکھتا ہے جیسے غلام علی اپنے سازندوں کو۔ گھر کا حساب کتاب مشاعروں میں کرتا ہے یعنی آٹا گھی۔ ایک مشاعرہ' فرنیچر' تین مشاعرے وغیرہ وغیرہ۔ مشاعرے میں شعر سنانے سے پہلے اسے نیند کی گولیاں کھانی پڑتی ہیں جبکہ دوسرے شاعروں کی باری پر یہ سب سامعین

کو کرنا پڑتا ہے۔
دوسروں کو خوش کرنے کے لیے ان سے تحائف لے لیتا ہے اور بعض اوقات تو دوسروں کا دل اتنا خوش کر دیتا ہے کہ کم از کم ایک سال تک انہیں ایسی خوشی کی حاجت نہیں رہتی۔ آٹو گراف یوں دیتا جیسے تعویذ دے رہا ہو۔
URDU4U.COM
صحافت میں ناکام رہا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ پڑھا لکھا آدمی ہے۔ وہ کسی بھی منظر کو مکمل طور پر نہیں دیکھتا بس اس کا بہتر حصہ دیکھتا ہے اسی لیے اپنے ملنے والوں میں بھی اس کی نظر نصف بہتر پر ہی رہتی ہے۔
جس سے ملتا ہے اسے اپنی خوبیوں کے بارے میں بتاتا ہے کیونکہ خامیوں کا تو لوگوں کو خود پتا چل جاتا ہے کبھی کسی کی تعریف نہیں کرتا اگر بہت دل چاہے تو منیر نیازی کی تعریف کرنے لگتا ہے جو دل میں آئے کہہ دیتا اسی لیے بعض اوقات اس کی باتوں سے لگتا ہے کہ ان کا تعلق صرف دل سے ہے دماغ سے نہیں۔
بری بات نہیں سنتا یعنی جو بات بری لگے نہیں سنتا۔ اس کے جذبے خالص ہیں' خوشی بھی خالص یعنی بغیر کسی وجہ کے اور ناراضگی بھی خالص یعنی بلا وجہ۔ بحیثیت شاعر اسے قتیل شفائی اور احمد ندیم قاسمی بہت پسند ہیں اس وقت جب وہ اس کی تعریف کر رہے ہوں۔
کہتے ہیں کلاسیکل موسیقی سننے کا ماحول تنہائی میں ہی بنتا ہے اور یہ واحد موسیقی ہے جو اپنا ماحول بنانے کا خود ہی انتظام کرتی ہے۔ اس کے پاس کلاسیکل موسیقی کی کئی کیسٹیں ہیں جو اسے زیادہ ملنے آنے لگے اسے پاس بٹھا کر سنواتا ہے۔ بہت دیر کے بعد بولتا ہے وہ بھی ایسا کہ دیر تک بولنے کی ضرورت نہیں رہتی۔
وہ خود کو بڑا آدمی سمجھتا ہے۔ یہ واقعی اس کی بڑائی ہے کیونکہ وہ اپنی خوبیوں اور خامیوں کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔ اگر وہ خود کو بڑا آدمی کہتا ہے تو پھر اس کے بڑا ہونے پر شک نہیں رشک کرنا چاہیے۔

• زبان کا دھوبی

عورتیں اس قدر بولتی ہیں کہ کسی اور کو بولنے کا موقع نہیں دیتیں۔ جبکہ انتظار حسین اس قدر خاموش رہتا ہے کہ کسی اور کو بولنے کا موقع نہیں دیتا۔ اس سے مکالمہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے راہ چلتی لڑکی سے گپ کرنا لیکن جب بولتا ہے تو اتنا اچھا لگتا ہے جتنا عورت سنتی اچھی لگتی ہے۔

کتابی چہرہ' پیشانی اتنی کشادہ کہ پتا نہیں چلتا پیشانی کہاں ختم ہوئی اور پریشانی کہاں سے شروع ہوئی۔ نظر ایسی کہ پاس بیٹھی عورت دکھائی نہیں دیتی البتہ کچھ فاصلے سے نظر آ جاتی ہے۔ نظر کی عینک لگاتا ہے یعنی اس نے عینک لگائی ہو تو نظر نہیں لگتی۔ موصوفہ کو اکثر ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑے رکھتا ہے۔ چہرے پر اس لیے نہیں لگاتا کہ کہیں گم نہ ہو جائے۔ اگر ہاتھ میں نہ ہو تو تلاش کرنے لگتا ہے اور جب جاتا ہے تو اس کے دوست اپنی عینکیں تلاش کر رہے ہوتے ہیں۔

وہ اگر کسی کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے تو وہ یہ کہ کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ وہ ہر کسی کے پاس نہیں بیٹھ سکتا۔ ہر کوئی اس کے پاس بھی نہیں بیٹھ سکتا۔ ایسا شخص کہ کئی ملاقاتوں کے بعد بھی آپ اس سے نہیں مل پاتے کسی کو برا نہیں کہتاتو کسی کو اچھا بھی نہیں کہتا۔ لگتا ہے زمانہ طالب علمی میں جب بھی یہ سوال آتا ہو گا کہ فلاں فلاں کی تعریف کریں تو سوال ہی چھوڑ دیتا ہو گا۔

ایسا با پردہ کہ اس کی آواز تک نامحرموں سے پردہ کرتی ہے صرف محرموں کو ہی پتا ہوتا ہے کہ وہ باتیں کر رہا ہے باقی سمجھتے ہیں چیونگم چبا رہا ہے۔ بیٹھا ہوا لگتا ہے کسی کا انتظار کر رہا ہے۔ وہ اکیلا نہیں بیٹھتا ساتھ اسکا گلا بھی بیٹھا ہوتا ہے۔

سلام لیتے وقت ہاتھ یوں آپ کو پکڑائے گا جیسے چونی دے رہا ہو۔ اتنی کمزور گرفت

کہ اس کا ہاتھ قانون کا ہاتھ لگتا ہے۔ پان یوں کھاتا ہے جیسے غصہ کھا رہا ہو۔ سگریٹ خرید کر بھی پیئے تو لگتا ہے مانگ کر پی رہا ہے۔ اپنے قریبی دوستوں کی طرح وہ بھی چائے کا آرڈر دے دے تو بیرا سمجھتا ہے' مذاق کر رہا ہے۔ چلتے وقت ایک ہاتھ میں بیگ پکڑے ہوتا ہے اور دوسرے ہاتھ سے اسے ٹٹولتا رہتا ہے کہ کہیں گر تو نہیں پڑا۔ اس قدر کم سوتا ہے کہ آپ اس سے بات کر رہے ہوں تو آپ بات بعد میں پوری کرتے ہیں وہ اپنی نیند پہلے پوری کر چکا ہوتا ہے۔

برسوں تک "مشرق" اخبار کے دفتر رکشے میں آتا رہا جب سے اسے گھر کا راستہ یاد ہوا ہے اس نے گاڑی لے لی ہے۔ لیکن جس طرح وہ گاڑی چلاتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ ایک سڑک بھی لے لے۔

راستہ بھول جائے تو پھر پاک ٹی ہاؤس میں آ بیٹھے گا وہاں بیٹھے لوگوں کو دیکھ کر بھی یہی لگتا ہے کہ وہ بھی ایسے ہی یہاں آئے ہیں۔

ہمارے معاشرے میں مہمان تو خوشی کا باعث ہوتے ہیں یعنی ان کے جانے سے خوشی ہوتی ہے۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھا سامان کا حصہ لگتا ہے جتنے پیسوں میں اسے خوش کیا جا سکتا ہے اتنے تو آپ نظر ملا کر کسی بیرے کو ٹپ میں نہیں دے سکتے۔

گزرے دن اسے زیادہ خوبصورت لگتے ہیں جس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ دن اس کی جوانی کے تھے لیکن فی الحال تو اس کی جوانی کا بھی پکا پتہ نہیں۔ ایسا آدمی ہے کہ اس کا بس چلے تو ہر مہینے تنخواہ لینے کی بجائے کئی برس پہلے کی لی ہوئی تنخواہ یاد کرکے گھر کر خرچ چلائے۔ ایسے ہی جیسے وہ اپنی کہانیوں میں نئی عورت لانے کی بجائے "حسینہ" کا ہی نام بدل بدل کر گزارہ کر رہا ہے۔

پہلے بلند شہر میں رہتا تھا اب بلند شہر اس میں رہتا ہے۔ بحیثیت ادیب اس کی یادداشت ہاتھی کی' چال خرگوش کی اور چال چلن کچھوے کا ہے۔ زبان بڑی دھلی دھلائی بولتا ہے اسی لیے لوگ اسے زبان کا دھوبی کہتے ہیں۔

ترقی پسند اس کی ترقی پسند نہیں کرتے اور رجعت پسند اسے پسند نہیں کرتے۔ دیکھنے میں

انتظار حسین ہے لیکن مسئلہ اصولوں کا ہو تو حسین۔ اسے کیسا ہی زخم لگ جائے وہ چلائے گا نہ چیخے گا اس کے تو کردار بلند آواز میں نہیں روتے۔ وہ زخم کا علاج بھی نہیں ڈھونڈے گا اسی لیے اسے ایک بار زخم لگ جائے تو وہ ہمیشہ ہرا رہتا ہے۔

URDU4U.COM

کہتا ہے میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا گم شدہ سپاہی ہوں جو بعد میں افسانہ نگار بن گیا۔ اس کی یہ بات سمجھ میں آئے نہ آئے جنگ آزادی کی ناکامی کی وجہ سمجھ میں آ جاتی ہے۔

بڑی عمارتیں کسی شہر کی شناخت ہوتی ہیں اور بڑے آدمی وہاں کے شہریوں کی۔ بڑی عمارتوں اور بڑے لوگوں میں یہ فرق ہے کہ بڑی عمارتیں دور سے چھوٹی اور قریب سے بڑی نظر آتی ہیں جبکہ آج کے بڑے آدمی دور سے بڑے اور قریب آؤ تو چھوٹے ہونے لگتے ہیں۔ اسی لیے میں کہتا ہوں' انتظار حسین بڑا آدمی نہیں کیونکہ جب تک اس کی قریب نہ جاؤ اس کے قد کا احساس نہیں ہوتا۔ ادب برائے زندگی کی بجائے اس نے زندگی برائے ادب کی' مگر وہ بڑا ادیب بھی نہیں کہ اس کا کوئی ادبی گروہ نہیں بلکہ وہ تو بڑا صحافی بھی نہ بن سکا کہ اس کا لہجہ دھمکی آمیز نہیں ہوتا۔

○○○

• بلبلِ پاکستان

ارکان اسمبلی اس کا ادیب سمجھ کر احترام کرتے ہیں اور ادیب شاعر اسمبلی کی ممبر سمجھ کر سلام کرتے ہیں۔ وہ اپنی تحریروں کے حوالے سے نہیں' تحریریں اس کے حوالے سے پہچانی جاتی ہیں۔

URDU4U.COM

کہتے ہیں عورت' مرد کا سب سے پہلا احمقانہ مطالبہ ہے اور آج تک مرف صرف اپنے اس مطالبے کو حق بجانب قرار دینے کی کوشش میں ہے۔ محترمہ کی تحریریں اسی مطالبے کی حمایت میں ہیں۔ اس کے قلم کا ہر لفظ اتنا نازک ہوتا ہے کہ صنف نازک لگتا ہے اسی لیے اس کی تحریر پر اس کا نام نہ بھی ہو پھر بھی اسی کے نام لگتی ہے۔ "چادر چار دیواری اور چاندنی" کے نام سے کالم لکھتی ہے جو صرف خواتین کا نمائندہ نہیں کیونکہ بقول میرے دوست "ف" اگر ایسا ہوتا تو اس کا نام "چادر' چار دیواری' چارپائی اور چاندنی" ہوتا۔

تصویر کے علاوہ اس کے ہاں کوئی چیز پرانی نہیں ہوتی۔ ویسے بھی اس کی آج کی یا بیس برس پہلے کی تصویر میں کوئی فرق نہیں۔ اگر کوئی فرق پڑا ہے تو تصویر کھینچنے والوں کی عمر میں ہو گا۔ دور سے ادھیڑ عمر اور پاس سے ہم عمر لگتی ہے۔

سب کام خاوند کی مرضی سے کرتی ہے۔ اس نے شادی بھی خاوند کی مرضی سے کی۔ میاں کا ذکر اس قدر عقیدت سے کرتی ہے کہ بندہ اللہ میاں سمجھتا ہے۔ اس کی قابل ذکر تخلیقات میں چارہ گر' پیاسی' لازوال' خوبصورت' اللہ میاں جی' مبشر' بشر' حسن اور عمر شامل ہیں۔

اسے بچپن میں بھی کھیلنے کو لفظ ملے گھر کی فضا اس قدر ادبی تھی کہ شعروں میں ایک دوسرے کو ڈانٹتی۔ جتنی عمر میں اس نے کہانیاں لکھنا شروع کیں یہ عمر تو ہمارے ہاں کہانیاں سننے کی ہوتی ہے۔ اس کے افسانے اردو ادب کے سب سے مہنگے افسانے

ہیں۔ یعنی جتنے مہنگے کاغذ اور قلم سے وہ افسانہ لکھتی ہے آج تک اردو میں نہیں لکھا گیا۔ صفائی اور بناؤ سنگھار کی اس قدر شوقین کہ جب تک اپنی ہیروئین کو نئے فیشن کا لباس' عاشق اور خوشبو نہ لگا لے اسے کہانی میں نہیں لاتی۔ کہانی میں عورت کی ایسی تصویر کشی کرتی ہے کہ لگتا ہے' شیشے کے سامنے بیٹھ کر لکھتی ہے اس کی کہانیاں پڑھ کر بندہ متاثر ہو نہ ہو بالغ ضرور ہو جاتا ہے اس کے ناولوں کے کردار چلتے پھرتے نظر آتے ہیں اسی لیے جب مرضی ہو آ جاتے ہیں' جب دل چاہے چلے جاتے ہیں۔ تحریروں کا ماحول ایسا تر و تازہ کہ لگتا ہے ایئر کنڈیشن میں بیٹھ کر تخلیق کی گئی ہیں۔ اس کی کہانی میں اور کچھ ہو نہ ہو وہ خود ضرور ہوتی ہے۔

گفتگو کرتی بیس سال کی لگتی ہے البتہ سنتی ہوئی اپنی ہی عمر کی لگتی ہے۔ اس کی پوری شخصیت اس کی آنکھوں میں ہے وہ چپ ہو تو آنکھیں بولتی ہیں۔ وہ بول رہی ہو تو آنکھیں ہلانے لگتی ہیں۔ چپ رہے تو حسین لگتی ہے بول اٹھے تو ذہین اکیلے آدمی سے یوں گفتگو کرتی ہے جیسے اجتماع سے خطاب کر رہی ہو اور اجتماع سے یوں خطاب کرتی ہے کہ ہر آدمی سمجھتا ہے صرف مجھ سے گفتگو کر رہی ہے۔ دنیا کے ہر موضوع پر بلکہ موضوع کے بغیر بھی بول سکتی ہے۔ لکھنے کا اس قدر شوق ہے کہ جب کچھ لکھنے کو دل نہ چاہے تو چیک لکھنے لگتی ہے۔

اس کا پسندیدہ مقام وہی ہے جو بقول مارکوس عورت کا اصل مقام ہے اس کی تین خواہشیں ہیں جی بھر کے لکھنا' جی بھر کے بولنا اور اتنا ہی سونا اور وہ بیک وقت تینوں پوری کرنا چاہتی ہے۔

اس کا گھر اتنا بڑا ہے کہ بندہ اس میں راستہ بھول سکتا ہے۔ آج کل خواجہ سرا بادشاہوں کی کہانیوں میں دربانی کرتے ملتے ہیں یا اس کے گھر۔ ایسی مہمان نواز کہ ملنے جاؤ تو خود کھانے والی چیزوں کے ساتھ آئے گی۔ اس قدر حساس ہے کہ کسی کی مصیبت سنتے وقت اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ لگتا ہے سن نہیں رہی سنا رہی ہے۔ اگر کوئی دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے اپنا دکھ سنا دے تو اس قدر غمگین ہوتی ہے کہ سنانے والے

کو الٹا اسے تسلیاں دینا پڑتی ہیں۔ اس نے کبھی کسی نوکر کو ملازمت سے نہیں نکالا بلکہ اکثر لگتا ہے کہ اس نے نوکر نہیں رکھا بلکہ نوکر نے اسے مالک رکھا ہوا ہے۔

URDU4U.COM

مرد ایک وقت میں صرف ایک ہی کام کرتا ہے یعنی بولتا ہے تو پھر سنتا نہیں' مگر عورتیں بول بھی رہی ہوتی ہیں اور سن بھی رہی ہوتی ہیں۔ محترمہ تو اپنی باتیں بڑی توجہ سے سنتی ہیں۔ تقریبات میں ایک منٹ بولے تو کئی گھنٹے سنائی دیتی ہے۔ وہ عورت سے زیادہ مرد کے کردار اور نفسیات پر عبور رکھتی ہے' عورت پر اس لیے نہیں کہ یہ مردانہ کام ہے۔ اسے اکثر مالی پریشانیوں کا سامنا رہتا ہے یعنی پریشانی رہتی ہے کہ اتنا مال کیسے خرچ کرے۔ صوفی شعراء سے اس قدر متاثر ہے کہ اب تو وہ بھی اس سے متاثر ہونے لگے ہیں۔

کہتی ہے عورت کو پہلا مرد اور مرد کو آخری عورت ہمیشہ یاد رہتی ہے۔ مردوں کو عورتوں کا مخالف سمجھتی ہے۔ ہم بھی سمجھتے ہیں بشرطیکہ اس سے مراد صنف مخالف ہو۔

اسے اس قدر شعر آتے ہیں کہ قد آدم غزل لگتی ہے۔ جو بھی شعر سناتی ہے بہت اچھا لگتا ہے' جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ اس کا اپنا نہیں ہوتا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جس کا شعر ہوتا ہے وہ خود سنانے والا نہیں ہوتا۔ وہ شاعرہ ہے جس پر وہ مبارکباد کی مستحق ہے لیکن خود شاعری کرتی نہیں جس پر وہ مزید مبارکباد کی حق دار ہے۔

○○○

• گنجے گراں مایہ

وہ ادب کے گنجے گراں مایہ میں سے ہے۔ اس کا سر اوپر سے خالی ہے حالانکہ ہمارے ہاں شعراء کا اندر سے خالی ہوتا ہے۔ اس کے پاس سنورنے کو بال نہیں تو کیا ہوا دھونے کو منہ تو بہت ہے۔

URDU4U.COM

بات بات پر لطیفہ سناتا ہے جس دن محفل میں سنجیدہ ہو دوستوں کو اس کی صحت کی فکر ہونے لگتی ہے۔ لطیفہ سنانے سے پہلے ہی سننے والوں کو ہنسا لے گا کہ بعد میں کیا پتہ کوئی ہنسے یا نہ ہنسے' چپ رہنا اس کے لیے مشکل ہے حالانکہ یہ تو اتنا آسان ہے کہ اس کو زبان تک نہیں ہلانا پڑتی۔ امجد اسلام امجد بات کر رہا ہو تو کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔ جب لحاظ کر رہا ہو تو بات نہیں کرتا۔ اس لیے اگر آپ سے بات نہ کرے تو سمجھ لیں' آپ کا لحاظ کر رہا ہے۔ برے کی بات سن لیتا ہے مگر بری بات نہیں سنتا۔ اگر بری بات سننا چاہے تو بولنے لگتا ہے۔ زمانہ طالب علمی میں بھی اس کے موسلا دھار بولنے کی وجہ سے استاد اسے اٹھا کر اسٹیج پر بٹھا دیتا۔ اب اتنا بڑا ہو گیا ہے مگر تقریبات میں آج بھی اسے اٹھا کر اسٹیج پر بٹھا دیتے ہیں اس کے بارے میں وہ لوگ بھی اچھی رائے رکھتے ہیں جو اسے ایک بار بھی نہیں ملے۔ شاید اچھی رائے کی وجہ بھی یہی ہو۔

باتوں باتوں میں خوبصورت عورتوں کو شیشے میں اتار لیتا ہے مگر خود ان کی موجودگی میں زیادہ سے زیادہ جرابیں ہی اتار سکتا ہے۔ عورتوں کو ملنے سے پہلے جہاں دوسرے بال' ٹائیاں اور چشمے ٹھیک کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ نیت ٹھیک کر رہا ہوتا ہے۔ اس نے جو چاہا وہ حاصل کیا بلکہ جو حاصل کیا وہی چاہا۔

امجد ہر کام میں اپنے بہن بھائیوں میں اول رہا۔ وہ تو پیدا ہونے کے معاملے میں بھی اول آیا۔ اس کا گھرانہ ایسا مذہبی کہ خواتین اردو شعروں سے بھی پردہ کرتیں' مگر

اس نے اسی کو ذریعہ عزت بنایا جسے غالب نے بھی ذریعہ اظہار ہی بنایا تھا۔ سارے کام اپنی مرضی سے کرتا ہے۔ اس نے تو شادی بھی اپنی مرضی سے کی حالانکہ ہمارے ہاں بندے کو اپنی مرضی سے شادی کرنے کا موقع اس وقت ملتا ہے جب وہ اپنی اولاد کی شادی کرتا ہے۔ ویسے ہمارے ہاں شادی کے بعد مرد خود کو اور عورت اپنی قمیضوں کو تنگ محسوس کرتی ہے' مگر امجد شادی شدہ ہو کر بھی گھر میں زیادہ رہتا ہے۔ جس سے یہی لگتا ہے کہ اسے شادی شدہ عورتیں بہت پسند ہیں۔

پہلے لمبرٹیا سکوٹر پر سوار پھرا کرتا تھا' جس پر سفر کرنا دراصل پیدل چلنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا ہی ہوتا تھا۔ وہ اور اس کا جڑواں دوست عطاء الحق قاسمی جہاں کوئی بارات دیکھتے اس میں شامل ہو جاتے جس سے کسی اور کوئی فرق پڑتا نہ پڑتا' بارات کے ساتھ آنے والے بھانڈوں کی آمدنی آدھی رہ جاتی۔ یہ دونوں دولہے کے پاس جا کر اسے کہتے اچھا موقع ہے اب بھی انکار کر دو۔ مگر امجد کی شادی ہوئی تو عطا نے کہا تھا' اچھا موقع ہے چپ کرکے بیٹھے رہو۔ اگرچہ اب دونوں عمر کے اس حصے میں ہیں جہاں بری بات بری لگنے لگتی ہے مگر اب بھی جہاں یہ دونوں اکٹھے وہاں لوگ اکٹھے ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ وہ وہ باتیں کرتے ہیں کہ سننے والا ٹین ایجر ہو تو اسے ٹھنڈے پانی کی پٹیاں کرنا پڑتی ہیں۔

اخبار پڑھتا نہیں دیکھتا اور لوگوں کو دیکھتا نہیں پڑھتا ہے۔ ایک ہی ملاقات میں اس قدر بے تکلف ہو جاتا ہے کہ دوسرا گھبرانے لگتا ہے کہ کہیں قرض ہی نہ مانگ لے۔ دوسروں کی باتیں اس توجہ اور پیار سے سنتا ہے جیسے بچوں کی سن رہا ہو۔ سمجھتا بھی یہی ہے۔ کرکٹ پسند ہے۔ بہت اچھی باؤلنگ کراتا ہے جو مخالف ٹیم کے لیے بہت اچھی ہوتی ہے۔ محنت سے نہیں گھبراتا۔ بندہ اسے کنگھی کرتا دیکھ لے تو اسے اس بات کا یقین ہو جاتا ہے۔

ہمیشہ آٹو گراف بک پر لکھتا ہے۔ "جو بھی کچھ ہے محبت کا پھیلاؤ ہے۔" اگر آٹو گراف لینے والی خاتون امید سے نہ ہو تو پھر بھی یہی لکھتا ہے۔ اس کا پسندیدہ رنگ بلیو ہے۔

یہ رنگ ہمیں بھی پسند ہے' بشرطیکہ فلم کا ہو۔

کھانا اس وقت ختم کرتا ہے جب کھانا ختم ہو جائے۔ اسے علم ہوتا ہے کہ لاہور میں اچھا کھانا کہاں سے ملتا ہے اور لوگ اس کے علم سے استفادہ کرتے ہیں۔ اسی لیے جب کوئی نیا ریستوران کھلتا ہے تو وہ اسے بتا کر سمجھتے ہیں کہ آدھے شہر کو بتا دیا۔ اسے کھلا کر بھی یہی سمجھتے ہیں' پیٹ بھر کر کھائے نہ کھائے پلیٹ بھر کر ضرور کھائے گا۔

URDU4U.COM

امجد اسلام امجد پہلے مختصر تخلص کرتا تھا اور جب کسی مشاعرے میں پڑھتا' مختصر مختصر کی آوازیں آتیں۔ اب تو وہ امجد ہو گیا ہے۔ شاعری اور ڈرامے نے اسے عزت نہیں دی اس نے انہیں عزت دی ہے۔

اس کے اس قدر دوست ہیں کہ اس پتا نہیں کون کون اس کا دوست ہے۔ دوستوں کی اس کے بارے میں بھی یہی رائے ہے۔ امجد ہر لحاظ سے ایک مکمل انسان ہے یعنی اس میں وہ تمام صلاحیتیں موجود ہیں جو انسان کو فرشتہ بننے سے روکے ہوئے ہیں۔

○○○

• ادب کی پھولن دیوی

بیسویں صدی کی پانچویں دہائی میں لاہور شہر میں ایک انٹر کالجیٹ مشاعرہ ہو رہا تھا۔ ہال میں سر ہی سر تھے اور جب سر بڑھ جائیں تو دماغ کم ہو جاتے ہیں۔ یوں شعر سے زیادہ شور سنائی دے رہا تھا۔ اس مشاعرے میں جب ایک لڑکی نے یہ اعلان کیا کہ میں عورت ہونے کے ناطے حوصلہ افزائی کا انعام نہیں لوں گی اور لڑکے لڑکیوں سے برابر کی سطح پر مقابلہ کروں گی تو ہال میں شور بڑھ گیا۔

آج کچھ لوگ اسے ادب کی پھولن دیوی کہتے ہیں اسی لیے وہ جس تقریب میں جاتی ہے اسے لوٹ لیتی ہے۔ مشاعرے لوٹتے تو اسے میں نے خود دیکھا ہے۔ لہجہ ایسا کہ خدا حافظ بھی یوں کہتی ہے جیسے جانے کا حکم دے رہی ہو۔ صاف گو اتنی جتنی ایک عورت زیادہ سے زیادہ ہو سکتی ہے۔

انتظار حسین کہتا ہے' اس کے آنے سے غزل میں سوکن کا ذکر ہونے لگا ہے حالانکہ اس کے لہجے سے لگتا ہے وہ سوکن کا نہیں رقیب کا ذکر کر رہی ہے۔ مرد عورت سمجھ کر اس کے مقابلے سے ڈرتے ہیں اور عورتیں مرد سمجھ کر اس کے سامنے نہیں آتیں بلکہ بعض شاعر تو اپنی بیویوں کو اس سے پردہ کراتے ہیں۔ خود تو کچھ پردہ کرنے لگتے ہیں۔ کہتی ہے عورت کی حیا اس وقت ختم ہوتی ہے جب مرد بے حیا ہو جائے۔ اسی لیے مردوں کو حیا کی تلقین کرتی ہے۔ حسن ظن اور حسن زن سے کام نہیں لیتی۔

مردوں کے اس قدر خلاف ہے کہ اس سے بھیڑ کا تذکرہ پوچھو تو بھیڑیا کہے۔ وہ مردوں سے بھرے کمرے میں یوں آ کر بیٹھتی ہے جیسے خالی کمرے میں آ کر بیٹھی ہو۔ بات وہی کرتی ہے جو لکھنے والی نہیں ہوتی۔ مردوں سے بات وہاں سے شروع کرتی ہے جہاں دوسری عورتیں ختم کرتی ہیں۔ گفتگو دوسرے کے ذوق کے مطابق کرتی ہے اگر کسی

سے بری گفتگو کرے تو اسے خود کو برا سمجھنا چاہیے۔

مرد دوستوں سے ایسا برتاؤ کرتی ہے کہ وہ اس کے دفتر میں بھی یوں گھبرائے بیٹھے ہوتے ہیں جیسے اپنے گھر میں ہوں۔ دوستوں کے دکھوں میں اس کی باتیں دوا کا اثر رکھتی ہیں بعض اوقات ذائقہ بھی دوا کا ہی ہوتا ہے۔

URDU4U.COM

اگر وہ آپ کی ماتحت ہے تو آپ سے اس سے ناراض نہیں ہو سکتے اور اگر آپ اس کے ماتحت ہیں تو آپ سے خوش نہیں ہو سکتی۔ جس دفتر میں ہوتی ہے وہاں کا عملہ کبھی دیر سے نہیں آتا دیکھا ہمیشہ دیر سے جاتا دیکھا ہے۔

کہتے ہیں جسے کسی نے گالی نہیں دی وہ سچا نہیں ہو سکتا اس لحاظ سے تو پھر اس نے کبھی جھوٹ بولا ہی نہیں اس قدر حوصلہ مند ہے کہ ہر مسئلے پر ڈٹ جاتی ہے بلکہ بغیر مسئلے کے بھی ڈٹ جاتی ہے۔ حلقہ ارباب ذوق کے اجلاسوں میں نہیں جاتی کیونکہ وہ کسی کو کسی اور کے ہاتھوں بے عزت ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔

اس دنیا اور دوسری دنیا کی بجائے اسے تیسری دنیا کی زیادہ فکر ہے' وہ بھی عورتوں کی۔ مردوں کی طرف سے اسے کوئی فکر نہیں۔ عورتوں کے حقوق کے لیے اس کا کام دیکھ کر اس کے قریبی دوست یہ سوچنے لگتے ہیں کہ مردوں کو بھی عورتوں کے برابر حقوق ملنے چاہئیں۔

کہتے ہیں ہر کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت ہوتی ہے ناکام مرد کے پیچھے ایک سے زیادہ۔ مگر یہ وہ عورت ہے جو ایک سے زیادہ کامیاب مردوں کے پیچھے ہے۔ وہ غلط کام بھی نیک نیتی سے کرتی ہے۔

لباس کا خیال نہیں رکھتی اور لباس بھی اس کا خیال نہیں رکھتا۔ اپنی ذات میں ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ یعنی خود ہی شوہر' خود ہی بیوی' خود ہی بہو اور ساس بھی آپ ہی۔ دفتر میں افسر' ماتحت حتیٰ کہ چوکیدار تک خود ہے۔ اسی لیے اس کے دفتر میں آنے والا ملاقاتی چوکیدار کو بعد میں نظر آتا ہے یہ اسے پہلے دیکھ لیتی ہے۔

نئی نسل کے لیے اس کے دل میں پدرانہ شفقت پائی جاتی ہے۔ اسے دور سے جاننے والے

اس پر شک کرتے ہیں اور قریب سے جاننے والے رشک۔ اردو ادب میں اس کا سفر برقعے سے بوائے کٹ تک کا ہے۔

کہتی ہے میری شاعری میں واحد متکلم کا صیغہ نہیں جمع متکلم کا ہے۔ ٹھیک کہتی ہے کیونکہ جب وہ کہتی ہے تو اس میں کئی بڑے ادیب اور سولہویں گریڈ سے بڑے افسر شامل ہوتے ہیں۔

URDU4U.COM

وہ نہ صرف دوستوں کے کام آتی ہے بلکہ دشمنوں کے کام بھی آتی ہے۔ کچھ لوگ مشہور ہونے کے لیے اس سے دوستوں کرتے ہیں اور کچھ اس مقصد کے لیے دشمنی جو لوگ اسے گالیاں دیتے ہیں' یہ ان کا کام بھی کرا دیتی ہے تا کہ یکسوئی سے گالیاں دے سکیں۔

اس کی پوری زندگی جدوجہد کی کہانی ہے۔ یوں جو بات عورت کی حوصلہ افزائی سے شروع ہوئی اب عورت کی حوصلہ مندی تک آ پہنچی ہے مگر ہال میں آج بھی اتنا ہی شور ہے لیکن اس شور نے اس کی آواز مزید نمایاں کر دی ہے۔

○○○

- لاؤڈ سپیکر

خالد احمد چپ رہے تو اچھا لگتا ہے۔ باتیں کرنے لگے تو سننے والا اچھا لگنے لگتا ہے۔ لوگ اس کی باتوں سے بہت محظوظ ہوتے ہیں۔ خاص کر اس وقت جب وہ سانس لینے کے لیے رکتا ہے۔

URDU4U.COM

اس میں اگر کوئی خاص بات ہے تو وہ یہ کہ بڑا عام سا بلکہ سرعام سا آدمی ہے۔ رنگ ایسا جیسے دن رات اختلاط کر رہے ہوں۔ چلتے وقت کاغذوں کا پلندہ یوں اٹھائے ہوتا ہے جیسے راستے سے اکٹھے کرتا آ رہا ہے۔ جس دن پتلون پہنی ہو۔ گھر دیر سے پہنچتا ہے کیونکہ پتلون ایسی ہے کہ چند قدموں کے بعد اسے دوبارہ پہننا پڑتا ہے۔ اگر شیو بنی ہوئی ہے تو سمجھ لیں ٹی وی پر مشاعرہ پڑھ کر آ رہا ہے۔ سگریٹ نہیں تو جیب خالی ہے۔ منہ بند ہے تو سمجھ لیں وہ اکیلا ہے۔

علم و فنون میں اسے "فنون" سب سے زیادہ پسند ہے اپنے دفتر جائے نہ جائے "فنون" کے دفتر ضرور جائے گا۔ کہتے ہیں وہ اپنے دفتر اس لیے نہیں جاتا کہ اسے کام سے محبت ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس کے دفتر کے آدمی آرام سے کام کریں اور "فنون" کے دفتر س لیے باقاعدگی سے آتا ہے کہ کہیں دوسروں کو پتہ نہ چل جائے کہ اس کے آنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

وہ اپنے لباس کی طرح رائے بدلتا ہے یعنی نہیں بدلتا۔ نہانے سے اس پر وہی اثر پڑتا ہے جس کے لیے عورتیں ڈائٹنگ کرتی ہیں۔ جس دن نہا کر صاف کپڑے پہن

کر گلی میں آ جائے محلے کے بچے اپنے گھر جا کر والدین سے عیدی مانگنے لگتے ہیں۔

دوران گفتگو ہنستا رہتا ہے تاکہ ہم سے کم لوگوں کو اس کی بات کی سمجھ آئے اور وہ سمجھیں اس نے بڑی اچھی بات کی ہے۔ کچھ پوچھ لو تو بتاتا بتاتا آپ کو کہاں سے

کہاں لے جائے گا۔ یہاں تک کہ آپ بھول جائیں گے کہ آپ نے پوچھا' کیا تھا؟ جو بات آپ چپ رہ کر بھی کر سکتے ہیں وہ آدھ گھنٹے کی مسلسل تقریر کے بعد بھی نہیں کہتا۔

URDU4U.COM

اس قدر ناقابل اعتبار کہ کسی وقت بھی سچ بول سکتا ہے۔ اگر وہ صحافی نہ ہوتا تو میں یہاں تک کہہ دیتا کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا۔ وہ باتیں جنہیں کرنے سے پہلے نوجوان ادھر ادھر دیکھ لیتے ہیں کہ کوئی انہیں یہ باتیں کرتا تو نہیں دیکھ رہا۔ وہ یوں کہہ دیتا ہے کہ سننے والا گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگتا ہے کہ کہیں کوئی اسے سنتا ہوا تو نہیں دیکھ رہا۔ وہ اچھی بات برے طریقے سے کرنا جانتا ہے اسی لیے مذہبی بحث کرتے وقت مولوی لگتا ہے۔ موسیقی سے لگاؤ اور جب اپنی پسند کا گانا سننا چاہے خود گانے لگتا ہے۔ اسے منافقت اور ٹوتھ پیسٹ سے نفرت ہے۔ پہلے دوائیوں کی ایک کمپنی میں ملازم تھا۔ اگر وہیں ہوتا تو بہت ترقی کرتا۔ یہ وہاں نہیں تو کمپنی ترقی کر گئی۔ چھوٹی موٹی بیماری کی دوا اب بھی خود تجویز کر دیتا ہے مگر پہلے یقین کر لیتا ہے کہ دوسرے کے چھوٹے موٹے بچے نہ ہوں۔

دوستوں سے یوں محبت کرتا ہے جیسے زیادتی کر رہا ہو اسی لیے اتنے لوگ اس کی نفرت سے نہیں ڈرتے جتنے اس کی محبت سے خوف کھاتے ہیں۔ صرف بچوں کا احترام کرتا ہے۔ اسی لیے جس کسی کا احترام کرے' سمجھ لیں اسے بچہ سمجھ رہا ہے۔ سوائے اجنبیوں کے کسی کے ساتھ مہذب طریقے سے نہیں ملتا۔ اگر کسی مسئلے پر قہقہے لگا رہا ہو تو سمجھ لیں یہ اس کا ذاتی مسئلہ ہے۔ اگر کسی مسئلے پر پریشان ہو رہا ہے تو یہ اس کے کسی دوست کا ہو گا۔ اس کے حلقہ احباب میں ہر قسم' کسب اور عمر کے لوگ ہیں۔ بوڑھے اسے پسند ہیں اور نوجوانوں کو یہ پسند ہے۔ اس کے دوست اچھے شاعر ثابت ہوں نہ ہوں اچھے شوہر ضرور ہوتے ہیں۔ کیونکہ جو خالد احمد کے ساتھ گزار سکتا ہے وہ ہر قسم کی بیوی کے ساتھ رہ سکتا ہے۔ کہتا ہے صرف اچھی کتابیں پڑھتا ہوں شاید اسی لیے اس نے ابھی تک "تشبیب" اور "ہتھیلیوں پر چراغ" نہیں پڑھی۔

اس کے پاس بیٹھ کر لگتا ہے آدمی اپنے پاس آ بیٹھا ہے۔ وہ وہی بات کرے گا جو آپ سننا چاہتے ہیں۔ ان ادیبوں میں سے نہیں جو جوانوں میں اس لیے نہیں بیٹھتے کہ ان میں بیٹھ کر انہیں اپنے بوڑھے ہونے کا احساس ہوتا ہے۔

URDU4U.COM

جب اس کا دل لکھنے کو نہ چاہے' اخبار کے لیے کالم لکھنے لگتا ہے۔

پہلی ہی ملاقات میں دل جیت لیتا ہے۔ اسی لیے دوسرے ملاقات میں لوگ اسے بے دلی سے ہی ملتے ہیں۔ وہ اپنے باہر کی صفائی کی بجائے اندر کی صفائی کا قائل ہے۔ اسی لیے اندر کی ساری غلاظت اپنی باتوں میں تھوک دیتا ہے۔ دوستوں کو سر ماتھے پر بٹھاتا ہے۔ اسی لیے وہ اسے خود سے نیچا سمجھتے ہیں۔

کہتے ہیں مرد غلط بات کرنے سے پہلے سوچتا ہے اور عورت ایسی بات کرنے کے بعد' لیکن خالد احمد پہلے سوچتا ہے نہ بعد میں۔

کھانے کا دشمن ہے اور کھانا اس کا دشمن ہے۔ مل جل کر کھانے پینے کی ایسی عادت ہے کہ آدھا سگریٹ خود پیتا ہے آدھا ایش ٹرے کو پلاتا ہے۔

اکثر سوتے وقت پاؤں پر جوتے اور باقی جسم پر لحاف اوڑھے ہوتا ہے۔ مگر جوتے لحاف کے اندر نہیں کرتا تا کہ جوتے خراب نہ ہو جائیں۔

احمد ندیم قاسمی پیار کا شہر ہے تو خالد احمد اس کا دروازہ ہے یعنی آنے جانے والوں کو روکتا ہے۔

○○○

• حوا کی بیٹی

حوا کی بیٹی دنیا میں دو بار جنم لیتی ہے۔ ایک بار ماں کے پیٹ سے اور دوسری بار ڈولی کے پیٹ سے۔ مگر ہمارے ہاں پہلی اور دوسری پیدائش میں کوئی خاص فرق نہیں' یعنی دونوں بار پیدا ہونے کی تاریخ' جگہ اور لوگ جن کے ہاں ایسے پیدا ہونا ہوتا ہے ان کے انتخاب میں اس کی رائے نہیں لی جاتی۔

اس کا جسم گولائیوں سے مل کر بنا ہے جب کہ آدمی کا زاویوں سے۔ اس کا وجود پیاز کی طرح ہے جتنی مرضی پرتیں اتاریں پھر بھی کوئی نہ کوئی گولائی موجود ہو گی بلکہ یہ خود بھی اس وقت تک موجود ہو گی جب تک کوئی نہ کوئی پرت ہو گی۔

دنیا کی سب سے پہلی عورت' مرد تھی پھر اسے حضرت آدم کے سینے سے علیحدہ کیا گیا مگر آدم کے علاوہ دنیا کا ہر مرد پہلے عورت ہوتا ہے۔ نو مہینے بعد وہ اس کے جسم سے علیحدہ ہوتا ہے اسی لیے ساری زندگی اسے سب سے زیادہ کشش اپنے اصل ہی کی ہے۔

حوا تو وہ سیڑھی ہے جس کے ذریعے انسان عرش سے فرش پر اترتا ہے اور باقی ساری زندگی واپس چڑھنے کا سوچتا رہتا ہے۔

اس میں اور مرد میں وہی فرق ہے جو پھل اور بیج میں۔ پھل میں ذائقہ اور کئی بیج ہوتے ہیں جبکہ بیج میں پورا شجر۔ وہ آئینے کی طرح ہے یعنی اس میں وہی نظر آتا ہے جو اس وقت اس کے سامنے ہوتا ہے۔

وہ اس دنیا کی سب سے پہلی تخلیق کار ہے مگر اپنی تخلیق مرد کے ہاتھوں تنگ ہے۔ جس نے اسی کا خدا (مجازی) ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے۔

اسے خوش کرنا سب سے آسان اور اسے خوش رکھنا سب سے مشکل ہے۔ اس کو حاصل کرنا آرٹ اور اسے رکھنا سائنس ہے۔ اسے وہ سب سے زیادہ جانتا ہے جس کو یہ پتہ نہیں ہے کہ وہ ابھی اسے نہیں جانتا۔

خاموشی ایک لباس ہے شاید اسی لیے عورتوں کو پسند نہیں۔ کہتے ہیں مرد اس وقت مرتا ہے جب اس کی نبض رک جائے اور عورت اس وقت جب اس کی زبان۔ زبان اس کے جسم کا سب سے سخت عضو ہے۔ دنیا کے آدھے مسائل اس کے پیدا کردہ ہیں اور باقی آدھے ان مسائل کو سلجھانے کی کوشش میں پیدا ہوئے ہیں۔ وہ آنکھوں سے زیادہ کانوں کا استعمال کرتی ہے اور مرد کانوں سے زیادہ آنکھوں کا۔

اگرچہ شادی شدہ عورتوں کو مردوں میں برابر برابر تقسیم کرنے کا نام ہے' پھر بھی اس کی آدھی عمر شادی کے انتظار میں گزرتی ہے اور باقی اس کی یاد میں۔ کہتے ہیں مرد محبت کے لیے شادی کرتا ہے اور عورت شادی کے لیے محبت۔

عورت اس دنیا کی خوبصورت بد صورتی ہے اور مرد بد صورت خوبصورتی۔ اس دنیا میں عورت کی سب سے بڑی محافظ اس کی بد صورتی ہے اور وہ سب سے خوبصورت اس وقت ہوتی ہے جب حاملہ ہو۔ مسکراہٹ اس کے چہرے کا نقاب ہے اور نقاب میں اصلی چہرہ نظر نہیں آتا۔ اس کے لیے سب سے بڑی گالی یہ ہے کہ تم بوڑھی ہو۔ وہ میک اپ جس میں وہ سب سے خوبصورت لگتی ہے "خوشی" ہے۔ اس کا لباس اس کے جسم کی روح ہے۔

حوا کی بیٹی اس دنیا میں اللہ کا سب سے بڑا اور حسین انعام ہے اسی لیے ہر کوئی چاہتا ہے سب سے پہلے یہ انعام اسے مل جائے۔ اچھی بری عورت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ وہ کس بات پر خوش ہوتی ہے۔ اس کے بناؤ سنگھار اور طور اطوار سے پتہ چل جاتا ہے کہ وہ کیا چاہتی ہے؟ دنیا میں ایک شخص ہے جو دوسروں کو اس کی عزت نہیں کرنے دیتا اور وہ یہ خود ہے۔ یہ مرد کو بیوقوف جانتی ہے اور مرد اسے بیوقوف مانتا ہے۔ عورت سب سے طاقتور اس وقت ہوتی ہے جب مرد اسے کمزور کہے۔ مرد اس وقت بوڑھا ہوتا ہے جب وہ محسوس کرے اور عورت اس وقت بوڑھی ہوتی ہے جب دوسرے محسوس کریں۔

کہتے ہیں حوا دنیا میں شیطان کی ایجنٹ ہے۔ یہ بات درست لگتی ہے۔ کیونکہ شیطان بھی

تو مذکر ہی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عورتوں کی بہترین خصلتیں وہ ہیں جو مردوں کی بد ترین صفتیں ہیں۔ غرور' بزدلی اور کنجوسی۔

URDU4U.COM

تاریخ گواہ ہے مرد دنیا میں سب سے زیادہ عورت سے متاثر ہوا۔ اس سے زیادہ اسے کوئی جنگ بھی متاثر نہ کر سکی لیکن "ف" کہتا ہے' عورت بیچاری کیا کر سکتی ہے؟ زیادہ سے زیادہ جنت سے نکلوا سکتی ہے۔ اس بیچاری کو تو اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا بدلہ لینے کے لیے بھی ایک مرد پیدا کرنا پڑتا ہے۔ ویسے حوا کی بیٹی نے مرد کو بڑے بڑے مسائل سے بچایا ہے۔ وہ اس کو چھوٹے چھوٹے مسائل میں اتنا مصروف رکھتی ہے کہ اس کے پاس وقت ہی نہیں رہتا کہ وہ بڑے بڑے مسئلوں کے بارے میں سوچ کر پریشان ہو۔

کام کے معاملے میں مرد کمزور ہے یعنی وہی کام عورت' مرد سے کم زور پر کر لیتی ہے بلکہ مرد تو اس کے سارے کام کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ اس کا بس چلے تو وہ اسے سانس بھی نہ لینے دے۔

اس کی اور مرد کی نفسیات میں یہ فرق ہے کہ مرد یہ نہیں دیکھتا کہ اس کی پہنچ میں کیا ہے بلکہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کی پہنچ سے باہر کیا ہے جبکہ حوا کی بیٹی وہی کچھ دیکھتی ہے جو اس کی پہنچ میں ہوتا ہے۔ مرد چاہتا ہے وہ عورت کی زندگی کا پہلا مرد ہو جبکہ عورت چاہتی ہے کہ وہ مرد کی زندگی کی آخری عورت ہو۔

بڑی شکی القلب ہے حیرانی کی بات ہے کہ لوگ اس کے بارے میں متضاد رائے رکھتے ہیں اور اس سے زیادہ حیرانی کی بات یہ ہے کہ وہ بیک وقت صحیح بھی ہوتے ہیں۔

آزادی نسواں کی تحریک دراصل آزاد نسواں کی تحریک ہے اور وہ یہ چاہتی ہیں کہ وہ مرد کی مرضی سے اس کی غلام نہ بنیں بلکہ اپنی مرضی سے اس کی غلام بنیں۔ لینن نے کہا تھا عورت صحیح معنوں میں اس دن آزاد ہو گی جب گھر سے باہر نکلے گی۔ شاید اسی لیے ہمارے ہاں جب عورت کو گھر سے نکالتے ہیں تو کہتے ہیں جا تجھے آزاد

کیا۔ عورت چاہتی ہے کہ دنیا میں اس کی حکمرانی ہو۔ ہے بھی ٹھیک کہ دنیا تو بنی ہی اس کے لیے ہے ورنہ مرد کے لیے تو اللہ نے جنت بنائی تھی۔ مرد کو جنت سے دنیا میں لانا اسی کا کام ہے اور وہ آج بھی یہی کر رہی ہے کہ بچے کا پیدا ہونا دراصل اس کا جنت سے نکلنے کا عمل ہی تو ہے کہ ماں کے پیٹ سے زیادہ آسائشیں جنت میں کیا ہوں گی۔ یہی نہیں اس بچے سے زیادہ نیک لوگ جنت میں کم ہی ہوں گے۔

URDU4U.COM

عورت اور مرد کا فطری رشتہ ایک ہی ہے جو حضرت آدم اور حضرت حوا کا تھا۔ باقی سارے رشتے انسان کی اپنی دریافت ہیں بلکہ خدا بھی انسان ہی کی دریافت ہے اور وہ شخص اتنا ہی عظیم ہوتا ہے جتنی عظیم وہ دریافت کرے۔

مختلف علاقوں میں لوگ حوا کے بارے میں مختلف رائے رکھتے ہیں۔ دس عورتوں میں ایک روح ہوتی ہے۔ انگلستان میں کہاوت ہے "عورت تیرا نام کمزوری" جبکہ ایرانی' عورت کا دوسرا نام بیوفائی بتاتے ہیں۔ جاپانی فرماتے ہیں "جو عورت غور و فکر کرتی ہے خراب ہوتی ہے۔" اطالوی کہاوت ہے "گھوڑا اچھا ہو یا برا اس کے لیے مہمیز چاہیے۔" ایسے ہی عورت اچھی ہو یا بری اسے ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جرمن کہتے ہیں بدمعاشوں اور رذیلوں سے محبت کرنے والی ہستی خدا کے بعد عورت ہے جبکہ ہمارے ہاں ہے کہ عورت اور گھوڑی اس کی جس کے قبضے میں ہو۔ اس سے یہ پتا چلے نہ چلے کہ عورت کیا ہوتی ہے یہ ضرور پتہ چل جاتا ہے کہ ان ملکوں میں عورت کے ساتھ کیا ہوتی ہے۔

حوا غزل کا شعر ہے اور مرد نثر پارہ۔ نثر پارہ جیسا ہوتا ہے ویسا ہی رہتا ہے' مگر شعر کا مطلب تو ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا پڑھنے والا۔ یوں بھی ہمارے ہاں دو غزلے' سہ غزلے اور چہار غزلے کی قانونی اجازت ہے مگر کوئی دو مضمونہ' سہ افسانہ اور چہار افسانہ سننے میں نہیں آیا۔ چوری چھپے کی بات اور ہے۔

محبت عورت کی ایجاد اور مرد کی دریافت ہے۔ یہ وہ بیماری ہے جس میں مرد عورت کی بینائی کم ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھی تو یہ اندھے بھی ہو جاتے ہیں۔

حوا کی بیٹی ہر کسی پر اعتبار کر لیتی ہے اس لیے ناقابل اعتبار ہے۔ کہتے ہیں جذبات مرد کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اور عورت جذبات کے ہاتھ میں' جذباتی ہو کر زندگی کے فیصلے کر لیتی ہے اور پھر ساری عمر انہیں عقل سے صحیح ثابت کرنے میں لگی رہتی ہے۔

URDU4U.COM

حسن ظن سے زیادہ حسن زن سے کام لیتی ہے۔

اس کو وہی پسند ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اللہ کو اپنی تعریف سننا پسند ہے۔ یوں بھی مرد کا عورت کی تعریف کرنا دراصل اپنی ہی پیدائش کو حق بجانب قرار دینا ہے ورنہ اس نے دل سے اسے آج تک بیوی' باندی اور بیوہ کے سوا کوئی مقام نہیں دیا۔ لیکن اللہ نے حوا کی بیٹی کو وہ رتبہ دیا ہے کہ اگر خدا کو زمین پر کسی روپ میں آنا پڑا تو وہ یقیناً مرد کی بجائے ماں کا روپ ہو گا۔

○○○

• مجرم ظریفی

خد و خال میں وہی ملنمت جو آؤٹ آف فوکس تصویر میں ہوتی ہے جب تک بار نہ دیکھو اچھا نہیں لگتا' آپ اسے خوبصورت کہہ سکتے ہیں نہ بد صورت بوڑھا کہہ سکتے ہیں نہ جوان' پاس بیٹھا ہو تو کچھ بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ جو کچھ کہنا ہوتا ہے اسی کو کہنا ہوتا ہے۔ عینک لگاتا ہے۔ کہتے ہیں' عینک آنکھ کا لباس ہے اسی لیے جب وہ عورتوں کے پاس بیٹھتا ہے عینک اتار لیتا ہے۔ اس کا پیٹ زنانہ ہے یعنی چند مہینوں میں باہر نکل آتا ہے اور پھر اندر چلا جاتا ہے حالانکہ ہمارے ہاں ادیبوں کے پیٹ ہی تو مردانہ ہوتے ہیں۔ یعنی جب بڑھتے ہیں تو پھر بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں اس کی شخصیت ایسی ہے کہ آپ اسے ساتھ لے جا رہے ہوں تو دیکھنے والا یہی سمجھے گا وہ آپ کو لے جا رہا ہے۔ گروپ فوٹو میں اکیلا نظر آتا ہے اور سنگل تصویر میں ڈیوڑھا۔ اس کی کتاب "جرم ظریفی" پر اس کا کارٹون چھاپا گیا ہے جبکہ پہلی تین کتابوں روزن دیوار سے' خند مکرر اور عطایئے میں یہ کام اس کی تصویر ہی سے لیا گیا تھا۔

عطاء الحق قاسمی امرتسر میں پیدا ہوا اور سارا دن یہی ثابت کرنے میں لگا رہتا ہے۔ خاندان ایسا کہ اس کے آباء و اجداد مسجد میں پیدا ہوئے اور یہیں وفات پائی۔ پیر زادہ ہے مگر خود اسے پیری پسند نہیں لیکن آخر ایک دن اسے بھی پیر ہی ہونا ہے' سدا جوان کون رہا؟ جو کچھ کہتا ہے کرکے دکھاتا ہے۔ کہتا ہے' میں اس مذہبی گھرانے کا آخری چشم و چراغ ہوں۔

ہر کسی کے پاس نہیں بیٹھ سکتا۔ ہر کوئی اس کے پاس بھی نہیں بیٹھ سکتا۔ جب چپ ہو تو سمجھ لیں اس کے پاس کہنے کو بہت ہے۔ دیر سے بے تکلف ہوتا اور دیر تک رہتا ہے۔ دوست اس کے پاس بیٹھ کر بڑی بڑی پریشانیوں سے بالا تر ہو جاتے ہیں کہ اس کے ہوتے ہوئے انہیں وہ پریشانیاں چھوٹی چھوٹی لگتی ہیں۔ دوست دشمن دونوں کو

سینے سے لگا لیتا ہے مگر دوست کو دوست سمجھ کر اور دشمن کو دشمن سمجھ کر۔ کسی کے سامنے جھک نہیں سکتا جس کی وجہ مخالفین اور معالجین اس کی ریڑھ کی ہڈی کا درد بتلاتے ہیں۔ لوگ اپنی پہلی ہی ملاقات میں اس کے بارے میں اچھی رائے قائم کر لیتے ہیں جسے تبدیل کرنے کے لیے انہیں بڑی محنت کرنا پڑتی ہے اس کے ہاں لیفٹ رائٹ نہیں' رائٹ رانگ ہے۔ روز ملنے والے اسے خوش اخلاق نہیں مانتے اور کبھی کبھی ملنے والے ان کی بات نہیں مانتے۔

کھانے کا اس قدر شوق کہ جو چیز اچھی لگے اسے کھانے والی نظروں سے دیکھتا ہے۔ آم دیکھ کر باغ باغ ہو جاتا ہے عام آم بھی یوں چوستا ہے کہ دروغ بر گردن راوی اسے یہ کچھ کرتا دیکھ کر ایک امریکن لڑکی نے اسے شادی کی پیش کش کر دی تھی۔

وہ سگریٹ' وعدہ' دوستی اور آم کبھی ادھورا نہیں چھوڑتا۔ اس بات پر بھی سبحان اللہ کہتا ہے جس پر اس کے ہم عمر لاحول ولا قوہ کہتے ہیں۔

کہتے ہیں بندہ ضائع کر دیتا ہے فقرہ ضائع نہیں کرتا۔ لیکن وہ فقروں سے بندہ ضائع نہیں کرتا' بندہ بنا دیتا ہے۔ جب اپنی پسند کا کالم پڑھنا چاہے کاغذ قلم لے کر بیٹھ جاتا ہے۔ تقریبات میں اس کی تحریروں پر لوگ ایک ایک فقرے پر ہال سر پر اٹھا لیتے ہیں۔ صرف بور جملے خاموشی سے سنتے ہیں۔ محفل میں وہ چپ ہو تو لوگ یوں بیٹھے ہوتے ہیں جیسے مجلس سن رہے ہوں۔ ہر فقرے پر داد لیتا ہے اکثر داد پہلے لے لیتا ہے' فقرہ بعد میں سناتا ہے۔ یہ وہ میٹرنٹی ہوم ہے جو فقروں کی ڈلیوری کے لیے چوبیس گھنٹے کھلا رہتا ہے۔ اس نے بڑی سنجیدگی سے مزاح لکھا۔ اس کے ہاں فقرہ ہی نہیں فکر بھی ہے۔

خود معمولی بات پر پریشان ہو جاتا ہے البتہ دوسروں کو کبھی معمولی بات سے پریشان نہیں کرتا۔ اگرچہ اس کی عمر شرمانے کی نہیں شرمندہ ہونے کی ہے مگر یہ اب بھی شرماتا ہے اور اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود اس کام کے لیے موقع نکال لیتا ہے۔

اس کے کسی دوست سے کہو کہ دوستی کی ایک لفظ میں تعریف کرو تو وہ کہے گا' عطا.....

اگر اس کے دشمن سے دشمنی کی تعریف پوچھو تو وہ بھی یہی کہے گا۔ سب اسے اچھا دوست کہتے ہیں' میں نہیں مانتا۔ وہ برا دوست ہے کہ دوستوں کو برائیوں سمیت قبول کرتا ہے۔ وہ اچھا دشمن بھی نہیں اس لیے اس کا کوئی ذاتی دشمن نہیں۔ اس کے تین قسم کے دشمن ہیں اس کے دوستوں کے دشمن' ان دشمنوں کے دوست اور وطن دشمن'

اس میں بڑے آدمیوں والی خوبیاں ہیں۔ بڑے آدمی قوموں کو خواب غفلت سے بیدار کرتے ہیں۔ یہ بھی اپنے پاس کسی کو سونے نہیں دیتا۔ یعنی سویا ہوا ایسے خراٹے لیتا ہے کہ مسلم قوم کا کوئی فرد اس کے پاس خواب غفلت میں نہیں رہ سکتا۔

کہتے ہیں وہ کالمسٹ زندہ رہتے ہیں جن کے قاری انہیں ڈھونڈیں اور ہمارے کالمسٹ بھی اس لیے زندہ ہیں کہ ان کے قاری انہیں ڈھونڈنے میں کامیاب نہیں ہوتے' لیکن عطا ان کا کفارہ ہے۔ اس کے ہاں طنز کے کانٹے کی چبھن بھی ہے مگر وہ نہیں جو کانٹا چبھتے وقت ہوتی ہے بلکہ وہ جو نکالتے وقت ہوتی ہے۔ مشتاق احمد یوسفی کی تحریریں پڑھ کر لوگ مسکراتے ہیں' ابن انشاء کی پڑھتے ہوئے مسکراتے ہیں جبکہ عطا کی مسکراتے ہوئے پڑھتے ہیں۔ کہتے ہیں جب تک آدمی برا نہ سوچے' برا نہ دیکھے اور برا نہ سنے وہ اچھا کالم نہیں لکھ سکتا اور عطاء الحق قاسمی بلا شبہ اچھا کالم نگار ہے۔

○○○

• مختصر ترین ہیروئین

کمر جتنی پتلی ہو اتنی ہی دور سے پہلے نظر آتی ہے۔ ایسے ہی مختصر ترین ہیروئین بڑی بڑی تفصیلی ہیروئینوں سے زیادہ نمایاں ہے۔ لوگ پہلی ہی نظر میں اسے پسند کرنے لگتے ہیں جس کی ایک وجہ شاید یہ ہو کہ وہ پہلی نظر میں ہی آخر تک نظر آ جاتی ہے قد ایسا کہ ہر کسی کو اس سے جھک کر ملنا پڑتا ہے اور بقول دلدار اسے دیکھ کر لگتا ہے دس کنال کی کوٹھی دس مرلے میں بنائی گئی ہے۔ اس کا قد چار فٹ گیارہ انچ ہے اور انا گیارہ فٹ چار انچ۔

یوں تو ایسی اداکار کہ اس کی ہر ادا کی قیمت کار ہے۔ لیکن اس کی کار کی بھی اپنی ادا ہے۔ یوں ڈرائیونگ کرتی ہے جیسے حادثے کی ریہرسل کر رہی ہو۔ گلبرگ اس کے گھر سے اسٹوڈیو تک چند منٹوں کا راستہ ہے لیکن پھر بھی ٹریفک کانسٹیبل کو ضرور پیچھے لگواتی ہے لیکن میرا دوست "ف" کہتا ہے کہ کانسٹیبل اس کے پیچھے اس لیے نہیں آتا کہ اس نے ٹریفک کے قوانین کی خلاف ورزی کی ہوتی ہے بلکہ جب یہ اپنی بڑی گاڑی میں گزرتی ہے تو کانسٹیبل پریشان ہو کر یہ جاننے کے لیے اپنی کار اس کی کار کے پیچھے لگا دیتا ہے کہ یہ گاڑی بغیر ڈرائیور کے کیسے چل رہی ہے؟

وہ اس ادھوری بات کی طرح ہے جسے ہر کوئی مکمل کرنا چاہتا ہے۔ وہ بات آنکھوں سے کہہ دیتی ہے جس کے لیے شاعر پورا دیوان لکھ مارتے ہیں۔ تعلق اسی اونچے خاندان سے ہے جس کی زمین بھی چھت سے شروع ہوتی ہے۔

کہتی ہے میں کئی قسم کے رقص جانتی ہوں۔ اسی لیے رقص کر رہی ہو تو لگتا ہے کئی قسم کے رقص کر رہی ہے۔ اس میں نسوانیت اداکار فیصل سے زیادہ اور مردانگی اداکارہ سلمٰی آغا سے زیادہ ہے۔ لباس پر زیادہ توجہ دیتی ہے۔ دیکھنے والے بھی زیادہ اس کے

لباس ہی کو توجہ دیتے ہیں۔

اس کی پسندیدہ بک "چیک بک" ہے۔ ہر زبان میں چھپنے والے تصویری رسالے پڑھ لیتی ہے۔ انگریزی بولتے وقت اسے ذرا دشواری پیش نہیں آتی بس سننے والوں کو پیش آتی ہے۔

URDU4U.COM

ہمارے ہاں عورتیں عمر کے بارے میں اس قدر حساس ہیں کہ میں نے ہمیشہ بڑا آدمی ہی سنا آج تک بڑی عورت نہیں سنا۔ مختصر ترین ہیروئین بھی اگر کسی اداکارہ کو خود سے بڑی سمجھتی ہے تو یقین کر لیں وہ اسے عمر میں بڑی سمجھتی ہے۔

اگرچہ ہمارے ہاں فلم انڈسٹری میں ہیروئین سے اس کے والد کا نام پوچھنا بد اخلاقی سمجھا جاتا ہے پھر بھی کچھ فلمی ادکارائیں اپنے نام کے ساتھ والد کا نام لگاتی ہیں۔ یہ ان میں سے ایک ہے۔ خاوند کا نام اس لیے نہیں لگاتیں کہ خاوند کا کیا وہ تو بدلتا رہتا ہے' والد تو ایک ہی رہتا ہے۔ مختصر ترین ہیروئین کے نام کے پہلے حصے میں اتنی مردانگی ہے جتنی کسی مرد میں زیادہ سے زیادہ ہو سکتی ہے اور نام کا دوسرا حصہ وہ ہے جو کہہ کر آج تک کسی نے کسی فلمی ہیروئین کو نہیں بلایا۔

فلم میں ماں بننے سے اتنا ہی ڈرتی ہے جتنا حقیقت میں جس کی وجہ سے میرا دوست "ف" یہ بتاتا ہے کہ وہ جنت کا اس قدر احترام کرتی ہے اور نہیں چاہتی کہ ایسی مقدس جگہ اس کے پاؤں تلے آئے۔

اکیلی رہ رہ کر تنہائی کی اس قدر عادی ہو گئی ہے کہ کوئی ساتھی مل جائے تو پریشان ہو جاتی ہے۔ آؤٹ ڈور شوٹنگ پر بھی اکیلی ہی جائے گی حالانکہ ہماری دوسری ہیروئینوں کی روزانہ استعمال کی چیزوں میں ان کی سعادت مند مائیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ ساتھ چیزیں اٹھانے کے لیے ایک ملازم بھی رکھتی ہیں کیونکہ ہیروئینوں نے تو اپنا بوجھ بمشکل اٹھا رکھا ہوتا ہے۔

فلم میں اگر ہیرو کے چہرے کی طرف دیکھ کر ڈائیلاگ بول رہی ہو تو لگتا ہے چھت کی طرف دیکھ کر بول رہی ہے۔ سکرین پر پیاری لگتی ہے۔ کہتے ہیں اگر اسے سامنے

ڈائریکٹر نظر نہ آئے تو اور بھی پیاری لگے کیونکہ جس کو دیکھا جائے اس کا حسن بھی دیکھنے والے کے چہرے پر آ جاتا ہے۔ وہ ڈوب کر اپنا کردار ادا کرتی ہے حالانکہ اکثر ہیروئینوں کو یہ کچھ کردار کرنے کے بعد کرنا چاہیے۔

URDU4U.COM

ہر وقت کسی نہ کسی شوٹنگ میں جتی رہتی ہے اس بے پناہ مصروفیت کا فائدہ یہ ہے کہ اپنے قد کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان نہیں ہوتی۔ اپنے پورے بدن سے دیکھتی ہے اور ہر بار یوں دیکھتی ہے جیسے پہلی بار دیکھ رہی ہو۔ فلموں میں آج کل جیسے رول کر رہی ہے لگتا ہے آئندہ اسے بطور ہیرو کاسٹ کیا جائے گا۔ جس دن شوٹنگ کینسل ہو جائے یوں خوش ہوتی ہے جیسے بچے سکول سے چھٹی پر ہوتے ہیں۔

وہ اپنے فن میں یکتا ہے اور اسے ایسے ہی لوگ پسند ہیں جو اپنے شعبے میں ماہر ہوں اسی لیے اس نے اپنی پہلی شادی اس سے کی جس کا شادیوں کا تجربہ اس کے اس فن میں یکتا ہونے کا "شاہد" تھا۔ بہت ذہین ہے۔ جو کام دوسری عورتیں ایک سال میں سیکھتی ہیں' یہ ایک ماہ میں۔ اسی لیے دوسروں کی زندگی کا ایک سال گزرتا ہے تو اس کا ایک مہینہ۔

ہمارے ہاں فلمی اداکاراؤں کے خاوند ان کے گھر کے فرنیچر کا حصہ لگتے ہیں مگر یہ خود گھر میں بیٹھی ڈیکوریشن پیس لگتی ہے۔ ایسی عورت ہے جس کے پاس بیٹھ کر آپ کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ آپ مرد ہیں جب تک وہ خود نہ بتائے۔ اسے دیکھ کر بندے کو اس سے محبت کم اور شفقت زیادہ ہوتی ہے۔ ایوارڈ دے بھی رہی ہو تو یہی لگتا ہے لے رہی ہے۔ اسٹوڈیو میں یوں آتی ہے جیسے اچھے دل میں برا خیال یعنی خاموشی سے۔

زندگی میں جو دن اچھے بسر کئے انہیں ہی بار بار بسر کرتی رہتی ہے۔ زندگی کے جو دن اچھے نہیں تھے انہیں اپنی عمر میں شامل نہیں کرتی۔ جب غصے میں ہوتی ہے خود کو کمرے میں بند کر لیتی ہے اگر ایسا نہ کرے تو دوسروں کو یہ کچھ کرنا پڑتا ہے جب ڈیپریشن ہو تو لندن چلی جاتی ہے اور جو سب یہاں کیا ہوتا ہے لندن جا کر اس کا نتیجہ نکالتی

ہے۔
شادی کے بعد نئی زندگی شروع ہوتی ہے اور ہماری ہیروئنیں ہر سال نئی زندگی شروع کرتی ہیں۔ وہ بھی انے لیے پھر ایک خاوند بیاہ کر لانا چاہتی ہے۔ ایک اسٹوڈیو کے مالک کے بیٹے سے عشق ہو گیا اور پھر اسے شادی کو کہا تو اس نے فوراً کسی سے شادی کر لی۔
صورت ایسی بنائے رکھتی ہے کہ بے اختیار نصیحت کرنے کو دل چاہتا ہے۔ دیکھتی کم اور دکھتی زیادہ ہے۔ اس قدر محتاط کہ جس دن پیاز کھایا ہو فون اٹینڈ نہیں کرتی۔ ہیرو سے اظہار محبت کر رہی ہو تو لگتا ہے اس سے ٹافیاں مانگ رہی ہے جبکہ دوسری ہیروئنیں محبت کر رہی ہوں تو لگتا ہے گھر کا کام کر رہی ہیں۔ اسے نت نئے لباس پہننے کا شوق ہے اسی لیے اس کا گھر لانڈری لگتا ہے۔ وہ جو لباس ایک بار پہن لے بعد میں لباس "فاخرہ" بن جاتا ہے۔
دن رات فلمیں کرتی ہے ذرا آرام نہیں کرتی۔ فلمیں ہی اس کی آخری آرام گاہ ہیں۔ فلموں میں سب سے پہلے اس نے "بھول" کی۔ عام زندگی میں اسے دیکھ کر شک بھی نہیں ہوتا کہ یہ اداکارہ ہے بلکہ فلموں میں بھی اسے دیکھ کر شک نہیں ہوتا کہ وہ اداکاری کر رہی ہے۔

○○○

- راسپوٹین

شکل و صورت ایسی کہ ٹی وی پر کوئی بچہ دیکھ لے تو بھاگ کر اپنی امی سے کہے کہ امی امی دیکھیں امرتسر کتنا کلیئر آ رہا ہے۔ سیلف میڈ آدمی ہے اور اس کی حالت دیکھ کر اس کا یقین بھی ہو جاتا ہے۔ جب دیکھتا ہے اس کی پوری شخصیت آنکھوں میں سمٹ آتی ہے بلکہ جسے دیکھتا ہے اس کی پوری شخصیت بھی آنکھوں میں سمٹ آتی ہے۔ آج کل داڑھی میں منہ چھپائے پھرتا ہے۔ اب تو داڑھی سے اتنا تھوڑا چہرہ بچا ہے کہ یہ جاننے کے لیے کہ وہ خوش ہے یا غصے میں' اسے پوچھنا پڑتا ہے۔ آہستہ آہستہ چل رہا ہو تو لگتا ہے کسی کا تعاقب کر رہا ہو' تیز ہو تو لگتا ہے اس کا تعاقب ہو رہا ہے۔

عمر کے اس حصے میں ہے جہاں آدمی کو اپنی ناک سے آگے نظر نہیں آتا مگر اسے نظر آتا ہی اپنی ناک کے بعد شروع ہوتا ہے۔ چھوٹی سی بات پر پریشان ہو جاتا ہے اور اس وقت تک پریشان رہتا ہے جب تک کوئی بڑی بات نہ ہو جائے۔ اپنی تعریف سے گھبراتا ہے مگر تنقید سے نہیں ڈرتا کیونکہ یہ کام تو تنقید کرنے والے کا ہے۔

زندگی میں معمولی لغزشوں سے غیر معمولی نتائج نکالتا ہے۔ اکثر نتائج پہلے نکال لیتا ہے۔ لغزشیں بعد کے لیے رکھ لیتا ہے۔ بات غیر شعری نہیں ہونے دے گا چاہے غیر شرعی ہو جائے مگر خود اس قدر شرعی ہے کہ مجال ہے بغیر کسی شرعی وجہ کے کبھی نہایا ہو۔ وہ ان لوگوں سے زیادہ مذہبی ہے جو اس سے کم مذہبی ہیں۔

لفظوں ہی کی نہیں اعضاء کی شاعری بھی کرتا ہے۔ اکثر دوسروں کی شادیوں پر ایسا رقص کرتا ہے کہ وہ شادی کم اور عرس زیادہ لگتی ہے جس جس کی شادی پر اس نے رقص کر دیا۔ اس نے پھر کبھی شادی نہیں کرائی۔ رونا آنکھوں کو غسل دینا ہے تا کہ بندہ کسی کو میلی آنکھ سے نہ دیکھ سکے وہ اس کام کو اچھا سمجھتا ہے مگر کرتا یوں ہے جیسے

برا کام کر رہا ہو یعنی چھپ چھپ کر۔ اس کی کتاب "مندر میں محراب" چھپی تو اس قدر پڑھی گئی کہ اس کے مخالفین نے اس کی کاپیاں خرید خرید کر دوسروں کو پڑھوائیں۔

URDU4U.COM

یہ ہندوستان کا سفر نامہ ہے جسے پڑھ کر لگتا ہے اس نے اپنے اندر سفر کیا ہے۔ ایسی صحت افزا باتیں کرتا ہے کہ سننے والا کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو۔ اس کا چہرہ انار کی طرح سرخ ہو جاتا ہے۔ دوران بحث موضوع گرفت میں آئے نہ آئے مخاطب ضرور اس کی گرفت میں ہوتا ہے۔ اس کی تعریف کر دو تو اسے ساری عمر یاد رہے گا اور اگر مخالفت کر دو تو آپ کو ساری عمر یاد رہے گا۔

فقرہ یوں زور لگا کر ادا کرتا ہے جیسے ڈلیور کر رہا ہو۔ اچھے فقرے کے بعد اس کے چہرے پر شرم اور خوشی کی وہی لہر ہوتی ہے جو مشرقی عورت کے چہرے پر نر بچہ جنم دینے کے بعد ہوتی ہے۔

معاشرے میں مرد کی برتری کا قائل ہے وہ تو عورت کو اس کی نظر سے دیکھتا ہے کہ مرد ہوتی تو کیسی ہوتی۔ نظر اتنی تیز کہ اسے دور سے آتی لڑکی نظر آ جاتی ہے اور جاتی ہوئی تو اور دور تک دکھتی ہے۔

اس کی خوراک اتنی کہ کوئی اس کے سامنے آدھا چرغہ کھا لے تو اسے ہاضمے کی دوا کھانا پڑتی ہے۔ اس کا پیٹ ہمیشہ بھوک سے ہی بھرا رہتا ہے تاہم دوستوں کو اس قدر کھلاتا ہے کہ ان کا دشمن لگتا ہے۔

جس لباس میں سوتا ہے اسی میں کلاس میں چلا جاتا ہے۔ کہتا ہے' میں نے کلاس روم اور بیڈ روم کا فاصلہ ختم کر دیا ہے۔ اس کی باتیں سن کر ایسا ہی لگتا ہے۔

کہتے ہیں شاعری کرنا بات کرنے کا ہنر نہیں بات چھپانے کا فن ہے۔ وہ یہ فن جانتا ہے۔ وہ ڈکشن اور ڈیکوریشن کا شاعر ہے۔ اس کے پاس بیٹھ کر سب جونیئر سینئر ایک جیسے ہو جاتے ہیں یعنی سب خود کو ایک دوسرے سے سینئر سمجھنے لگتے ہیں۔

تنہائی میں عبادت کرتا ہے ویسے جن دوستوں میں یہ پھرتا ہے ان کو دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا تنہا ہونا عبادت کرنا ہی ہے۔ عاشق مزاج بندہ ہے لیکن اگر اس

سے پوچھو کہ آج کل کس سے عشق چل رہا ہے تو فوراً گھبرا کر کہے گا کیا مطلب؟ عورت سے اور کس سے؟ بری بات اس طرح کرتا ہے کہ وہ اتنی بری نہیں لگتی' اچھی بھی ایسے ہی کرتا ہے۔

URDU4U.COM

وہ حساب کے سوال کی طرح ہے۔ اگر صحیح ہے تو پھر پورے سو نمبر اور اگر آپ کے ساتھ صحیح نہیں تو پھر آپ کا صفر۔ دوستی یوں کرتا ہے جیسے اس کے علاقے میں لوگ دشمنی کرتے ہیں یعنی پکی اور عمر بھر کی۔ مصیبت کے وقت دوست کی مدد کو یوں فوراً پہنچتا ہے جیسے اسی موقع کی تلاش میں تھا۔ ویسے اگر کوئی اس کو بچانا چاہے تو اسے دوستوں سے بچا دے۔ دشمنوں سے وہ خود بچ جائے گا۔

○○○

• افریقہ کا بٹ

جیسے کسی بچے اور سردار جی کے بارے میں یہ پیش گوئی نہیں کی جا سکتی کہ وہ اگلے لمحے کیا کرے گا ایسے ہی دلدار بھٹی کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اگلے لمحے کیا کہے گا۔ کہتے ہیں اسے بولنے کی بیماری ہے حالانکہ وہ چپ ہو تو اس کا یقینی مطلب یہ ہے کہ وہ بیمار ہے۔ دوران گفتگو کسی کی سننا تو درکنار وہ اپنی بھی نہیں سنتا۔

لڑتے وقت دلدار بھٹی سے دلا بھٹی بن جاتا ہے۔ اگر کسی سے زیادتی کرے تو معافی مانگ لیتا ہے۔ اسی لیے کسی سے لڑ پڑے تو اسے دل کھول کر ذلیل کرتا ہے کہ کل معافی تو مانگ ہی لینا ہے۔ چھوٹے منہ کی بڑی سے بڑی بات کو بڑے حوصلے سے برداشت کر جاتا ہے مگر بڑے منہ کی چھوٹی بات پر میں نے اس کو بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھا ہے۔

دلدار دیکھنے میں ریڈیو کا آدمی لگتا ہے یعنی صرف سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ رنگ ایسا کہ نہا کے آ رہا ہو تو لگتا ہے نہانے جا رہا ہے۔ کہتا ہے اگر افریقہ میں ہوتا تو لوگ مجھے بٹ صاحب کہہ کر بلاتے۔ اس کی آنکھیں' ہیڈ لائٹس جنہیں کمپیئرنگ کرتے وقت وہ ماتھے پر رکھ لیتا ہے۔

وہ پیدائشی نیوز کاسٹر ہے یعنی بچپن ہی سے اپنے باپ کے ساتھ اعتماد سے جھوٹ بولتا تھا کہ اس اعتماد سے نیک طینت سچ نہ بولتے ہوں گے شاید اسی لیے وہ اسے وکیل بنانا چاہتے تھے مگر وہ کسی دیوانی عدالت کی بجائے اپنے دیوانوں کی عدالت میں پہنچ گیا۔

عورتیں اسے دلدار' مرد بھٹی اور جنہیں کام ہو وہ بھٹی صاحب کہتے ہیں۔ دلدار عورتوں کو دلدار کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اسے نئے نئے لباس خریدنے کا بہت شوق ہے جس کی وجہ سے میرا دوست "ف" یہ بتاتا ہے کہ وہ نئے نئے لباس آزماتا ہے کہ شاید کوئی

اسے اچھا لگے۔ اپنے طور پر بڑا دھلا دھلایا رہتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کوئی ساتھ ہو تو میلا میلا لگتا ہے۔

وہ برے دنوں کی طرح آتا ہے اور جاتا بھی ایسے ہی ہے یعنی اس کے جانے کے گھنٹہ بعد تک یہی لگتا ہے جیسے ابھی اٹھ کر گیا ہو۔ مخالفین کے ساتھ ہی وہی سلوک کرتا ہے جو مخالفین اس کے ساتھ کرتے ہیں۔

بلا کا تیز ہے جو کام دوسرے ہفتوں میں کرتے ہیں۔ یہ دونوں میں کر لیتا ہے یعنی جتنی غلطیاں دوسرے ہفتے میں کرتے ہیں یہ ایک دن میں کر جاتا ہے۔ گاڑی اس امید پر چلاتا ہے کہ مخالف سمت سے آنے والا خود ہی بچا لے گا حالانکہ ہمارے ہاں مخالف سمت سے آنے والا بھی اسی امید پر ہوتا ہے۔

کسی کو چھوٹا بڑا نہیں سمجھتا اسی لیے اس کے فقروں سے چھوٹے بڑے مساوی طور پر غیر محفوظ ہوتے ہیں۔ زنانہ لباس کی طرح ہے یعنی جو اس کے اندر ہوتا ہے سب پر ظاہر کر دیتا ہے۔

دلدار بھٹی نے بڑے بڑے بدتمیزوں کو مہذب بنایا ہے یعنی وہ اس کے پاس بیٹھے ہوں تو مہذب لگتے ہیں۔ وہ پیٹھ پیچھے برائی نہیں کرتا' یہ کام وہ سامنے کرتا ہے۔ اپنا کسی سے تعارف نہیں کراتا۔ کہتا ہے جو مجھے پہچانتے نہیں ان سے تعارف کروانے کا کیا فائدہ اور جو جانتے ہیں ان سے تعارف کی کیا ضرورت! نتیجہ یہ کہ اب لوگ اسے تعارف کے بغیر ہی برا بھلا کہے لگتے ہیں۔ اس کا فنی قد ایسا ہے کہ آپ پاکستان کے کسی بھی کونے میں کھڑے ہوں اس کو پتھر مار سکتے ہیں۔

تانک جھانک کا اسے بچپن ہی سے شوق تھا۔ آج کل ٹی وی کی کھڑکی سے لوگوں کے گھروں میں جھانکیاں مارنے لگا ہے۔ کمپیئرنگ یہ جاننے کا فن ہے کہ کب چپ ہونا ہے۔ جسے یہ پتا نہ ہو اسے ٹی وی کمپیئر کہتے ہیں۔ راحت کاظمی کمپیئرنگ کر رہا ہو تو مہمان اس کے مد مقابل ہوتا ہے۔ وہ اردو یوں بولتا ہے جیسے اس پر احسان کر رہا ہو۔ طارق عزیز مائیک پر یوں چلاتا ہے جیسے فٹ پاتھ پر منجن بیچ رہا ہو۔ وہ جانتا ہے

سچ کا بول بالا ہوتا ہے اسی لیے بلند آواز میں بولتا ہے اور وہ بھی یوں لگتا ہے لہجے' الفاظ اور تلفظ پر تشدد کر رہا ہو۔ نعیم بخاری اپنی انکساری کے باعث سیٹ کا حصہ لگنے لگتا ہے۔ یوں بولتا ہے جیسے بخار میں بول رہا ہے۔ مہتاب چنہ چپ ہو تو سنائی دیتی ہے۔ بول رہی ہو تو دکھائی دیتی ہے جبکہ خوش بخت شجاعت تو عورتوں کی طارق عزیز ہے۔

URDU4U.COM

انور مقصود سولہ سنگھار کرکے آتا ہے' بات بعد میں کرتا ہے داد طلب نگاہوں سے سامعین کو پہلے دیکھتا ہے۔ سلمٰی بیگ بولتی ہوئی لگتی ہے معافیاں مانگ رہی ہے۔ دلدار اردو بولتا ہوا لگتا ہے اردو نہیں بول رہا۔ وہ کمپیئرنگ کم اور مداری زیادہ کرتا ہے۔ اس میں لفظی بازی گری نہیں زندگی کا ہلا گلہ ہے۔ دوسرے لکھا ہوا بولتے ہیں اس کا بولا ہوا لکھتے ہیں۔

اس کی اس قدر صلاحیتیں دیکھ کر لگتا ہے اللہ تعالٰی نے اسے بیک وقت زنانہ اور مردانہ صلاحیتیں بخشی ہیں۔ دلدار بھٹی کی ان صلاحیتوں کا سب سے بڑا دشمن دلدار بھٹی ہے۔ وہ ایک جینئن کمپیئر ہے جسے اس نے مار دیا وہ منفرد کالم نگار بھی ہے جسے اخبار والوں نے مار دیا۔ وہ اعلٰی درجے کا اداکار ہے جسے پتا نہیں کس نے مارا ہے اور یوں وہ بڑا آدمی بننے سے بال بال بچا ہوا ہے۔

○○○

- ڈاکٹر بلھے شاہ

اسے جتنے بلھے شاہ کے شعر یاد ہیں اتنے تو خود بلھے شاہ کو بھی یاد نہ ہوں گے۔ جس سے خوش ہوا اسے بلھے شاہ کا شعر سنائے گا۔ ناراض ہو تو دو سنائے گا۔

URDU4U.COM

کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کا پرنسپل ہونا اس کے لیے باعث افتخار ہے۔ طلباء کو ماں کی نظر سے دیکھتا ہے مگر سلوک باپ والا کرتا ہے۔ وہ بھی اسے وہی اہمیت دیتے ہیں جو آج کل کی اولاد باپ کو دیتی ہے۔ طلباء کا محبوب استاد اسی لیے طلباء اس کے وعدے کو محبوب کا وعدہ سمجھتے ہیں۔ طلباء کو دوست سمجھتا ہے اس میں اتنی برائی نہیں' مسئلہ یہ ہے کہ طلباء بھی اسے دوست سمجھتے ہیں کوئی طالب علم اس کے آفس چلا جائے تو اسے بھی چائے پلا کر بھیجے گا اسی لیے اکثر لیڈر قسم کے طلباء کنٹین کی بجائے اس کے آفس میں زیادہ ملتے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر افتخار احمد لڑکوں میں بیٹھا ان کی عمر کا لگتا ہے اور بوڑھوں میں بیٹھا ہو تو بوڑھے اس کی عمر کے لگنے لگتے ہیں۔ چال پاکستان جیسی اور چال چلن بھی ایسا ہی یعنی حرکت تیز تر ہے اور سفر آہستہ۔ لباس ایسا کہ کوئی اور بھی پہنتا تو ویسا ہی لگتا۔ کوٹ پر لگا پھول اتنا تازہ ہوتا ہے کہ لگتا ہے لگا نہیں اگا ہوا ہے۔

بڑے دل کا آدمی ہے مگر میڈیکل میں بڑا دل ہونا بیماری ہے۔ تاہم اتنا اچھا ہے کہ کوئی برا آدمی اس کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ اس قدر ہنستا مسکراتا رہتا ہے کہ شادی شدہ نہیں لگتا مگر اس کی جیب دیکھ لو تو فوراً یقین ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر افتخار کے ہاں سے کبھی کوئی خالی ہاتھ نہیں آیا۔ کچھ نہ دے سکے تو دعا ضرور دیتا ہے۔ حالانکہ ڈاکٹر کی دعا اور بیوی کی چپ کبھی اچھا شگون نہیں رہا۔ ہمارے ہاں جو ایک بار بڑے ڈاکٹر سے دوائی لے لے پھر ایک سال تک کسی کلینک پر نظر نہیں آتا۔ ہاں ایک سال بعد اس کے پاس اتنے پیسے ہو جاتے ہیں کہ دوبارہ ڈاکٹر کے پاس

جا سکے۔ اس کے پاس بھی اکثر مریض اتنی دیر کے بعد ہی آتے ہیں جس کی وجہ یہ ہوتی ہے وہ ادھار دوائی ہی نہیں اس سے واپسی کا کرایہ بھی لے کر گئے ہوتے ہیں۔

URDU4U.COM

سنا ہے وہ بڑا سخی ہے۔ وہ سخی نہ ہو غنی ضرور ہے کہ سخی کو پیسے جانے کا دکھ نہیں ہوتا اور غنی کو پیسے آنے کی خوشی نہیں ہوتی۔

اس کا ماٹو ہے "زندگی کا مقصد اوروں کے کام آنا" اوروں کو یہی کہہ کہہ کر اس نے زندگی کا مقصد حاصل کیا ہے۔

کبھی اتنی اچھی باتیں کرتا ہے کہ یقین نہیں آتا کہ وہ ڈاکٹر ہے اور کبھی ایسی کہ پھر بھی یقین نہیں آتا۔ بڑے سے بڑے مسئلے کا فیصلہ ہاں یا ناں میں کر دے گا۔ جب تک مسئلہ غیر اہم نہ ہو اس پر زیادہ گفتگو نہیں کرتا۔ ایک منٹ بولنا ہو تو پانچ منٹ سوچے گا پانچ منٹ بولنا ہو تو ایک منٹ سوچے گا۔

اس کے دفتر میں کوئی بھی چلا جائے اس کی خاطر کرے گا جیسے انتخابی امیدوار کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ خاطر کبھی الیکشن سے پہلے والی ہو گی اور کبھی بعد والی۔

ہر کاغذ اچھی طرح پڑھ کر اس پر دستخط کرتا ہے۔ ایک بار اس نے بغیر پڑھے ایک کاغذ سائن کیا تھا' وہ تھا "نکاح نامہ" پھر ساری زندگی کبھی ایسا نہیں کیا۔

دشمنوں کے معاملے میں بڑا محتاط ہے۔ دوست بنانے کے لیے کسی کی صلاحیتیں دیکھے نہ دیکھے دشمن بنانے کے لیے ضرور دیکھے گا کیونکہ اس کی یہ ترقی اس کے دشمنوں ہی کی مرہون منت ہے۔ اس نے اپنی تربیت دوستوں کی بجائے دشمنوں سے کرائی۔ وہ اس کی شخصیت ہیں جو خامیاں نکالتے یہ انہیں شخصیت سے نکال دیتا۔ دوستوں کے ساتھ سلوک اپنی توفیق کے مطابق کرتا ہے جبکہ دشمنوں کے ساتھ ان کی توفیق کے مطابق۔ جو اسے دوسروں سے محتاط رہنے کے لیے کہے اس سے محتاط رہنے لگتا ہے۔

اپنے گھر کے علاوہ ہر جگہ مہمان خصوصی ہوتا ہے۔ رائے مانگو تو فیصلہ دے گا اور فیصلہ مانگو تو رائے۔ کلاس روم میں ہر موضوع پر اتنا لیکچر دیتا ہے کہ اس کی ہر بات سمجھ

میں آ رہی ہوتی ہے۔ بس ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کس موضوع پر لیکچر دے رہا ہے۔ جس کے ساتھ تعلقات ہوں وہ سمجھے گا اس کے سب سے اچھے تعلقات میرے ساتھ ہی ہیں جس کا کام نہ کرے وہ سمجھتا ہے اس نے صرف میرا کام نہیں کیا۔

URDU4U.COM

ایک بار ایک طالب علم نے اس کی کار کو ٹھوکر مار دی۔ سرجری کے ایک پروفیسر نے دیکھ لیا اور اس لڑکے کو پکڑ کر ڈاکٹر صاحب کے آفس میں لے آیا۔ ڈاکٹر صاحب نے طالب علم کو ڈانٹا اور پروفیسر موصوف کو خوش کیا۔ جونہی وہ گیا اس طالب علم کو چائے پلائی اور باتوں سے اسے بھی خوش کر دیا۔ اور ساری زندگی یہی کیا۔ وہ ہر کسی کو خوش رکھنا چاہتا ہے جو ایسے ہی ہے جیسے بندہ بیک وقت ہوائی' بحری اور بری سفر کرنا چاہے۔ اس نے جسے بھی ناخوش کیا خوش کرنے کی کوشش میں کیا۔

وہ ایک آدمی نہیں ایک اجتماع ہے جس میں صوفی' شاعر' آرٹسٹ' مقرر' ڈاکٹر' استاد' سیاستدان' شاگرد' دوست' دشمن' پنجابی' پاکستانی اور پتا نہیں کون کون شامل ہے۔ ایک وقت میں وہ ان سب میں سے ایک ہوتا ہے۔ مگر یہ کسی کو پتہ نہیں ہوتا کہ کس وقت کون ہے؟

وہ آنکھ' دل' زبان اور جوتے کبھی میلے نہیں ہونے دیتا۔ ہر پانچ منٹ بعد صاف کرتا رہتا ہے۔

کہتے ہیں جو موسیقی سنتا ہے وہ ظالم نہیں ہو سکتا۔ واقعی آج کل کی موسیقی سن کر یقین ہو جاتا ہے کہ اسے سننے والا ظالم نہیں مظلوم ہی ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر بلھے شاہ کو بھی موسیقی سے لگاؤ ہے۔ جوانی میں آدمی کی سب سے کمزور چیز اس کی قوت سماعت ہوتی ہے۔ اسی لیے نوجوانوں کو گانے سننے کے لیے ٹیپ ریکارڈر فل آواز میں لگانا پڑتی ہے اور موسیقی سنتے وقت ڈاکٹر بلھے شاہ بھی نوجوان لگتا ہے۔ اپنی ساتھی خواتین کے ساتھ اس کا سلوک درمیانہ ہوتا ہے کیونکہ عورتوں سے مردوں والا سلوک کرو تو گھر سے نہ آئیں گے اور اگر ان سے عورتوں جیسا برتاؤ کرو تو بیوی آپ کو گھر نہ آنے دے گی۔

وہ پروفیسر ہے' شاید اسی لیے حیران کرتا رہتا ہے۔ آپ اس کے پاس کوئی کام لے کر جائیں اور آپ کو یقین ہو کہ وہ یہ کام نہیں کر سکتا مگر وہ کام کرکے آپ کو حیران کر دے گا۔ اگلی بار آپ جائیں اور آپ کو یقین ہو کہ وہ یہ کام کر سکتا ہے۔ اس بار بھی وہ آپ کو حیران کر دے گا۔ اس سے تو ملاقات کرکے نکلو تو لگتا ہے بندہ ڈرامے کی قسط دیکھ کر نکلا ہے۔ اگلی ملاقات میں کیا ہو گا اس میں وہی سسپنس ہوتا ہے جو اگلی قسط میں ہوتا ہے۔

اپنی طبی صلاحیتوں کی وجہ سے اس نے بہت سے آدمیوں کو جنت جانے سے روکا اور اپنی طبعی صلاحیتوں سے بہت سوں کو جنت کی راہ دکھلائی۔

ڈاکٹر بلھے شاہ مستقبل کا وہ لمحہ ہے جس کے بارے میں آپ حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے مگر ہر شخص اس سے پر امید ضرور ہوتا ہے۔

○○○

• شو بوائے

اس کا دل سیاح کا' دماغ صحافی کا' بولنے میں شاعر اور سننے میں شوہر ہے۔ آواز میں تعلقات کی کھنک' چال میں شہرت کا خمار اور چال چلن میں ویسا ہی جیسا ایک مرد کا' یہ سب ملنے کے بعد ہوتا ہے۔

URDU4U.COM

زمانہ طالب علمی میں ہی اس میں صحافی بننے کی صلاحیتیں اجاگر ہونے لگیں یعنی کھانے کی تقریبات میں ایسا لباس پہن کر جاتا جس کی جیبیں بڑی بڑی ہوتیں۔

مقامی کالج میں اقبالیات پڑھاتا ہے اس کے لیکچر سن کر پتا چلتا ہے کہ علامہ اقبال اپنی تصویروں میں اس قدر پریشان نظر کیوں آتے ہیں۔ آج کل سو فیصد شاعر ننانوے فیصد احمق ہوتا ہے اور یہ ننانوے فیصد عقلمند ہے وہ اصلی شاعر ہے کیونکہ آدمی کی اصل کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ وہ کس بات پر خوش ہوتا ہے اور حسن رضوی صرف مشاعرے کے ذکر پر خوش ہوتا ہے۔ مشاعرہ وہ جنگ ہوتی ہے جس میں لوگ منہ سے گولیاں چلاتے ہیں اور حاضرین کی واہ وا سے چلانے والے کے نشانے کا پتا چلتا ہے اسے روز یہ جنگ اور روزنامہ "جنگ" پسند نہیں۔ ہمارے ہاں شاعری اچھی ہو تو آدمی اپنے آپ کو بھول جاتا ہے۔ شاعری اچھی نہ ہو تو لوگ اسے بھول جاتا ہے۔ شاعری اچھی نہ ہو تو لوگ اسے بھول جاتے ہیں مگر وہ خود کو بھولا ہے نہ لوگ اسے بھولے ہیں۔

اس نے اپنی سب سے پہلی نظم ایک مشاعرے میں پڑھی اور سارے سامعین کو ہوٹ کر دیا۔ ایک نظم اپنی تھی۔ دوسرا ترنم بھی اپنا۔ سارا مشاعرہ لوٹ لیا یہاں تک کہ دوسرے شاعروں کے لیے سامعین کے پاس ایک بھی ٹماٹر نہ بچا۔

اس نے ہر شہر میں بچپن گزارا۔ آج کل لاہور میں گزار رہا ہے۔ البتہ جوانی کسی شہر میں نہیں لہر میں گزاری۔ دو تین لڑکیوں سے منگنیاں کیں مگر توڑ دیں شاید وہ شادی پر بضد ہوں گی۔ ہر کام میں منصوبہ بندی کا قائل ہے۔ اس نے شادی سے پہلے ہی

منصوبہ بندی شروع کر دی تھی۔

دلدار بھٹی کے ساتھ مختلف کالجوں میں تقریری مقابلوں کے لیے جاتا اور دلدار اول اور یہ ہمیشہ دو نمبر رہا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ دلدار بھٹی اس سے اچھا مقرر تھا اور دوسری وجہ یہ کہ صرف دو ہی مقرر مقابلے کے لیے جاتے۔ کالج میں اس کی ٹولی اجمل نیازی اور انوار اللہ قاضی پر مشتمل تھی۔ جس سے پورا اورینٹل کالج گھبراتا۔ لڑکے ان کے پاس سے ہمیشہ ڈرتے ڈرتے گزرتے کہ کہیں یہ ادھار نہ مانگ لیں۔ شہر میں جہاں شادی ہوتی یہ وہیں ہوتے لڑکے والے سمجھتے یہ لڑکے کے دوست ہیں اور لڑکے والے سمجھتے لڑکی کے یہی نہیں بعد میں تو بات یہاں تک آ پہنچی تھی کہ بھانڈ اور میراثی اس سے آ کر پوچھتے کہ شاہ جی آج کہاں کہاں شادی ہے؟

شروع ہی سے جانتا تھا کہ مسجد جا کر آدمی پاک صاف ہو جاتا ہے اسی لیے اس مقصد کے حصول کے لیے باقاعدگی سے مسجد جایا کرتا تھا۔ اب نہیں جاتا جس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ اب تو ماشاء اللہ گھر میں دو دو غسل خانے ہیں۔

بنیادی طور پر استاد ہے' ریڈیو پر خبریں پڑھنا شروع کیں تو یوں لگتا ہے جیسے املا لکھوا رہا ہو۔ پہلے دن کی خبریں تھیں۔ دریائے راوی میں ایک گاڑی گر کر تباہ' پاک بھارت سرحدی جھڑپوں میں دو فوجی زخمی۔ اس نے یہ سب یوں پڑھا۔ دریائے توی میں ایک گاؤں گر کر تباہ' پاک بھارت سرحدی جھاڑیوں میں دو فوجی زخمی۔

اس نے ایک فلم میں بھی کام کیا۔ بہت اہم رول تھا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو ہیرو ہیروئین کو زندہ نہ بچا سکتا۔ وہ اس طرح کہ جس کار میں وہ ہیروئین کو بچانے جا رہا تھا اس لیے اس کار میں پٹرول ڈالا تھا۔

کہتے ہیں دونوں قسم کی استریاں اس وقت تک کام کی ہوتی ہیں جب تک گرم ہو سکیں۔ اس کا اجلا اجلا پریس شدہ لباس ایسا ہوتا ہے کہ بے اختیار دونوں استریوں کو داد دینا پڑتی ہے۔ ویسے میاں بیوی ایک ہی صورت میں خوش رہ سکتے ہیں کہ وہ سمجھیں ہم میاں بیوی نہیں ہیں۔ یہ بھی بھابی کا اتنا خیال رکھتا ہے کہ لگتا ہے وہ اس کی ہونے والی

بیوی ہے۔ گھر میں اس کی وہ تحریریں بہت پسند کی جاتی ہیں جو یہ چیک بک پر لکھتا ہے۔ عورتوں سے زیادہ سے زیادہ یوں ملتا ہے جیسے عرب رخصت ہوتے ہیں۔

لڑائی میں ہمیشہ حق پر ہوتا ہے کیونکہ لڑنے والا ہمیشہ حق پر ہوتا ہے۔ حق ناحق پر تو لڑانے والے ہوتے ہیں وہ اچھا دشمن نہیں اس لیے دشمن دار لوگ اسے دشمن بنانے کی بجائے دوست بنا کر ہی کام چلاتے ہیں۔ دشمن سے ایسی دشمنی رکھتا ہے کہ کسی وقت بھی دوستی ہو سکے۔ دوست سے بھی ایسی ہی دوستی رکھتا ہے۔ جب آپ کو کوئی اچھا دوست نہ ملے۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ اچھے دوست نہیں اور حسن کو بڑے اچھے دوست ملے۔ عقلمند وہ ہے جو اپنے دوستوں سے ڈرتا ہے اور بیوقوف جس سے اس کے دوست ڈرتے ہیں۔ حسن رضوی دوستوں سے ڈرتا ہے یہ بات مجھے اس کے ایک دوست نے ڈرتے ڈرتے بتائی۔

اس نے دولت سے صلاحیتیں پیدا نہیں کیں بلکہ صلاحیتوں سے دولت پیدا کی' دیر تک بلکہ دور تک سوچتا ہے۔ سچ بولنا اتنا مشکل نہیں جتنا سچ سننا اور وہ سچ سن لیتا ہے۔ اپنی ہر بات منوا لیتا ہے اس کی تنخواہ روک دو تو وہ اسے بحال کرانے جائے تو جب واپس آئے گا اس میں ہزار روپے کا اضافہ کروا کے آئے گا۔ بہت اچھا افسر ہے کبھی اس کے ماتحت کو اس سے ڈرتے اور گھبراتے نہیں دیکھا۔ صرف وہ گھبراے ہوتے ہیں جن کا یہ ماتحت ہوتا ہے۔

کہتے ہیں مرد وہی ہے جو مصیبت میں نہ گھبرائے اگرچہ یہ خود کو مرد ثابت کرنے کا بڑا ان سائنٹیفک طریقہ ہے تاہم اس نے پوری جوانی خود کو مرد ثابت کرنے میں ہی گزاری۔ وہ ایک ڈرا ہوا آدمی ہے۔ نڈر خود کو نقصان پہنچاتا ہے اور ڈرا ہوا دوسروں کو۔ مگر اس نے جب بھی کسی پر وار کیا خود کو بچانے کے لیے کیا۔

گروپ فوٹو میں اکثر درمیان میں یوں کھڑا ہوتا ہے جیسے دوسرے اس سے پناہ مانگ رہے ہیں۔ معزز آدمی ہے اس کی خواہش ہوتی ہے ان کے پاس بیٹھے جو معزز ہوں' بلکہ جن کے پاس بیٹھ جائے وہ بھی یہی خواہش کرنے لگتے ہیں۔

اگرچہ اس نے تھوڑے ہی وقت میں بہت کچھ حاصل کر لیا ہے۔ مگر اس کی کارکردگی سے مکمل طور پر نہ وہ خود مطمئن ہے اور نہ شیطان۔

URDU4U.COM

○○○

• پنجاب کا ہیرو

پنجاب' دریا راوی' دریا چناب' دریا ستلج' دریا سندھ اور دریا دلی کی سرزمین ہے۔ یہاں جو آدمی کسی عرت کو شادی سے پہلے بھگا لے اسے مرزا اور جو شادی کے بعد بھگائے اسے رانجھا کہتے ہیں۔ جو یہ کام قصے کہانیوں میں کرے اسے ہیرو اور جو حقیقی زندگی میں کرے' ولن کہلاتا ہے۔ پنجابی کی ٹریجڈی یہ ہے کہ اس کے پاس جتنے اچھے عاشق ہیں سب مردہ ہیں ہیر رانجھا بھی ان میں سے ہیں۔ کیدو ان کی کہانی کا مرکزی کردار ہے اسے کیدو اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی زندگی کا اصول تھا۔ جو دیکھو سب کو کہہ دو۔

جس نے کسی سے محبت نہیں کی اس کے جاندار ہونے پر شبہ کیا جا سکتا ہے اور جس نے نفرت نہیں کی اس کے انسان ہونے پر کہ نفرت محبت کا سب سے طاقتور روپ ہے۔ پنجاب کی لوک داستانیں پڑھ کر لگتا ہے کہ یہاں کے لوگوں کی جوانی کا آغاز محبت سے اور اختتام بھی محبت سے ہوتا ہے اور نئی نسل کو اس سے بچانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اسے نصاب میں شامل کر دیا جائے۔ بڑھاپے میں آدمی کو اپنا سب کیا کرایا حماقت لگتا ہے اور محبت وہ حماقت ہے جس نے نہیں کی اس سے بڑا احمق روئے زمین پر نہیں۔ یوں ہیر رانجھا احمق نہیں تھے مگر ان کی محبت کو بچانے کے لیے ان سے زیادہ کیدو کی عقل کام آئی۔ وہ چاہتا تھا کہ دونوں ہمیشہ محبت کرتے رہیں اس لیے ان کی شادی نہ ہونے دی۔

کیدو کا چہرہ ایسا خبرناک تھا کہ دیکھتے ہی پتہ چل جاتا تھا کہ گاؤں میں کیا کیا ہوا ہے؟ اگر یہ نہ بھی پتا چلتا تو یہ ضرور پتا چل جاتا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے؟ ساری رات اس لیے جاگتا رہتا کہ کہیں کوئی جاگ تو نہیں رہا اس عمر کا تھا جس عمر کا کوئی شخص جنت میں نہ ہو گا لیکن میرا دوست "ف" کہتا ہے' کیدو بوڑھا نہیں تھا کیونکہ

پنجابی کبھی بوڑھا نہیں ہوتا اور جو بوڑھا ہوتا ہے وہ پنجابی نہیں ہوتا۔ اس قدر نرم دل کہ اس نے کبھی کسی پر ہاتھ نہ اٹھایا۔ زیادہ سے زیادہ انگلی اٹھائی۔ کسی خاتون کو اس وقت تک نہ دیکھتا جب تک اسے اس پر شک نہ ہوتا یوں اس کی نظر صحافی کی دماغ فوجی کا اور دل پلسیئے کا تھا جب کہ حوصلہ اور جسم اس کا اپنا ہی تھا۔ چال شطرنج کے گھوڑے کی طرح اور چال چلن اس کے بادشاہ جیسا۔

URDU4U.COM

جا رہا ہوتا تو لگتا آ رہا ہے اور آ رہا ہوتا تو لگتا ایک شریف آدمی جا رہا ہے۔ صورت ایسی جس نے اسے دیکھا سمجھو اس نے کچھ نہیں دیکھا سیرت ایسی کہ جس کو اس نے دیکھا سمجھو اسے پنجاب نے دیکھ لیا۔ وہ فرشتہ تھا اس کے کام بھی فرشتوں والے تھے یعنی دوسروں کے گناہوں اور برائیوں کا حساب رکھتا۔ وارث شاہ اسے شیطان کہتا ہے' لیکن شیطان بھی تو فرشتہ تھا۔

عشق اور لڑائی میں یہ فرق ہے کہ عشق وہ لڑائی ہے جو انسان کے اندر ہوتی ہے۔ ان دونوں لڑائیوں میں سب جائز ہے یوں ہیر اور ہٹلر سب نے جائز کام ہی کئے۔ کہتے ہیں کیدو چوری چوری ہیر رانجھے کو دیکھنے آتا حالانکہ چوری چوری تو ہیر رانجھا ایک دوسرے کو دیکھنے آتے۔ وہ تو سر عام آتا بلکہ ایسے ہی جیسے مغل بادشاہ آتے تھے کہ ان کا چوب دار لاٹھی بجاتا آگے آگے چلتا اور وہ پیچھے پیچھے آتے بس فرق یہ تھا کہ یہ اپنی آمد پر لاٹھی بھی خود ہی بجاتا تھا۔

کیدو نے خدا سے عزت' چوچک نے دولت اور رانجھے نے ہیر مانگی۔ ظاہر ہے آدمی وہی کچھ مانگتا ہے جو اس کے پاس نہیں ہوتا۔ حضرت آدم اور حضرت حوا کی محبت نے انہیں جنت سے نکلوایا۔ جب وہ دنیا میں آئے تو ایسے ہی تھے جیسے نئے پیدا ہونے والے بچے ہوتے ہیں یعنی پیدائشی سوٹ میں' آج بھی جب عاشق معشوق ملتے ہیں تو وہ ان معصوم بچوں کی طرح ہونا چاہتے ہیں لیکن رانجھے نے محبت کو محبت نہیں عبادت سمجھا اور عبادت کے لیے ستر ڈھانپنا ضروری ہے۔ جس کو کبھی ایذا نہ پہنچے وہ سمجھ لے کہ

اس میں کوئی خوبی نہیں اور کیدو کو شروع ہی میں ہیر اور اس کی سہیلیوں نے اس کی خوبیاں سے آگاہ کر دیا تھا۔

URDU4U.COM

آج کل کوئی عقلمند رانجھا بننے کی کوشش نہیں کرتا اور کوئی بیوقوف کیدو بننے کی خواہش نہیں کرتا اس کی شخصیت میں خامیاں ڈھونڈنے والے اپنی خامیاں بھی اس میں شامل کر دیتے ہیں خوبیاں ڈھونڈنے والے بھی ایسے ہی کرتے ہیں۔ عقلمند اپنی وجہ سے دوسروں کو قابل رحم بناتا ہے اور بیوقوف اپنی وجہ سے خود کو ایسا بنا دیتا ہے۔ اور وہ سب سے بیوقوف عقلمند تھا جیسے جو کبھی جاہل نہیں رہا وہ عالم نہیں ہو سکتا ایسے ہی جو رانجھا نہیں رہا وہ کیدو نہیں ہو سکتا بلکہ کیدو وہ بوڑھا رانجھا ہوتا ہے جس کے اپنے گھر لڑکی اتنی عمر کی ہو جائے کہ بندے اسے دیکھ کر جوان ہو سکے۔ کیدو مرض عشق کی دوا تھا مگر ایسی دوا جس کی ڈیٹ Expire ہو چکی ہے۔

میرا دوست "ف" کہتا ہے جیسے دیکھنے میں درد سر پنجابی فلم جیسا ہوتا ہے ایسے ہی اگر آپ جاننا چاہیں کہ دیکھنے میں غیرت کیسی ہوتی ہے تو کیدو دیکھ لیں وہ ٹھیک کہتا ہے کیدو غیرت تو ہے مگر ہے لنگڑی۔

○○○

• اف شی

پہلے افشی کے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے حوالے سے پہچانی جاتی تھی جب سے افشا ہوئی ہے' کالج اس کے حوالے سے جانا جانے لگا ہے جب سے اس کی شہرت آؤٹ آف کالج ہوئی ہے۔ کالج میں میرے دوست "ف" کے ملاقاتیوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے۔ وہ امریکہ اسے حصول علم و اہل علم کی غرض سے آئی ہے۔ صورت و سیرت میں اپنے ماں باپ پر گئی ہے یعنی شکل باپ کی طرح پاکستانی اور شغل ماں کی طرح امریکی۔

انگریزی اس قدر روانی سے بولتی ہے جیسے ہم جھوٹ بولتے ہیں مگر گالی ہمیشہ اردو میں دیتی ہے تا کہ دوسروں کو باآسانی سمجھ آ سکے۔ اردو لکھنے میں فحش غلطیاں کرتی ہے۔ یعنی اس کی غلطیاں دور ہی سے نظر آ جاتی ہیں۔ پورے بدن سے باتیں کرتی ہے اسی لیے وہ بات کر رہی ہو تو دوسرا کہتا ہے یار ذرا سامنے سے ہٹ جاؤ مجھے اس کی آواز صاف دکھائی نہیں دے رہی۔ اس کا سارا بدن دعا ہے یعنی ہر وقت خدا سے کچھ نہ کچھ مانگتا رہتا ہے اسی لیے لوگ اسے افشی کم اور "اف شی" زیادہ کہتے ہیں۔ وہ موسم کے مطابق لباس نہیں بدلتی بلکہ اپنے لباس سے کالج کا موسم بدلتی رہتی ہے۔ جب جین پہن کر آئے تو لگتا ہے اس نے جین نہیں پہنی' جین نے اسے پہن رکھا ہے۔ اس نے کالج میں پردے کو رواج دیا یعنی جب سے وہ آئی ہے تمام لڑکیاں منہ چھپانے لگی ہیں۔ جتنی عمر بتاتی ہے اس حساب سے اس نے پرائمری پیدا ہونے سے پہلے ہی پاس کر لی تھی اور لگتا ہے دس پندرہ سال بعد اسے عمر بتانے کے لیے مڈل بھی پیدا ہونے سے پہلے ہی کرنا ہو گا۔

اس کے خون کا گروپ اے بی پازیٹو (AB+) ہے اور وہ محبت کے معاملے میں بھی اے

بی پازیٹو ہی ہے۔ اس کا رنگ اس جنتی پھل کی طرح ہے جس کی خاطر جد امجد نے خدا کی نافرمانی کی شاید اسی لیے اسے دیکھ کر بھی یہی کچھ کرنے کو دل چاہتا ہے۔

URDU4U.COM

ہجر کی رات جیسے لمبے بال' ایسی ہی زبان۔ چال ایسی کہ دیکھنے والے کی منٹ میں سانس پھول جائے کبھی اکیلی نہیں چلتی اس کے ساتھ ساتھ پورے کالج کے راستے چلنے لگتیہیں۔

قہقہے کے خلاف ہے۔ کہتی ہے اس سے آواز دور تک جاتی ہے۔ بس مسکراتی ہے۔ وہ بھی ان باتوں پر جن پر لڑکیاں گھبراتی اور عورتیں شرماتی ہیں۔ مسکراتے وقت ہونٹوں کے طول کو اتنا طویل کر دیتی ہے کہ وہ ایک لمبی سرخ لکیر بن جاتے ہیں۔ پورا کالج اس لکیر کا فقیر ہے۔ جب سے اس نے بلیک شیڈ کی لپ اسٹک استعمال کرنا شروع کی ہے۔ کالج گیٹ پر رومال بیچنے والے کی بکری بڑھ گئی ہے وہ غمگین ہو تو لڑکے اپنے آنسو پونچھ رہے ہوتے ہیں اگر خوش ہو تو منہ۔ برسات کے موسم کو برساتھ کا موسم کہتی ہے۔ جب تک ہوسٹل میں رہی لان میں آ کر یوں بیٹھتی کہ باہر سے آنے والا اسے دیکھ کر سمجھنے لگتا کہ وہ غلطی سے گرلز ہوسٹل کے بجائے سونمنگ پول کی طرف آ گیا ہے۔ اس کی باتیں ایسی میٹھی کہ سننے والے کو ذیابیطس ہو جائے شاید اسی لیے اس کی باتیں سننے والوں کو بھی بار بار وہی کچھ کرنا پڑتا ہے جو اس مرض کے مریض کرتے ہیں۔

اس قدر رجعت پسند کہ ابھی تک بوائے فرینڈ کو کزن کہہ کر اس کا تعارف کرواتی ہے اور اکثر ان کے نام بھول جاتی ہے۔ پھر کار کے نمبروں سے یاد کرتی ہے کہ کون ہے؟ کھیلوں میں کرکٹر اور کھانوں میں ڈائٹنگ پسند ہے۔ اصناف ادب میں صنف نازک

کا ادب پسند ہے یہاں تک کہ عصمت چغتائی کے "لحاف" کے بغیر سو نہیں سکتی۔

کیا مجال کہ کوئی بری بات منہ سے نکالے۔ اس کام کے لیے آنکھوں کو زحمت دیتی ہے۔ ورڈز ورتھ پر مرتی ہے۔ کہتی ہے' وہ بھی اسی کی وجہ سے مرا۔ کسی بھی امتحان

سے نہیں ڈرتی بس اس کے نتیجے سے ڈرتی ہے۔ ہر "کمرۂ امتحان" میں اس کے پاس سوائے اعتماد کے کچھ نہیں ہوتا۔

اسے سو سے کم تو گنتی بھی نہیں آتی اسی لیے اس کی کار بھی اپنے آپ کی طرح اس کے قابو میں نہیں رہتی اگر کوئی غلطی سے نیچے آنے سے بچ جائے تو روک کر اسے ڈانٹے گی لیکن اس قدر رحم دل کہ کوئی زخمی ہو جائے تو اسے بالکل نہیں ڈانٹے گی بلکہ خاموشی سے چلی جائے گی۔ جس دن کالج کار پارک سے انگریزی گانوں اور اردو چیخوں کی آوازیں نہ آئیں' سمجھ لیں وہ کالج نہیں آئی۔ اکثر کالج گیٹ کے اندر بائیں ہاتھ کھڑی ہوتی ہے لیکن میرا دوست "ف" کہتا ہے بالکل غلط' وہ کالج گیٹ کے دونوں ہاتھ کھڑی ہوتی ہے۔ ثبوت کے طور پر کہتا ہے میں جب بھی کالج میں داخل ہوں وہ دائیں ہاتھ ہوتی اور چاہے اسی وقت باہر نکلوں تو وہ بائیں ہاتھ کھڑی ہوتی ہے۔ یوں وہ اسے ہاتھوں ہاتھ لیتا ہے۔ افشی دور سے مغرور' قریب سے بھرپور اور قریب ترین ہونے پر مشکور ہوتی ہے۔

اس کا خیال ہے کہ تمام موسم اگر سردیوں میں آئیں تو مزہ آ جائے۔ کہتی ہے پاکستان کے کالجوں میں بڑی گرمی پائی جاتی ہے کالج الیکشن میں ہر (انتخابی) امیدوار اپنے اسٹکر اسے ضرور لگواتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ پڑھ سکیں۔

کلاس میں بہت کم جاتی ہے۔ اکثر جہاں بیٹھی ہو کلاس وہیں آ جاتی ہے بنچ پر یوں بیٹھتی ہے جیسے Anatomy Surfacy کی کتاب کھلی پڑی ہو۔ ایک دن ہمارا ایک کلاس فیلو جس نے جسم کیدو کا اور دل رانجھے کا پایا ہے گزرتے گزرتے اس کتاب کا ورق الٹنے کی کوشش میں الٹا تھپڑ کھا بیٹھا جس بنا پر میرے دوست "ف" نے فتویٰ دے دیا کہ اف شی شریف لڑکی نہیں کیونکہ ایسی حرکت پر شریف لڑکیاں خود تھپڑ نہیں مارتیں۔ اس واقعے کے بعد لڑکے اسے یوں دیکھتے ہیں جیسے لڑکیاں لڑکوں کو دیکھتی ہیں یعنی چھپ کر مگر تفصیل سے۔

"ف" کہتا ہے افشی اچھی بیوی ثابت ہو گی جس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ لیڈی ڈاکٹرز ہمیشہ اچھی بیویاں ہوتی ہیں کیونکہ جتنی محنت سے وہ ایم بی بی ایس کرتی ہیں اس سے کہیں زیادہ محنت انہیں شادی کرنے کے لیے کرنا پڑتی ہے۔ اسے خود پر اس قدر اعتماد ہے کہ ہر کسی پر اعتماد کر لیتی ہے اور چیڑ کی لکڑی کی طرح ایک ہی وار میں الف سے لے کر "ی" تک چر جاتی ہے۔ اس میں برائی یہ ہے کہ وہ ہر کسی کو اچھا سمجھتی ہے۔

میرا دوست "ف" کہتا ہے اس میں سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ وہ سب سے محبت کرتی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں۔ یہی خامی اس کی خوبی یہ ہے کیونکہ سر عام اور سب سے محبت تو بچے ہی کرتے ہیں بلکہ ان کے جوان ہونے کا پتا تب چلتا ہے جب وہ یہی کام چھپ کر کسی ایک سے کرنے لگیں۔ افشی سب سے سر عام محبت کرتی ہے۔ وہ ایک بچی ہی تو ہے جسے لڑکوں نے آنکھیں مار مار کر جوان کر دیا ہے۔

○○○

• سی می

کہتے ہیں بچوں میں بس ایک ہی برائی ہے کہ وہ بچے نہیں رہتے۔ لڑکی بڑی ہو جائے تو والدین کو یہ ڈر لگ جاتا ہے کہ اب وہ اس گھر سے رخصت ہو جائے گی اور لڑکا بڑا ہو تو یہ ڈر کہ اب وہ اس گھر سے رخصت کر دے گا۔ لیکن سیمی وہ بچی تھی جو ہمیشہ بچی رہی اس کے اصل نام کا تو مجھے علم نہیں مگر وہ ہر کسی کو یوں دیکھتی جیسے کہہ رہی ہو سی می۔

اگر لفظ "محبت" کی تصویر بنائی جائے تو ہوبہو "سی می" جیسی ہو گی۔ وہ چار برس میرے کمرے میں رہی اور مسکراتی رہی۔ مسکراہٹ محبت کا پہلا لفظ اور بچے کی مسکراہٹ اس دنیا کا پہلا سچ ہے۔ گفتگو کا سہارا تو انسان نے جھوٹ بولنے کے لیے لیا اسی لیے بچہ مسکرانا تو پیدا ہوتے ہی سیکھ جاتا ہے مگر اسے بولنا سکھانا پڑتا ہے یوں بھی یہ دنیا کو انتظار نہ رہا اس دن یہ دنیا نہ رہے گی۔ سیمی میرے کمرے میں آنے والے ہر شخص کا مسکرا کر یوں استقبال کرتی جیسے اسی کا انتظار کر رہی ہو آپ کمرے میں جہاں بھی بیٹھتے یہی لگتا کہ آپ ہی کو دیکھ رہی ہے۔ بلکہ ہر کوئی یہی سمجھتا کہ صرف اسے دیکھ رہی ہے۔

اس سے پہلے اس کمرے میں جو اسٹوڈنٹ رہتا تھا اس نے کمرے میں اتنی تصویریں لگا رکھی تھیں کہ کوئی تصویر بھی دوسری تصویر کو دیکھنے نہ دیتی۔ ایسے ہی جیسے قوالی میں بہت سے گانے والے مل کر یوں گاتے ہیں کہ ایک دوسرے کو گانے نہیں دیتے۔

تصویریں ایسی تھیں کہ دیکھنے والے کا دایاں پاؤں وہاں پڑتا جہاں اس کا بایاں پڑنا چاہیے۔

وہ کہتا میں نے کمرے میں یہ تصویریں اس لیے لگائی ہیں کہ سنا ہے جہاں ایسی تصویریں ہوں وہاں فرشتہ نہیں آتا اور جا کر کم از کم یہ تو نہیں بتاتا کہ ہم یہاں کیا کرتے ہیں۔ ان میں اکثر لڑکیوں کی تصویریں زندہ لگتیں' یعنی وہ ایسے ہی دیکھ رہی تھیں جیسے

زندہ لڑکیاں اسے دیکھتی ہیں یعنی بادل نخواستہ۔ ان میں ایک انڈین ایکٹرس کی تصویر تھی۔ جس کا صرف سر پانی سے باہر تھا یوں لگ رہا تھا جیسے اس نے تالاب پہن رکھا ہو اور وہ ڈبونے والی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ وہ کہتا کمرے میں کسی پاکستانی ہیروئین کی تصویر اس لیے نہیں لگا سکا کہ ہوسٹل کے کمرے چھوٹے ہیں۔

ایک خاتون تصویر میں انگریزی گانا یوں گا رہی تھی کہ دیکھنے والے کے ہاتھ فوراً کانوں تک پہنچ جاتے۔ اس نے ایک مرد کو پہن رکھا تھا۔ صرف وہی حصے نظر آ رہے تھے جہاں مرد نے حصہ نہیں لیا تھا۔ گانا گاتے وقت اس خاتون کے چہرے پر وہی کرب تھا جو ہمارے ہاں سننے والے کے چہروں پر ہوتا ہے۔ میرے دوست "ف" کو انگریزی نہیں آتی مگر اسے انگریزی گانے بہت پسند ہیں۔ کہتا ہے اس کا فائدہ ہے کہ بندہ تمام انگریزی گانوں سے ایک جیسا لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ یوں بھی انگریزی گانوں کا یہ فائدہ ہے کہ گانا سمجھ میں آئے نہ آئے گانے والی سمجھ میں آ جاتی ہے۔ انگلش میوزک اور مشرقی پکے راگوں میں یہ فرق ہے کہ انگلش میوزک بجانے والے خود اچھلتے کودتے ہیں۔ ان کا خون کھول رہا ہوتا ہے۔ جبکہ پکے راگ سنانے والے خود تو آدم سے بیٹھے ہوتے ہیں باقی کام سننے والے کر رہے ہوتے ہیں۔

ایک تصویر میں مرد عورت کو بڑی شیر خوار نظروں سے دیکھ رہا تھا اس کی آنکھوں سے لگتا تھا اس نے آنکھوں میں سرمے کی بجائے لپ اسٹک لگا رکھی ہے دونوں میاں بیوی لگتے مگر "ف" کہتا ہے میاں بیوی ہیں مگر میاں کسی کا ہے اور بیوی کسی اور کی کیونکہ ہمارے ہاں عورت اپنے مرد کو اس وقت اپنے مرد کو اس وقت تک اتنے غور سے نہیں دیکھتی جب تک اس پر شک نہ ہو۔

اس کمرے میں ایک خاتون کی بہت بڑی تصویر بھی تھی جسے "ف" ایک خواتین کی تصویر کہتا۔ وہ برتھ ڈے سوٹ میں تھی یعنی اس کے جسم پر دیکھنے والوں کی آنکھوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ لڑکے ان انگریزی تصویریں کو سجے کرکے دیکھتے۔ پھر ایک دن ہوسٹل وارڈن

نے اس کمرے میں چھاپا مارا اور لڑکے کو ہوسٹل سے نکال دیا البتہ تصویریں وہیں رہیں پھر جب میری اس کمرے میں الاٹ منٹ ہوئی۔ میں نے یہ تصویریں کمرے سے ذہن میں اتار لیں۔ انہی دنوں میں نے سیمی کو انارکلی میں دیکھا تو مجھے لگا میں نے اسے پہلی بار سے پہلے بھی دیکھا ہے اور یہ تصویر لا کر کمرے میں لگا دی "ف" کہتا ہے اس تصویر کی موجودگی تمہاری عمر کی وجہ سے ہے کہ بڑھاپے میں بچے ہی اچھے لگتے ہیں۔ اس عمر میں تو دل بھی اس عورت پر آتا ہے جو بچوں والی ہو۔ ٹھیک کہتا ہے' بڑھاپا دو عمروں کے فرق کا نام ہے ہم عمر جس عمر کے بھی ہوں جب ملیں گے ان میں کوئی بوڑھا نہ ہو گا۔ سیمی کی موجودگی میں واقعی میرے اندر ایک باپ پیدا ہو گیا تھا۔ سیمی کے ہاتھوں کا رنگ ایسا تھا جیسے دودھ میں شہد ملا ہو اور چہرے کا رنگ ایسا جیسے شہد میں دودھ ملا ہو یوں شرارتی انداز سے مسکراتی جیسے ابھی کھلکھلا کر ہنس دے گی۔ اور آدمی بے اختیار اس کی ہنسی کا انتظار کرنے لگتا۔

میں اسکی تصویر دیکھتا تو مجھے اپنا چہرہ نظر آتا۔ آئینہ دیکھتا تو اس کی تصویر نظر آتی سارا کمرہ اس کے چہرے سے بھرا رہتا یوں بھی بچے تو پاؤں سے لے کر سر تک چہرہ ہی چہرہ ہوتے ہیں۔ میں اس کو مسکراتا ہوا دیکھ کر مسکراتا تو یوں لگتا جیسے اس سے گفتگو ہو گئی ہو۔

ایک روز سیمی مجھ سے دور ہو گئی وہ دوست جس کی غلطی کی وجہ سے یہ تصویر پھٹی تھی اسے میری حالت کا پتا چلا تو اگلے دن کاغذ میں لپٹی ایک تصویر لے کر میرے پاس آیا کہنے لگا' یہ سب میری وجہ سے ہوا سو میں اسی انگریزی ایکٹرس کی تصویر تمہارے لیے خرید کر لایا ہوں۔ بچپن کی تو نہ مل سکی تاہم تمہاری فیورٹ کی تازہ تصویر حاضر ہے' یہ رہی تمہاری سیمی۔ میں نے تصویر دیکھی اس میں ایک عورت سیمی ہی کے کپڑے پہنے کھڑی تھی یعنی صاف لگ رہا تھا اس نے کسی بچے کے کپڑے پہن رکھے ہیں۔ وہ یوں دیکھ رہی تھی جیسے کچھ دیکھ نہیں رہی دکھا رہی ہے میں نے اسے یہ کہہ کر تصویر واپس کر دی کہ میری سیمی تو بچی تھی۔

• ہیوی ویٹ ہیروئین

ہیوی ویٹ ہیروئین بلا شبہ بڑی سکرین کی سب سے بڑی ہیروئین ہے اتنی بڑی کہ سکرین بعد میں نظر آتی وہ پہلے نظر آ جاتی ہے۔ ڈیل ڈول ایسا کہ بندہ ڈول جائے۔ ایک بار ایک بچہ اسے کافی دیر سے دیکھ رہا تھا تو اس کا باپ تنگ آ کر کہنے لگا' بیٹا جتنی آج دیکھ سکتے ہو دیکھ لو باقی کل آ کر دیکھ لینا۔ وہ آواز کے علاوہ ہر طرح سے بھاری ہے۔

URDU4U.COM

اردو اور پنجابی فلموں کا فرق ان کی ہیروئین سے ظاہر ہے۔ ہمارے ہاں اردو کی سب سے بڑی ہیروئین بھی اتنی بڑی ہے کہ جب تک اسے کلوز میں نہ دکھایا جائے نظر نہیں آتی جبکہ پنجابی اور پشتو کی ہیروئین کا کلوز لیا جائے تو اس کا کچھ ہی حصہ نظر آتا ہے۔ یہ کون سا حصہ ہے' یہ اس پر منحصر ہے کہ فلم پنجابی ہے یا پشتو۔ ان ہیروئینوں کی سنگل تصویر کھنچوائی جائے تو کھینچنے والا گروپ فوٹو کے پیسے مانگتا ہے۔ تاہم ایسی ہیروئینوں کی وجہ سے یہ فائدہ ہوا ہے کہ کمزور نظر اور نیت والے آدمی بھی فلمیں دیکھنے لگے ہیں۔

ہماری ہیروئینیں مغرب سے کسی طور کم نہیں۔ وہ دیکھنے میں پھول ہیں' تو یہ پورا گملا' وہ کھانس رہی ہوں تو لگتا ہے ہنس رہی ہیں یہ ہنس رہی ہوں تو لگتا ہے کھانس رہی ہیں۔ لیکن ہیوی ویٹ ہیروئین ہنس رہی ہو تو لگتا ہے ڈانٹ رہی ہے۔ ایسے ہی جیسے شوکت علی گا رہا ہو تو لگتا ہے دھمکیاں دے رہا ہے۔ لیکن ہیوی ویٹ ہیروئین جب مسکرا رہی ہو تو دوسرا یہی سمجھتا ہے بلا رہی ہے۔

پنجابی فلم کا ہیرو بول رہا ہو تو اس کی آواز صاف سننے کے لیے لوگوں کو دور دور ہونا پڑتا ہے لیکن ہیروئین بولے تو قریب آنا پڑتا ہے تا کہ پتہ چل سکے کہ بول رہا ہے یا بول رہی ہے۔

اگر شبنم کی آواز سوز ہے تو ہیوی ویٹ ہیروئین کی آواز ساز۔ شبنم ڈائیلاگ بولتی لگتی ہے حالت نزع میں بیان دے رہی ہے۔ سسکیاں لیتی ہوئی بولتی ہے اگر غمی کا سین ہو تو سسکی کے بعد لفظ ادا کرتی ہے اور اگر خوشی کا سین ہو تو لفظ کے بعد سسکی ادا کرتی ہے جبکہ ہیوی ویٹ ہیروئین ہر وقت ہنستی رہتی ہے۔ وہ بھی یوں کہ ہنسنے سے ایک منٹ پہلے اس کا جسم ہلنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور ہنسنے کے ایک دو منٹ بعد تک ہلتا رہتا ہے۔ البتہ رو رہی ہو تو لگتا ہے پورا محلہ رو رہا ہے۔

اس کا تعلق ایسے گھرانے سے ہے جہاں پیدا ہوتے ہی بچوں کو سب سے پہلے روح کی غذا ملتی ہے۔ دولت اتنی تھی کہ گنتی بھی نوٹوں پر یاد کی۔ اس کے خاندان نے جو شہرت ہیر کو بیاہ کر حاصل کی تھی وہ اس نے بن بیاہے دلوا دی۔ اس کے اداکارہ بننے کی تین وجوہات تھیں۔ ایک یہ کہ فن کی خدمت کرنا چاہتی تھی' دوسری یہ کہ اپنی خدمت کرانا چاہتی تھی اور تیسری یہ کہ ان کے خاندان کی لڑکیاں بڑی ہو کر یہی کچھ کرتی ہیں۔

کوئی عمر پوچھے تو اپنی فلموں کی تعداد بتا کر باتوں میں لگا لیتی ہے۔ خوش مذاق یعنی اپنے مذاق پر بہت خوش ہوتی ہے۔ بزرگوں کی عزت کرتی ہے اس لیے جس کے ساتھ عزت سے پیش آئے اسے سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اسے اپنا بزرگ سمجھ رہی ہے۔

آنکھوں کو شامل کرکے چار زبانیں بولتی ہے۔ اور دنیا کی ہر زبان میں "ہاں" کہہ لیتی ہے۔ گھر میں مادری زبان بولتی ہے۔ فادری اس لیے نہیں کہ ماں کے ہوتے ہوئے باپ کو بولتے ہوئے کب کسی نے سنا ہے۔ مادری زبان صرف اپنوں سے بولتی ہے۔ یہاں تک کہ غیروں کو تو اس زبان میں گالی بھی نہیں دیتی۔

ہماری ہیروئین خوشی غمی ہر دو موقعوں پر گالیاں ہی دیتی ہیں وہ بھی ایسے جیسے ان کی ڈرامائی تشکیل کر رہی ہوں۔ لیکن جیسے فقیر اور انگریزی کی گالی ہمارے ہاں گالی ہی نہیں سمجھی جاتی۔ اردو کی گالی' گالی کم اور تکیہ کلام زیادہ لگتی ہے اور ملتانی میں گالی دینے

والا تو لگتا ہے گزارش کر رہا ہے۔ ہاں پنجابی میں گالی اتنی ہیوی ہوتی ہے کہ تین چار قتل کروا سکتی ہے۔ اسی لیے وہ غیروں کو پنجابی میں گالی دیتی ہے البتہ کسی کی عزت کرنا ہو تو اردو میں کر لیتی ہے۔

URDU4U.COM

جہاں تک سراپے کا تعلق ہے چھوٹا سا منہ دیکھ کر بندہ اپنا سا منہ لے کر رہ جاتا ہے' ٹھینگا دکھاتی ناک' ٹھوڑی بہت تھوڑی' بولتی آنکھیں' سن گن لیتے کان' جو قیمتی زیورات لٹکانے کے خوبصورت ہینگر ہیں' میک اپ میں ظالم' میک اپ کے بغیر مظلوم' رنگ ایسا کہ پاس بیٹھنے والی کو لوگ "گوری" کہنے لگتے ہیں چال ایسی کہ پتہ چل جاتا ہے کہ کہاں سے آئی اور کہاں جا رہی ہے۔ آ رہی ہو تو لگتا ہے دو سمارٹ عورتیں جا رہی ہیں۔ اوقات ملاقات ملاقاتی کی اوقات کے مطابق جسے سزا دینا چاہیے اسے ہنس کر دیکھ لیتی ہے اور وہ کئی دن تک سو نہیں سکتا۔

اس کی صحت کا راز کھانے میں نہیں گھرانے میں ہے ان کے گھر جا کر موٹے سے موٹا شخص بھی خود کو پتلا سمجھنے لگتا ہے۔ وہ پینٹ پہن لے تو لگتا ہے دریا کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ لاہور کی آب و ہوا اسے ایسی راس آئی کہ ہر سال اسے وزن کم کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے۔ جب تک چپ رہے معزز لگتی ہے' بولنے لگے تو سننے والے خود کو معزز سمجھنے لگتے ہیں۔

فلمی زندگی کا آغاز خوفناک فلم میں دو سین کرکے کیا پھر اردو فلمیں کیں اور ناکام رہی تاہم شباب کیرانوی مرحوم نے ایسا نام ضرور دے دیا جو اس کے پورے رقبے کا احاطہ کر سکے۔ اسٹوڈیو اپنے بزرگ کے ساتھ آتی ہے۔ وہ ساتھ یوں چل رہا ہوتا ہے جیسے اس کی ضمانت کرا کے لایا ہو۔ مذہب سے اس قدر لگاؤ ہے کہ جب بھی باہر گئی عرب ممالک میں ہی گئی۔ ہر وہ نام پسند ہے جو سلطان سے شروع ہو۔

فلموں میں پنجاب کا ایئر کنڈیشن لباس پہنتی ہے۔ رقص کر رہی ہو تو لگتا ہے ورزش کر رہی ہے۔ اداکاری ایسی کہ اس کی ہر اداکاری ثابت ہوتی ہے۔ اس وقت اسٹوڈیو میں اس کے اتنے فین ہیں کہ فلم انڈسٹری فینز انڈسٹری لگتی ہے۔ جس سے پوچھو ہیوی

ویٹ ہیروئین کے بارے میں آپ کا خیال ہے' کہے گا اسی کا خیال ہے۔ وقت کی قدر کرتی ہے' وقت نے بھی اس کی قدر کی ہے خدا اسے مزید بڑھاپے' موٹاپے اور اکلاپے سے بچائے۔

URDU4U.COM

○○○

- ڈاکٹر موت

اگرچہ ڈاکٹر موت اور موت میں بظاہر یہی فرق ہے کہ موت آتی ہے اور ڈاکٹر موت آتا ہے مگر اسے ڈاکٹر موت اس لیے کہتے ہیں کہ جس طرح کسی کو یہ پتہ نہیں موت کب آنی ہے۔ ایسے ہی کوئی نہیں جانتا اس نے کب ڈاکٹر بننا ہے۔ وہ ریاست پٹیالہ کے نواب خاندان سے ہے۔ ریاست ہندوستان میں رہ گئی اب اس کے پاس لے دے کے پٹیالہ ہی بچا۔ اسی لیے وہ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور کے پٹیالہ بلاک میں پھرتا رہتا ہے۔ گرتے پڑتے قدموں اور یہی کچھ کرتی پینٹ کو تھامے ادھر ادھر دیکھ رہا ہوتا ہے جیسے ابھی کسی دیوار کی اوٹ میں ہو جائے گا۔

وہ ڈاکٹر انور سجاد کا کلاس فیلو تھا بس انور سجاد ذرا مشہور ہو گیا ورنہ دونوں میں بڑی مماثلت پائی جاتی ہے۔ انور سجاد کے افسانے کسی کی سمجھ میں نہیں آتے اور ڈاکٹر موت خود کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔ اس کا معاشرے میں وہی کردار ہے جو سرحدی گاندھی کا سیاست میں تھا۔ سرحدی گاندھی باتیں زبان کی ورزش کرنے کے لیے کرتا اسی لیے باتیں سن سن کر لوگوں کو اکثر پسینے آتے رہتے ہیں مگر پنجاب کا یہ عبدالغفار زبان کو صرف چپ رہنے کے لیے استعمال کرتا ہے لیکن جمہوریت کے اس قدر حق میں ہے کہ جس کلاس میں زیادہ لڑکے جا رہے ہوں اسی کلاس میں چلا جاتا ہے۔ کہتا ہے سیاست شریفوں کا کھیل نہیں شاید اسی لیے کسی کو سیاست دان نہیں مانتا۔

علم حاصل کرنا عبادت ہے شاید اسی لیے آج کل اس کا اجر اس دنیا میں نہیں ملتا۔ ڈاکٹر موت نے پالنے سے پالنے پوسنے کی عمر تک صرف یہی عبادت کی ہے۔ اگرچہ اب وہ عمر کے اس حصے میں ہے جہاں بندہ اپنی عمر بھی بھول جاتا ہے مگر اسے اب بھی پڑھائی کا شوق ہے کہ اس وقت تک کلاس میں بیٹھا رہتا ہے۔ جب تک کوئی بتلا نہ دے کہ لیکچر ختم ہو گیا۔ پچیس سال فائنل ائیر میں رہنے کا ریکارڈ بنا کر وہ پھر فورتھ

ائیر میں آ گیا ہے کیونکہ پہلے پتھالجی کا امتحان فائنل ائیر میں ہوتا تھا اب فورتھ ائیر میں ہونے لگا ہے اسی لیے آج کل دونوں میں سے جو کلاس ملتی ہے "سن" لیتا ہے اور اس انہماک سے جیسے شرفا گانا سنتے ہیں۔ بلکہ کہتے ہیں جس پروفیسر سے ناراض ہوتا ہے اس کی کلاس باقاعدگی سے سننے لگتا ہے۔

ڈاکٹر موت تاریخ کا معمر ترین لڑکا ہے کیونکہ لڑکیاں تو کالج میں آتے ہی خواتین بن جاتی ہیں شاید اسی لیے لکھا ہوتا ہے "کالج برائے خواتین" جبکہ لڑکے کالجوں میں آ کر بھی لڑکے ہی رہتے ہیں اسی لیے ان کو کالجوں کو "بوائز کالج" ہی کہا جاتا ہے۔ اور جب VIVA کے وقت اس کی باری پر چوکیدار کہتا ہے "اگلا لڑکا" اندر جائے تو عبدالغفار کے پسینے پورے ہو جاتے ہیں۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے' وہ اسی فقرے کو سننے کے لیے تو امتحان دیتا ہے۔ ایک بار ممتحن نے اس سے پوچھا اگر تمہارے پاس ایسا مریض آئے جس کے حادثے میں بازو اور ٹانگوں کی ہڈیاں ٹوٹ چکی ہوں تو تم کیا کرو گے؟ ڈاکٹر موت نے وقت ضائع کئے بغیر کہا' میں اسے کسی اور ڈاکٹر کے پاس ریفر کر دوں گا۔

اسے پڑھنے کا اس قدر شوق ہے کہ کمرۂ امتحان میں لڑکے لکھ رہے ہوتے ہیں اور یہ پرچہ پڑھ رہا ہوتا ہے۔

اس کا رنگ ایسا کہ ذرا کپڑے پہن لے تو لگتا ہے آج ننگا ہی کالج آ گیا ہے۔ چہرے پر ہمیشہ میل اور عینک اوڑھے رکھتا ہے۔ عینک کے شیشے اتنے موٹے ہوتے ہیں جیسے سردی سے بچنے کے لیے لگا رکھی ہے۔ شخصیت ایسی کہ جس کے پاس آ کر رک جائے وہ جیب سے ٹوٹے پیسے ڈھونڈنے لگتا ہے۔ کچھ کہہ دے تو آدمی حیران ہو جاتا ہے کہ یہ تو بولتا بھی ہے۔ اس کی چال کچھوے کی اور چال چلن خرگوش کا ہے یعنی آہستہ آہستہ چلتا ہے مگر سو سو کر' بلکہ جب تک آپ رک نہ جائیں پتہ نہیں چلتا کہ وہ چل رہا ہے۔

"سیلف میڈ" آدمی ہے یعنی اس نے اپنے آپ کو بگاڑنے میں کسی سے مدد نہیں لی ہر فیصلہ سوچ سمجھ کر کرتا ہے یہاں تک کہ جہاں سے سڑک دو میں تقسیم ہو وہاں کھڑا

ہو کر پہلے فیصلہ کرتا ہے کہ کس طرف کو جانا ہے پھر قدم اٹھاتا ہے اپنی گردن آہستہ آہستہ اس احتیاط سے موڑتا ہے جس احتیاط سے لوگ پرائی چیزیں استعمال کرتے ہیں۔

URDU4U.COM

اس کے لباس کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس کے پاس جتنے کپڑے ہوتے ہیں اس نے پہن رکھے ہوتے ہیں اور چلتے وقت یوں لگتا ہے جیسے کوئی قد آدم ہینگر پرانے کپڑے لٹکائے پھر رہا ہو۔ ان کپڑوں کی بڑی خوبی یہ ہے کہ مزید میلے نہیں ہو سکتے۔

عبدالغفار اپنے ہم عمروں کو بہت پسند کرتا ہے شاید اسی لیے اس کے کپڑے اور سائیکل بھی اس کے ہم عمروں میں سے ہیں جس طرح بد صورتی عورت کی سب سے بڑی محافظ ہوتی ہے ایسے ہی اس کی سائیکل اپنی بد سیرتی کی وجہ سے "چور پروف" ہے وہ سائیکل پر مصلوب کالج آتا ہے۔ قانون کا اس قدر احترام کرتا ہے کہ سرخ بتی پر فوراً سائیکل کو لٹا کر خود کپڑے جھاڑتا اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ بتی سبز ہوتی ہے تو سائیکل پر دوبارہ سوار ہونے لگتا ہے جب تک وہ دوبارہ سوار ہوتا ہے بتی پھر۔ سرخ ہو چکی ہوتی ہے یوں بھی اسے سرک رنگ سے بہت بڑا پیار ہے (سرخ رنگ سب کو اچھا لگتا ہے بشرطیکہ نوٹ کا ہو)

کالج میں ہمیشہ ایک تھیلا کاندھے پر لٹکائے رکھتا ہے جس کی وجہ سے میرا دوست "ف" یہ بتاتا ہے کہ اس کے گھر تھیلا لٹکانے کی اور جگہ نہیں۔ تھیلے میں ایک کنگھی اور اس کی اپنی لکھی ہوئی کتابیں ہیں یعنی اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی جو اس قدر سیاہ ہیں کہ کتابیں کم اور کرتوتیں زیادہ لگتی ہیں۔ کنگھی اس قدر ضعیف ہے کہ شاید ہی اس کے منہ میں کوئی دانت ہو۔

پان کھا کھا کر دانتوں کی یہ حالت ہے کہ آپ انہیں دانتوں کے علاوہ کچھ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اونچا سنتا ہے نہ بولتا ہے بس اونچا سمجھتا ہے' ہر کام اپنی مرضی سے کرتا ہے یعنی جس بات پر مرضی ہنس دے جس پر مرضی برا منا لے۔ بعض اوقات اس بات پر ناراض ہو کر اٹھ جاتا ہے کہ آپ اس کی بات پر ہنسے نہیں اور کبھی اس پر کہ

آپ اس کی بات پر ہنسے کیوں؟

لڑکیوں کو اسی نظر سے دیکھتا ہے جس سے وہ اسے دیکھتی ہیں یعنی بادل نخواستہ۔ عورت کا ذکر کرو تو چپ ہو جاتا ہے اس چپ کے پیچھے کتنی عورتوں کی باتیں ہیں کسی کو نہیں بتاتا مگر میرا دوست "ف" کہتا ہے میں شرط لگا سکتا ہوں وہ کسی عورت کے تعاون کے بغیر اس حالت کو نہیں پہنچ سکتا۔ وہ نشہ بھی کرتا ہے بلکہ نشہ ہی کرتا ہے مگر ایسا وضع دار کہ چاہے دو دن سے نشہ نہ کیا ہو پر کیا مجال کسی کو پتہ چلنے دے کہ اس نے نشہ نہیں کیا۔ باتیں کر رہا ہو تو صرف اسے ہی پتہ ہوتا ہے کہ وہ باتیں کر رہا ہے باقی سمجھتے ہیں چیونگم کھا رہا ہے۔

ڈاکٹر موت ترقی پسند ہے' ظاہر ہے ترقی کو پسند ہی کر سکتا ہے۔ ایک زمانے میں ریگل چوک میں ترقی پسندوں کے پوسٹر بھی بانٹا کرتا تھا مگر دکھاوے کا قائل نہ تھا۔ ساری ساری رات پوسٹر لیے کھڑا رہتا جونہی کوئی آدمی نظر آتا وہ فوراً چھپ جاتا کہ کہیں کوئی اسے پوسٹر بانٹتا نہ دیکھ لے۔ وہ کسی کو آرڈر نہیں دے سکتا اسی لیے کنٹین پر بیٹھا ہوا پاس والے کو کہے گا ذرا چائے کا آرڈر تو دینا۔ سگریٹ خود خرید کر نہیں پیتا' کہتا ہے خود خرید کر پینے سے یہ زیادہ نقصان دہ ہوتے ہیں۔

جس طرح اہل امریکہ نے آزادی کے مجسمے کو ایک جزیرے میں قید کر رکھا ہے ایسے ہی عبدالغفار علم کا وہ مجسمہ ہے جس کو چھو کر ہزاروں اہل علم تو گزرے ہیں مگر علم چھو کر نہیں گزرا۔ وہ وہیں ہے جہاں پچیس سال پہلے تھا۔ یہی اس کا اعزاز ہے۔ کہتے ہیں ڈاکٹر بننا اس کی ضد ہے لیکن مجھے تو لگتا ہے ڈاکٹر نہ بننا اس کی ضد ہے۔

○○○

- لاہور

نام مردانہ' چال زنانہ اور چال چلن زنانہ۔ لاہور مجھے ہمیشہ ایک تماش بین عورت ہی لگا جو ہندوؤں کے گھر میں پیدا ہوئی تو انہوں نے سمجھا پیدا ہوا ہے اور اس کا نام لاہور رکھا' حالانکہ نام میں کیا رکھا ہے۔ کام دیکھنے چاہئیں' میانوالی ہی کو دیکھ لیں پورے شہر میں نام کے علاوہ شاید ہی کوئی زنانہ چیز ملے۔

میرا دوست "ف" کہتا ہے لاہور بہت معمر ہے۔ جس کی وجہ اس کا ہندو ہونا بتاتا ہے۔ کیونکہ اس کے بقول ہندو مذہب سب سے پرانا ہے۔ یہ تو اس وقت بھی تھا جب انسان نے کپڑے پہننے بھی شروع نہیں کئے تھے۔ ٹھیک کہتا ہے' ہندوؤں کے دیوی دیوتاؤں کو دیکھ لو تو یقین ہو جاتا ہے۔

مسلمانوں نے اسے باندی بنا کر رکھا۔ شہنشاہ اکبر نے اسے اپنے حرم میں لیا تو اسے چار دیواری کی چادر اوڑھا دی جو انگریزوں نے آ کر اتار دی اور اسے ایسا ہی کر دیا جیسے اپنی بیویوں کو کئے رکھتے ہیں۔ چادر اتری تو وہی ہوا جو ہوتا ہے۔ اس کا پیٹ پھولنے لگا اور پھول پھول کر بس پھیلاؤ ہی رہ گیا۔

سکھوں نے اسے باندی سے بیسوا بنا دیا۔ سکھ شاہی میں یہ بھی سکھ ہو گئی۔ اور یہ بات کوئی نووارد آنکھیں بند کرکے صرف سونگھ کر بتا دیتا تھا۔ حالت یہ تھی کہ اگر کوئی صاف ستھرا نظر آتا تو دور سے پتا چل جاتا کہ یہ اجنبی ہے۔ سکھ حکمرانوں نے اسے ایک آنکھ سے دیکھا اور نیت وہی رکھی جو کسی کو ایک آنکھ بند کرکے دیکھنے والے کی ہوتی ہے۔ سکھوں کے دور میں یہاں طوائفوں کا راج تھا اور مسلمانوں کے دور میں طوائف الملوکی۔

حملہ آوروں نے اس تماش بین کو بیوی کی بجائے بیوہ ہی بنایا۔ وہ اس سے وقتی حسن تو چھین لیتے مگر حسن ادا نہ چھین سکے۔ اکثر شہر دیکھ کر لگتا ہے اصل شہر کوئی اور تھا یہ تو بس اس کا شہرہ ہے۔ جیسے دہلی کے مرنے کے بعد اب اس کی پوتی اسی نام

سے وہاں بستی ہے مگر یہ کبھی نہ مری بس زخمی ہوئی یہ اصلی ہے۔

لاہور منجمد موسیقی ہے۔ دیکھنے میں تماشبین' دکھنے میں تماشا۔ اس کا غصہ مردانہ ہے یعنی اس کا اظہار ہاتھ اور زبان سے کرتی ہے۔ مگر خوشی زنانہ کہ اس کا اظہار پورے بدن سے کرتی ہے۔ وہ جنت ہے نہ جہنم کیونکہ جنت اور جہنم تو دراصل دو قید خانے ہیں۔ ایک میں آدمی مسرتوں کی قید میں ہے اور دوسرے میں مصیبتوں کی۔ مگر لاہور تو بس لاہور ہے۔ لاہور کے مشرق' مغرب' شمال اور جنوب میں بھی لاہور ہی واقع ہے۔ جو لاہور میں نہیں رہا اس نے آدھی زندگی ضائع کر دی اور جس نے لاہور نہیں دیکھا اس نے پوری۔

URDU4U.COM

لاہور زندہ دلی کا نام ہے مگر اس کا دل اتنا چھوٹا ہے کہ جو اس میں داخل ہو جائے وہ یہاں سے نکل نہیں سکتا۔ اور اتنا بڑا کہ ہر آدمی اس میں باآسانی داخل ہو سکتا ہے۔ یہ لباس بدلتی ہے تو موسم بدل جاتا ہے۔ اگر کوئی ململ کا کرتہ پہن کر آئس کریم کھا رہا ہو تو سمجھ لیں کہ موسم گرما آ گیا اور اگر کوئی سوٹ پہنے دستانے اور کنٹوپ چڑھائے آئس کریم کھا رہا ہو تو سمجھ لیں سرما آ گیا۔ ویسے یہاں کے لوگ گرما اور سرما سے مراد اکثر پھل ہی لیتے ہیں۔ بارش میں یوں نہاتی ہے کہ دیکھنے والے بھیگ بھیگ جاتے ہیں کیونکہ جب تک اس کے بدن پر بوند نہ پڑے یہ بارش کا یقین نہیں کرتی اور جب تک بارش کسی بدن پر نہ پڑے اسے یقین نہیں آتا کہ وہ لاہور پہنچی ہے یا نہیں۔ شادی شدوں کے لیے اس کا ہر مہینہ دسمبر کا مہینہ ہوتا ہے۔ اور کنواروں کے لیے ہر ماہ اپریل سے شروع ہوتا ہے۔

وہ ایک طوائف ہے اسی لیے جو اس گلی میں آیا اس کا گلہ ہی آیا' جو بیٹھ گیا اسے اٹھانے کے لیے خود اللہ آیا۔ یہ وہ داشتہ ہے جو یادداشت بھی چھین لیتی ہے۔

لاہور میں داخل ہونے کے کئی راستے ہیں لیکن یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔ دوسرے شہروں سے اس کا فاصلہ کم اور یہاں سے ان کا فاصلہ بہت زیادہ ہے۔ یہ دور سے نظر آتی ہے مگر یہاں سے دور دور تک نظر نہیں آتا۔ لوگوں کو اتنی خوشی خود خوش

ہو کر نہیں ہوتی جتنی اسے خوشی دیکھ کر ہوتی ہے۔ اسی لیے لوگ دور دور سے اسے خوش دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ جب ناخوش ہو تو خود ہی دور دور تک دکھائی دیتی ہے۔

URDU4U.COM

کبھی بڈھے دریا میں وضو کیا کرتی تھی۔ اب استنجا کرتی ہے۔ علماء کی صحبت میں رہی تو جہلاء نے بھی اس سے صحبت کی۔ داتا صاحب جیسے اولیاء کی بدولت اللہ نے اسے آنکھ کا آنسو اور دل کا درد دیا۔ اس کے جسم کے کچھ حصوں کو یہ بھی پتا ہوتا ہے کہ آئندہ چوبیس گھنٹوں میں کیا ہو گا۔ اور بعض علماء کو یہ پتا نہیں ہوتا کہ پچھلے چوبیس گھنٹوں میں کیا ہو گا۔

بچوں کو حال جوانوں کو مستقبل اور بوڑھوں کو ماضی نظر آتی ہے۔ کھانے کے معاملے میں پکی مسلمان ہے۔ یعنی ہر کھانا یوں کھاتی ہے جیسے آخری کھانا کھا رہی ہو۔ جب سہاگن تھی اس کے بازوؤں میں دروازوں کی صورت درجن بھر چوڑیاں تھیں۔ اب تو بس ان چوڑیوں کے بازو پر نشان ہی باقی ہیں۔ اب تو اس کے جسم کی اپنی خوشبو بھی نہیں رہی۔ وہ بھی ان مردوں کی ہے جو اسے وقفے وقفے سے مردانگی دکھاتے رہے۔

میرا دوست "ف" کہتا ہے' مغلوں کے دور میں لوگ لاہور میں آ کر رہنے لگے۔ میں نے کہا' یہاں تو اس سے پہلے بھی لوگ موجود تھے۔ تو کہا' ٹھیک ہے مگر انہیں یہ نہیں پتا تھا کہ لاہور میں رہتے ہیں۔ ویسے تو آج بھی اکثر لوگ لاہور میں نہیں رہتے' اپنے بنگلوں اور کوٹھیوں میں رہتے ہیں۔ جو ایسے ہی ہے' بندہ ماں کا دودھ فیڈر میں ڈال کر پیئے۔

نئے دور نے اسے اس قدر خوفزدہ کر دیا ہے کہ کئی دہائیوں سے وہ مسلسل جاگ رہی ہے۔ زندہ دل ہے اسی لیے زندہ ہے۔ ہر چیز میں خوشی کا پہلو ڈھونڈ لیتی ہے۔ وہ تو اخبار میں قتل اور ڈاکے کی خبریں پڑھ کر بھی خوش ہوتی ہے۔ وجہ پوچھو تو کہے گی دیکھیں آج کل کے مقابلے میں کم ڈاکے پڑے قتل بھی کم ہوئے' ہے ناں خوشی کی بات! پھر اس خوشی پر جشن منائے گی۔ اب اس قدر موٹی ہو گئی ہے کہ لگتا ہے اس

کے جسم کا ہر حصہ الگ جسم ہے مگر جب خوشی سے ناچتی سڑکوں پر آتی ہے تو پھر اسے ایک جسم بن جاتی ہے۔ ہجوم اس کا چہرہ ہے۔ جس نے دیکھنا ہو خوشی دیکھنے میں کیسی ہوتی ہے' وہ لاہور دیکھ لے۔

URDU4U.COM

اس کی وہ انڈسٹریز جن کے مال کی بنا پر یہ ملک میں اور بیرون ملک مشہور ہے' ان میں فلم انڈسٹری نمایاں ہے۔

لاہور درخت کی طرح ہے جس کی جڑیں تاریخ کی کتابوں میں دفن ہیں۔ کچھ تو بادشاہی مسجد' شالامار باغ' شاہی قلعہ اور مینار پاکستان کی صورت زمین پر نکلی ہوئی ہیں مگر اس کے باسی ان پرندوں کی طرح نہیں ہیں جو آئے اور اپنی اپنی بولی سنا کر اڑ گئے۔ اس کے باسی تو اس پر پھولوں' پھلوں اور کانٹوں کی طرح اگے ہوئے ہیں۔ شہر وہ جگہ ہوتی ہے۔ جہاں بہت سے لوگ مل کر اکٹھے رہتے ہیں۔ لیکن لاہور وہ شہر ہے جہاں بہت سے اکیلے مل کر رہتے ہیں۔

○○○

• بابائے عشق

مشہور زنانہ اظہر جاوید کو دور سے دیکھا جائے تو اس کی جو چیز سب سے پہلے نظر آتی ہے وہ اس کی ناک ہے۔ وہ بھی ایسی کہ تصویر بناتے وقت ناک فوکس کی جائے تو چہرہ آؤٹ آف فوکس ہو جائے۔

URDU4U.COM

اظہر جاوید کا قد بدلتا رہتا ہے کیونکہ وہ دوسروں کو اپنی سطح پر لانے کی بجائے خود ان کی سطح پر آ جاتا ہے اسی لیے اچھوں میں بیٹھا ہو تو اچھا اور بروں میں بہت برا لگتا ہے۔

اگرچہ اس کے بال سیاہ برقعے اتار کر سفید کفن پہن رہے ہیں پر اسے اب بھی سیاہ برقعے ہی پسند ہیں۔ اس کے سفید بال کم ہی لوگوں نے دیکھے ہیں کیونکہ یہ بال اسی وقت نظر آتے ہیں جب اس کا کوئی دوست تکلیف میں ہو ورنہ وہ ہر وقت ان پر بے فکری کا رنگ چڑھائے رہتا ہے یوں بھی بال سفید ہیں تو کیا ہوا' دل کو دیکھنا چاہیے۔

اس قدر خوش اخلاق ہے کہ مردوں تک سے ہنس کر باتیں کرتا ہے۔ مخلوط محفلوں کے ہمیشہ نصف بہتر میں پایا جاتا ہے۔ رکھ رکھاؤ کا اس قدر قائل کہ بیس برس قبل جسے لڑکی سمجھ کر عید کارڈ بھیجتا تھا آج بھی اسے لڑکی سمجھ کر ہی یہ سب کچھ کرتا ہے۔

جب اظہر جاوید اکیلا ہو یعنی اس کے ساتھ کوئی مرد ہو تو یوں تپاک سے ملے گا جیسے آخری بار مل رہا ہو' ملنے والا ہم عمر ہو گا تو اس احترام سے ملے گا کہ دوسرے کو یقین ہو جائے گا کہ اس نے مجھے کوئی اور سمجھا ہے۔ اگر کم عمر ہو گا تو اس سے یوں محبت سے ملے گا کہ وہ سمجھنے لگا کہ اس نے مجھے کچھ اور سمجھا ہے لیکن اگر ساتھ کوئی خاتون ہو گی تو السلام علیکم یوں کہے گا جیسے خدا حافظ کہہ رہا ہو۔

اسے سیڑھیاں چڑھنے کا اس قدر شوق ہے کہ ہمیشہ ایسی جگہ دفتر بنایا جہاں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جانا پڑے لاہور میں اس کا دفتر اکثر لاہور کی نسبت "سرگودھا" کے زیادہ قریب

ہوتا ہے۔

آج کل ہر کوئے دوسرے کو سناتا ہے کسی کی کون سنتا ہے؟ مگر اظہر جاوید کو دوسروں کی سننے کا اس قدر شوق ہے کہ شام ہوتے ہی کہنے لگتا ہے "آج کس کو سنا جائے؟"

URDU4U.COM

عاشق مجاز آدمی ہے گفتار میں ترنم اور کردار میں ملکہ ترنم ہے اس نے "تخلیق" کے زور پر کئی شاعرات پیدا کیں جن میں اکثر بڑی ہو چکی ہیں مگر صرف عمر میں۔ اردو ادب کے لیے اس نے جتنا عملی کام کیا کئی آدمی مل کر نہیں کر سکتے یعنی جتنے عشق اس نے کئے اکیلے بندے کا کام نہیں۔ جتنے لمبے وہ عشق کرتا ہے اتنی لمبی تو لوگ دشمنیاں نہیں کرتے۔ عورتوں کے کام آنا اعزاز سمجھتا ہے اسی لیے کسی نہ کسی خاتون کا اعزازی مدیر ہوتا ہے۔

پاکستان کے بوڑھے بڑے باکردار ہوتے ہیں ان کے ہاں قول و فعل کا تضاد نہیں' یعنی جتنے بوڑھے باہر سے نظر آتے ہیں اتنے ہی اندر سے ہوتے ہیں اور گھڑی پاس بیٹھ جاؤ تو آدمی خود کو بھی بوڑھا محسوس کرنے لگتا ہے۔ اظہر جاوید دیکھنے میں تو ادھیڑ عمر ہے مگر پاس بیٹھ جاؤ تو وہی حالت ہوتی ہے جو پہلی بار منٹو کے افسانے پڑھنے کے بعد ہوتی ہے۔ خود بھی اپنے آپ کو جوان سمجھتا ہے اسی لیے آج بھی وہی کپڑے پہنے ہوتا ہے جو جوانی میں پہنا کرتا تھا۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے' میں پورے ادب سے کہتا ہوں ایسا جوان بوڑھا ادب میں تو کیا پورے پاکستان میں بغیر ادب کے بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ وہ ٹھیک کہتا ہے کم از کم میں نے آج تک کوئی بوڑھا پیدا ہوتا نہیں دیکھا۔

اکثر دوسروں کے کام کرتا ہے مثلاً تصویر میں بڑا گھبرایا گھبرایا لگتا ہے حالانکہ یہ کام تو دیکھنے والے کا ہے۔ صحت کا اس قدر خیال رکھتا ہے کہ ہر وقت حکیم ولی الرحمٰن ناصر کو ساتھ رکھتا ہے جس سے حکیم صاحب کی ادبی اور غیر ادبی صحت بہتر ہو گئی ہے اسے لڑنا بہت پسند ہے اسی لیے کوئی ادبی مسئلہ چھیڑ کر دوسروں کو لڑا دیتا ہے تاکہ انہیں پسند کر سکے۔

سیاست میں بھی پاؤں رکھتا ہے جو اکثر پھسل جاتا ہے "امروز" کی سیڑھیوں سے ایسا پھسلا کہ ابھی تک نہیں سنبھل سکا لیکن نگاہ آج بھی اس قدر بلند کہ ہمیشہ عینک کے اوپر سے دیکھتا ہے۔ وہ انصاف کے در کی طرح ہر کسی پر نہیں کھلتا اگر کوئی اس کا اصل دیکھنا چاہے تو قہقہوں کی بکل مار لیتا ہے۔ بات شروع کرتا ہے تو لگتا ہے دوسرے کی پسند کی کر رہا ہے مگر جب ختم کرتا ہے تو پتہ چلتا ہے اپنی پسند کی کر گیا۔ اس کی صحت ایسی کہ عبدالعزیز خالد کے ایک شعر سے سانس پھولنے لگے۔ صحبت ایسی کہ مزید خراب ہونے کا اندیشہ نہیں۔ مصیبت کے وقت دوسروں کے کام آتا ہے اسی لیے اسے وہی دوست رکھتے ہیں جنہیں کوئی نہ کوئی کام ہو۔

بحیثیت شاعر اس کا قد دوسروں کا قد بڑھانے میں صرف ہوا۔ ہجر و وصال اس کی شاعری کے دو رخ ہیں اس نے اپنی شاعری میں جن خواہشات کا اظہار کیا ان میں سے ایک بھی پوری ہو جائے تو اسے حدود آرڈیننس کے تحت دھر لیا جائے۔

لگتا ہے اس نے دنیا عورت کی نظر سے دیکھی ہے شاید اسی لیے اس میں وفا اور محبت ہم سے زیادہ ہے۔ بقول میرے دوست "ف" میں بقامی ہوش و ہوس کہتا ہوں اب عشق کا موسم نہیں رہا' بس موسمی عاشق رہ گئے ہیں اور اظہر جاوید اس "پت جھڑ" کا آخری پتا ہے۔

مجھے اظہر جاوید پر رشک آتا ہے کہ کوئی اس کا احترام نہیں کرتا۔ میں بھی اس کا احترام نہیں کرتا۔ وہ ایسا ہے بھی نہیں کہ احترام کی چھڑی سے اسے فاصلے پر رکھا جائے اس کے تو قریب ہونے کا دل چاہتا ہے۔ اس سے محبت کرنے کو دل چاہتا ہے۔

○○○

• ادیبوں کا ہیڈ ماسٹر

ہیڈ ماسٹر وہ ہوتا ہے جو ماسٹروں کے سر پر سوار رہے اور وہ ادیبوں کا ہیڈ ماسٹر ہے۔ اپنے پاس ہمیشہ ایک رجسٹر رکھتا ہے جس میں شاعروں' ادیبوں کی سالانہ پیداوار کا حساب بمعہ کتاب اور ایڈریس درج ہوتا ہے چونکہ حافظہ کمزور ہے۔ تین چار سے زیادہ شاعروں کو یاد نہیں رکھ سکتا اس لیے صرف شاعرات کو ہی یاد رکھتا ہے۔

رنگ ایسا صاف کہ اس پر پڑی گرد دور سے نظر آ جاتی ہے ناک ایسی کہ اس پر ہاتھ پھیرنے میں اتنا ہی وقت لگتا ہے جتنا سارے منہ پر یہی کچھ کرنے میں صرف ہوتا ہے۔ کسی زمانے میں جہاں کنگھی پھیرا کرتا تھا آج کل رومال پھیرتا ہے۔ سر اور منہ نے حد بندی ختم کر رکھی ہے اس لیے پتہ نہیں چلتا منہ کہاں ختم ہوا اور سر کہاں سے شروع ہو گیا۔ لیکن وہ دوسروں کی بات سنتے وقت لگاتا ہے کیونکہ اس نے بس ایک بار یہ ہی دیکھنا ہوتا ہے کہ بولنے والا کون ہے؟

بھول جانا اس کی ضرورت ہی نہیں عادت بھی ہے۔ کسی موضوع پر گفتگو کرتے وقت مخاطب کا نام بھول جائے گا کہ کس موضوع پر گفتگو کر رہا تھا اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ اس نے ڈاکٹر سے بھی اپنے مرض نسیان کا علاج کرایا۔ تین مہینے کے علاج کے بعد ڈاکٹر صاحبان ایک دن آئے اور انہوں نے پوچھا جی سر اب تو نہیں بھولتے آپ۔ موصوف نے فرمایا' بالکل نہیں مگر آپ کون ہیں اور یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔ البتہ جس کسی نے اس کے زیادتی کی ہو اسے ہرگز نہیں بھولتا اس لیے اگر کسی کو فوراً پہچان لے تو وہ گھبرا کر پوچھتا ہے' میں نے کیا کیا ہے؟

اپنی سائیکل پر سوار سڑکوں پر یوں پھرتا ہے جیسے کسی کی تلاش میں ہو حالانکہ اسے دیکھ کر لگتا ہے اس کی اپنی تلاش ہو رہی ہو گی۔ ایک صحافی نے تو اس کی حالت دیکھ کر یہاں تک چھاپ دیا تھا کہ وہ سائیکل پر ساری دنیا کا چکر لگا کر آیا ہے۔ سائیکل اس

کی شریک حیات ہے۔ ایک بار کسی دفتر میں گیا اور سائیکل گیٹ پر کھڑی کرکے اندر جانے لگا تو چوکیدار نے کہا' اسے جا کر اسٹینڈ پر کھڑی کریں۔ موصوف نے کہا کہ یہ جو گیٹ پر ایک سائیکل کھڑی ہے۔ چوکیدار نے کہا یہ تو کوئی پاگل کھڑی کر گیا ہے اس دن سے وہ بھی وہیں سائیکل کھڑی کر رہا ہے۔ وجہ پوچھی تو کہنے لگا' پاگل ہوں کوئی بیوقوف نہیں ہوں۔

اس قدر سخی ہے کہ اس نے پورے ملک میں حلقہ ارباب ذوق بلکہ ہلکا ارباب ذوق کی شاخیں تقسیم کیں یہی اس نے تو حلقہ ارباب ذوق بھی تقسیم کر دیا۔ سارا دن سائیکل پر گھومتا رہتا ہے جہاں کوئی ادیب نظر آیا اتر کر اسے ارباب ذوق کا پروگرام دیا اور کسی دوسرے کی تلاش میں نکل پڑا۔ اسے جتنی فکر حلقے کی ہے اتنی اپنی نہیں اسی لیے دوسروں کو بھی زیادہ فکر حلقے کی ہی ہے۔ اجلاس میں حاضرین کی تعداد کم ہو تو پریشانی سے نہیں بیٹھتا۔ اگر زیادہ ہو تو خوشی سے۔ حلقے کے اجلاس کے دوران اس انداز سے سگریٹ پی رہا ہوتا ہے جیسے حلقہ نہیں اڈہ چلا رہا ہے۔ حلقہ ارباب ذوق کو اپنی اولاد سمجھتا ہے اور اس کی اولاد اسے حلقہ ارباب ذوق سمجھتی ہے۔

ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتا ہی رہتا ہے کچھ نہ بھی کر رہا ہو تو پھر بھی یہی سمجھتا ہے کہ میں کچھ کر رہا ہوں اس کے قول و فعل میں تضاد نہیں یعنی حرکتیں بھی ویسی ہی کرتا ہے جیسی باتیں۔ کسی جگہ پر چند منٹ سے زیادہ نہیں بیٹھتا وہاں سے اٹھ کر دوسری جگہ پر چلا جائے گا اگر نہ اٹھے تو دوسرے اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ اس قدر محنتی ورکر ہے کہ اس کے پاس سوچنے کے لیے بھی وقت نہیں ہوتا۔ کہتا ہے میں دنیا کا مصروف ترین آدمی ہوں۔ میں تو باتھ روم کے لیے بمشکل دو منٹ نکالتا ہوں اس کی حالت سے لگتا ہے کہ وہ صحیح کہتا ہے۔ کبھی کبھی دوڑنے کے لیے چند منٹ نکال لیتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ دوڑتا ہوا پاس سے گزر جائے تو لوگ گھبرا کر اپنا سامان چیک کرنے لگتے ہیں۔ اس قدر جلدی میں ہوتا ہے کہ معافی پہلے مانگ جائے گا غلطی بعد میں آ

کر کرے گا۔ اپنے پاس رومال ضرور رکھتا ہے حالانکہ اس کی اس سے زیادہ ضرورت اس کے ملنے والوں کو ہوتی ہے۔

فلٹر کے بغیر سگریٹ نہیں پیتا۔ یعنی سگریٹ پیئے تو ساتھ فلٹر ضرور پیئے گا۔ کشمیری خاندان سے تعلق رکھتا ہے اسی لیے جو کام زبان سے ہو سکے اسے بھی ہاتھ سے کرتا ہے۔

صرف اچھی بات سنتا ہے یعنی وہی بات جو اس کے لیے اچھی ہو۔ انگریزوں سے اس قدر نفرت کہ مجال ہے ساری زندگی کبھی صحیح انگریزی بولی یا لکھی ہو۔ حب الوطنی اس قدرکہ امرتسر کو بھی اپنا علاقہ سمجھتا ہے۔ سمجھتا ہی نہیں گفتگو سے ثابت بھی کرتا ہے۔

بڑا بت شکن ہے یعنی اسے دیکھتے ہی بتوں کے ماتھے پر شکنیں پڑ جاتی ہیں۔ بڑے بڑے ادیب اس کے سامنے نہیں ٹھہرتے بلکہ تیزی کے ساتھ پاس سے گزر جاتے ہیں۔

نثری نظم کے لیے اس نے جتنی محنت کی ہے اتنی اپنے لیے نہ کی ہو گی اگرچہ نثری نظم کا مستقبل وہی ہو سکتا ہے جو بیک وقت زنانہ مردانہ صلاحیتیں رکھنے والے فرد کا۔

لیکن کہتے ہیں نثری نظم کی یہ خوبی ہے کہ اسے مشاعرے میں نہیں پڑھا جا سکتا اور شاعر اس محنت سے بچ جاتا ہے جو اسے مشاعرہ حاصل کرنے کے لیے کرنا پڑتی ہے۔

لوگ تو خواتین کے اس قدر خلاف ہیں' کہتے ہیں چور کو نہیں چور کی ماں کو مارو۔ جس کی وجہ یہی ہے کہ وہ عورت ہے۔ لیکن وہ عورتوں کو ہمیشہ مرد سے بالا تر سمجھتا ہے۔

وہ مرد ادیبوں کو خواتین رائٹرز سے بہت کمتر اور گھٹیا خیال کرتا ہے اور آدمی اس سے ایک ہی ملاقات میں اس بات پر متفق ہو جاتا ہے۔

بہترین سرجن وہ ہوتا ہے جو جتنا ہو سکے مریض کو سرجری سے دور رکھے اور بہترین ادیب وہ جس سے ادب زیادہ سے زیادہ بچا رہے اسی لیے میرا دوست "ف" کہتا ہے کہ اردو میرا احسان عمر بھر نہیں بھول سکتی۔ وہ احسان یہ ہے کہ اس نے کچھ نہیں لکھا۔ لیکن ہمارے ادیبوں کے ہیڈ ماسٹر نے پوری زندگی ادب کے لیے وقف کر دی ہے اسی لیے وہ سگریٹ بھی پی رہا ہو تو پتہ نہیں چلتا اپنے لیے پی رہا ہے یا اردو ادب

کے لیے۔ ویسے وہ ادب برائے ادب کا قائل ہے۔ مطلب یہ کہ اس کا ادب کرتا ہے جو اس کا ادب کرتے ہیں یعنی کسی کا ادب نہیں کرتا۔ دن کے چوبیس گھنٹوں سے بارہ گھنٹے پانی پانے اور باقی بارہ گھنٹے پسینہ پونچھنے میں صرف کرتا ہے لیکن آخر الذکر کام کا وقت اسے کم ہی ملتا ہے۔ یہ کام اس کی گفتگو سننے والے کر رہے ہوتے ہیں۔ کہتا ہے میں نے خود سے اچھی گفتگو کرتے کسی کو نہیں سنا۔ ٹھیک کہتا ہے اس نے کبھی کسی دوسرے کو گفتگو کرتے سنا ہی نہیں بغیر تعارف کے کسی سے بات نہیں کرتے اور تعارف کے بعد کسی کی سنتا نہیں۔

URDU4U.COM

آنسو آنکھ کا لباس ہے جس آنکھ میں آنسو نہ ہوں وہ ننگی ہو جاتی ہے۔ کمر ننگی ہو جائے تو مرزا زندہ نہیں بچتا آنکھ ننگی ہو جائے تو صاحباں مر جاتی ہے مگر اس نے اپنے اندر صاحباں مرنے نہیں دی۔ معمولی معمولی بات پر غیر معمولی روتا ہے پھر روتے اچانک یوں چپ ہو جاتا ہے جیسے بھول گیا ہو کہ کیا کر رہا تھا۔

○○○

• ضیاع بٹ

ضیاء بت مجھے زبانی یاد ہو گیا ہے پر میں اسے سمجھ نہیں سکا حالانکہ بٹوں کو سمجھنا اتنا دشوار نہیں جتنا سمجھانا۔ مشکل سا چہرہ جسے یاد رکھنا آسان ہے۔ چہرہ کیا ہے؟ لگتا ہے کسی نے اپنی گوری چٹی ہتھیلیاں دعا کے لیے پھیلا رکھی ہیں جن پر کئی سلوٹیں سر اٹھا اٹھا کر سجدوں میں گر رہی ہیں۔ جب وہ ہنستا ہے تو لگتا ہے گیس کا سلنڈر پھٹ گیا اور سلوٹیں سمٹ جاتی ہیں۔ ہنستے ہوئے اس کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے اور وہ یہ سرخی ہاتھ سے قریب بیٹھے شخص کے جسم پر منتقل کر دیتا ہے۔

چلتے وقت قدم یوں اٹھاتا ہے جیسے پانی سے گزر رہا ہو اس نے ماتھا سر پر چڑھا رکھا ہے۔ ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ کرنے کے لیے اس کو دوبارہ جوان کرنا پڑے گا۔ وہ ہر دم دوستوں اور بالوں کو بناتا رہتا ہے۔ سر پر سہمے سہمے بال جو بیچارے یونہی سر اٹھانے لگتے ہیں ان پر ایسا ہاتھ پھیرتا ہے کہ وہ سر اٹھانے کے قابل نہیں رہتے۔

دیکھنے میں وہ ادیب کم اور سیاست دان زیادہ لگتا ہے۔ ہمارے ہاں ادیبوں اور سیاست دانوں میں صرف ایک ہی بات مشترک ہے کہ دونوں کسی کی بات نہیں سنتے۔ لیکن ضیاء بٹ سن لیتا ہے۔ دوسرے بھی یہی سمجھتے ہیں کہ وہ ان کی بات سن رہا ہے حالانکہ وہ تو اپنی بات ان کے منہ سے سنا رہا ہوتا ہے۔ اگر کوئی بات اچھی لگے تو کہے گا سبحان اللہ۔ اگر کوئی بات اچھی نہ لگے تو پھر بھی یہی کہے گا۔ اس لیے کبھی پتہ نہیں چلا کہ اسے کس بات پر دکھ ہوا ہے اور کس پر خوشی۔

عورتیں آنکھوں سے ہنستی اور گلے سے روتی ہیں مگر ضیاء بٹ گلے سے ہنستا اور دل سے روتا ہے۔ عمر کے اس حصے میں ہے جہاں بوڑھے اسے جوان نہیں مانتے اور جوان اسے بوڑھا نہیں مانتے۔ "فنون" کے دفتر اس قدر وقت پر آتا ہے کہ یقین نہیں آتا کہ اس کا محکمہ ریلوے سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔ دفتر میں خود بعد میں داخل ہوتا ہے

اس کی ناک پہلے داخل ہو جاتی ہے۔ جس موضوع پر آپ بات سننا گوارہ نہیں کرتے۔ وہ اس پر بات کر سکتا ہے۔

"ضیا" اپنے نام کی لاج رکھتے ہوئے ان لوگوں میں سے ہے جو کسی بھی وقت کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ چپ ہو تو لگتا ہے یہ شخص کبھی بولا ہی نہیں اور بول رہا ہو تو لگتا ہے یہ کبھی چپ ہی نہیں ہوا۔

جس طرح عورتوں کا کچھ نہ کچھ بھاری ہی رہتا ہے کبھی سر بھاری ہے تو کبھی پاؤں' ایسے ہی اس کا کچھ نہ کچھ خراب ہی رہتا ہے۔ کبھی صحت خراب ہے تو کبھی صحبت۔ اپنے انجام کا ذکر کرکے دوسروں کو فکر مند رکھتا ہے۔ دوسرے اس لیے فکر مند ہوتے ہیں کہ انہیں پتہ ہے کہ ان کا انجام اس سے بہتر نہ ہو گا اور اس کا انجام بہتر نہ ہو گا۔

لوگ ہنستے ہنستے لڑ پڑتے ہیں مگر وہ لڑتے لڑتے ہنس پڑتا ہے۔ غصے میں آئے گا تو اس کی آنکھیں لہولہان ہو جائیں گی۔ لگے گا اگر اس نے نیچے دیکھا تو آنکھوں سے خون کی دھاریں بہہ نکلیں گی۔ سانسیں آدم بو آدم بو پکارنے لگتی ہیں مگر اگلے ہی لمحے اس کا الف لیلوی قہقہہ ساری فضا کو بدل دیتا ہے اور مسکراہٹ اڈاریاں مارنے کی لیے ہر چہرے کے چبوترے پر کلیانے لگتی ہے۔

دوسروں کی خاطر خالی پیٹ خلال کرنے والا ضیا بٹ یاروں کی خاطر زہر بھی پی سکتا ہے اسی لیے جب کسی دوست کو سگریٹ کا گھونٹ بھرتے دیکھتا ہے اور فوراً چھین کر اپنے منہ سے لگا لیتا ہے وہ مانگا ہوا سگریٹ بھی اتنے اطمینان سے پیتا ہے کہ سگریٹ کو بھی اس وقت پتہ چلتا ہے جب شعلہ اس کی شہ رگ تک آ پہنچتا ہے۔ ضیاء بٹ پہلے ادیب ہے اور بعد میں بٹ یعنی پہلے زبان کا استعمال کرتا ہے پھر ہاتھ کا۔

وہ دوست بدلنے اور جگہ بدلنے اور جگہ نہ بدلنے سے گریز کرتا ہے وہ ان لوگوں میں سے ہے جو نئی چیز ڈھونڈنے کی بجائے پرانی کے نئے استعمالات تلاش کرتے رہتے ہیں۔ اسی لیے وہ ایک ہی شخص کے پاس بیٹھے ہوئے بھی کرسیاں بدل بدل کر نئے مزے لوٹتا

رہتا ہے۔ علم جہاں بھی ملے اسے اپنی گمشدہ میراث سمجھتا ہے اسی لیے کتابیں لے کر واپس نہیں کرتا۔

ضیاء بٹ کی کہانیوں کے کردار اس کی اپنی شخصیت کے ترجمان ہیں۔ شاید اسی لیے جب یہ کردار غصے میں ہوں تو کہتے ہیں "بکواس بند کرو" خود کو "منی دانشور" کہتا ہے تو سب اعتراض کرتے ہیں۔ جنہوں نے سے دور سے دیکھا ہے وہ "دانشور" کہنے پر اور جو اسے قریب سے جانتے ہیں وہ "منی" کہنے پر۔

URDU4U.COM

○○○

• ٹی ہاؤس کا سرحدی گاندھی

URDU4U.COM

ٹی ہاؤس کو شاعروں ادیبوں کا دل کہتے ہیں۔ دل میں تو سارے جسم کا گندہ خون اکٹھا ہوتا ہے اور صاف ہو کر نکلتا ہے مگر یہاں جو کچھ جیسا اکٹھا ہوتا ہے ویسا ہی نکلتا ہے۔ ٹی ہاؤس کے سرحدی گاندھی کا یہاں وہی مقام ہے جس مقام پر آ کر وہ روزانہ بیٹھتا ہے لگتا ہے وہ پہلے اپنی "جائے مخصوصہ" پر بیٹھا تھا' ٹی ہاؤس بعد میں اس کے ارد گرد تعمیر کیا گیا ہے۔ اگر اسے آپ یہاں کے علاوہ کسی اور جگہ دیکھیں تو یقین کر لیں ارد گرد کہیں مشاعرہ ہو رہا ہو گا۔ ٹی ہاؤس میں آجتک اس نے کسی کو اپنے خلاف بات کرنے کا موقع نہیں دیا یعنی سب سے پہلے آتا ہے اور سب سے آخر میں جاتا ہے۔

شکل و صورت کسی بڑے شاعر سی لگتی ہے جبکہ شاعری اس کی اپنی ہی لگتی ہے۔ پندرہ بیس سال پہلے بھی وہ اتنا ہی بوڑھا تھا جتنا آج ہے لیکن چند سالوں بعد ایسا ہی ہو جائے گا جیسا پیدا ہوتے وقت تھا۔ یعنی نہ منہ میں دانت نہ سر پر بال۔ چلتے وقت خود ایک قدم اٹھاتا ہے تو ہاتھ میں پکڑا بیگ دو قدم۔ پاؤں زمین پر یوں رکھتا ہے جیسے ہر قدم پر پاؤں سے سگریٹ بجاتا ہوا آ رہا ہے۔ نیت' جیب' دل اور داڑھی مونچھیں ہمیشہ صاف ہوتی ہیں۔ ہونٹوں پر اپنے کالم کی سرخی' آواز میں حکم' الفاظ میں گزارش۔ ہنس رہا ہو تو لگتا ہے مچھلی پانی سے منہ نکال کر سانس لے رہی ہے۔ رنگ ڈھنگ ٹریفک کی اس بتی جیسے جو روکتی ہے نہ جانے دیتی ہے۔ دنیا کی طرح گول سر جس پر بالوں کی بجائے پی کیپ اگی ہوئی ہے۔

سلام لیتے وقت ہاتھ یوں بے دلی سے بڑھاتا ہے جیسے گرفتاری دے رہا ہو۔ بلاؤ تو یوں دیکھے گا جیسے آپ نے کچی نیندرے اٹھا دیا۔ غصے میں اس کا سر یوں ہلنے لگتا ہے جیسے

ابلتے پانی کی کیتلی کا ڈھکنا۔ اپنی بات کو آخری بات سمجھتا ہے۔ دوسرے بھی یہی سمجھتے ہیں کہ آخری بات کر رہا ہے۔ اس کے ارد گرد بیٹھے لوگ یوں چپ ہوتے ہیں جیسے تعزیت کرنے آئے ہوں۔

URDU4U.COM

پڑھنے کا اس قدر شوق ہے کہ ہر نئے لکھنے والے کو کہتا ہے کہ مجھے اپنی تحریریں پڑھا لیا کرو۔ اپنے بارے میں لکھی گئی تحریروں کو اچھا سمجھتا ہے اور کہتا ہے اردو ادب میں بہت کم اچھا لکھا گیا۔

مشاعرے کا سن کر اس کے چہرے پر وہی رونق آ جاتی ہے جو دکانوں پر کلیرنس سیل کے موقع پر۔ وہ بادشاہ تو نہیں بادشاہ گر ضرور ہے مگر شوق بادشاہوں والے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ وہ فوجیں لڑاتے تھے یہ الیکشن لڑاتا ہے۔ پہلی لڑائی میں جان جاتی ہے اس میں عزت جاتی ہے۔

کہتے ہیں' جنس کا قدرتی راستہ بند کر دیا جائے تو یہ پورے بدن کو راستہ بنا لیتی ہے۔ یہی نہیں وہ باتوں اور تحریروں میں بھی آ جاتی ہے لیکن اس نے ناکام زندگی بڑی کامیابی سے گزاری ہے۔ آج بھی عورت کے ذکر پر وہی کچھ کرتا ہے جو عورتیں اس کے ذکر پر کرتی ہیں یعنی چپ ہو جاتا ہے۔

بہت جلد ناراض ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات تو ناراض پہلے ہو جاتا وجہ ناراضگی بعد میں ڈھونڈتا ہے اس قدر حسن ظن سے کام لیتا ہے کہ تعاقب کرنے والے کو بھی سمجھتا ہے تقلید کر رہا ہے۔ اسے تو دشمن کا اس وقت پتہ چلتا ہے جب وہ اس کا دوست بن چکا ہوتا ہے۔

ہمیشہ وہ بات کرتا ہے جسے صحیح سمجھتا ہے اس لیے غلط بات کر رہا ہو تو سمجھ لیں صحیح سمجھ کر رہا ہے۔ جتنے سالوں کے بعد اس کی شاعری کی کتاب آئی ہے اس سے لگتا ہے کہ لکھنے میں فی غزل نو مہینے لگے ہوں گے۔

اس نے نظریہ کو نذریہ نہیں بنایا۔ اپنے اصولوں کے مطابق زندگی گزاری۔ ان اصولوں نے اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جو ریشم کا ریشہ اپنے خالق کے ساتھ کرتا ہے۔ کڑ

ترقی پسند ہے۔ برابری کا اس قدر قائل ہے کہ اس نے اپنے کالم سے کالم نگار اور رپورٹر کے فرق کو ختم کر دیا۔ کہتے ہیں کسی کو بیوقوف بنانے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ اسے عقلمند کہنے لگے اور وہ اپنے کالم میں سب کو عقلمند ہی کہتا ہے۔ اپنی گفتگو میں "لکھ دیا" اتنا استعمال کرتا ہے کہ نیا آدمی اسے کاتب سمجھنے لگتا ہے۔ ویسے بھی یہ لکھنے کا دور ہے' اب تو ادب کا صرف ایک ہی ریڈر رہ گیا ہے وہ ہے پروف ریڈر۔

URDU4U.COM

مستقل مزاج ایسا کہ آج بھی وہیں ہے جہاں برسوں پہلے تھا بقول شخص وہ اوکاڑہ کا لینن رہ چکا ہے بلکہ ایک لحاظ سے تو لینن بھی اس سے رہ گیا ہے کہ وہ مر چکا اور یہ ابھی زندہ ہے لیکن اس کی بد قسمتی یہ ہے کہ یہ ہارے ہوئے لشکر کا بہادر سپاہی ہے۔ ظاہر ہے اس کی عزت افزائی تو نہیں ہو سکتی نا۔

○○○

• چن جی

یاور حیات جب پرسوں کی پوٹلیاں لٹکائے ٹی وی اسٹیشن داخل ہوتا ہے تو لگتا ہے کوئی بنجارہ نہ ختم ہونے والے سفر پر ہو۔ دور سے دیکھنے پر اس سے ہمدردی ہوتی ہے اور اس کا بوجھ ہٹانے کو دل چاہتا ہے مگر اس کے قریب ہوتے ہی اپنے بوجھ اترتے محسوس ہوتے ہیں۔

URDU4U.COM

اس کا قد ایسا کہ بندہ اس سے باتیں کر رہا ہو تو لگتا ہے آسمان سے باتیں کر رہا ہے۔ چال ہماری قومی چال کی طرح یعنی اتنا چلتا نہیں جتنا جگہ جگہ رکا رہتا ہے۔ کہتے ہیں جو سگریٹ پیتا ہے وہ جھوٹ نہیں بولتا اور یاور سگریٹ پیتا ہے۔ دوران گفتگو سگریٹ کو انگوٹھے اور انگشت شہادت میں پکڑ کر اسے یوں دیکھتا رہتا ہے جیسے آپ سے نہیں سگریٹ سے ہم کلام ہو۔ گفتگو کرتا ہوا لگتا ہے ٹی وی مذاکرے میں حصہ لے رہا ہے۔ یعنی کسی کی نہیں سنتا بس اپنی ہی سناتا ہے۔

عجیب بات ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ بھی انگریزی بولتا ہے جنہیں انگریزی لکھنا پڑھنا تو درکنار انگریزی سننا بھی نہیں آتی لیکن اس سے عجیب بات یہ ہے کہ وہ اس کی بات سمجھ رہے ہوتے ہیں۔

وہ کم سے کم کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جانتا ہے۔ وہ بات شروع تو دوسروں کے لیے کرتا ہے مگر باتیں کرتا کرتا خود کلامی پر اتر آتا ہے اور اپنے ساتھ گفتگو کرنے لگتا ہے اس گانے والی کی طرح جو ایک مقام پر پہنچ کر گانے میں اس قدر کھو جاتی ہے کہ پھر سامعین سے بالا تر ہو کر اپنے لیے گاتی ہے۔ ڈرامے کے حوالے سے یاور کا میڈیم ڈانیلاگ ہے لیکن اس کا ذاتی میڈیم مونو لاگ ہے۔ وہ اپنے سننے کے لیے باتیں کرتا ہے۔

اس میں اس قدر خود اعتمادی ہے کہ اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اس نے ہر قسم کی

برائی کی ہو گی مگر کسی کی برائی کبھی نہیں کی۔ ٹی وی میں ہوتے ہوئے بھی یاور حیات بڑا پر امن آدمی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ہر وقت اپنے آپ سے جو لڑتا رہتا ہے ٹی وی کے لیے اس کی کوئی چیز اگر قابل اعتراض ہے تو وہ اس کی ذہانت ہے۔

URDU4U.COM

عورتوں کی اس قدر عزت کرتا ہے کہ مشکوک لگتا ہے اسے ہر وہ چیز پسند ہے جس سے پہلے مس آئے۔ چاہے وہ مس کاسٹ ہی ہو۔ اس کا چہرہ اداکار کا' کان موسیقار کے' نظر شاعر کی' زبان صوفی کی' دماغ فلسفی کا اور دل طوائف کا ہے۔ مسلمان ہے مگر کافر جسم پسند کرتا ہے۔

اس کی تلاشی لی جائے تو اس کے پرسوں' جیبوں اور کمرے سے دوسروں کے وزٹنگ کارڈ ہی نکلیں گے مگر اس کا اپنا وزٹنگ کارڈ نہیں۔ وزٹنگ کارڈ کو یاور حیات کی ضرورت ہو تو تو یاور کو اس کی ضرورت نہیں اس کی جیبوں میں اتنے قلم ہوتے ہیں کہ لگتا ہے قلم بیچتا بیچتا ٹی وی آ نکلا ہے۔ حالانکہ وہ صحافی کبھی بھی نہیں رہا۔ اسے سونف کھلانے کا بہت شوق ہے جس کی اس قدر اذیت بتائے گا کہ آپ پریشان ہو جائیں گے کہ اتنی دیر سے سونف کے بغیر زندہ کیسے ہیں؟

یاور حیات ڈرامہ نگار بھی ہے۔ اس نے منو بھائی سے لے کر محمد یونس بٹ تک کے کئی ناموں سے ڈرامے لکھے۔ کسی قسم کی پابندی پسند نہیں کرتا' چاہے وہ پابندی وقت ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ جس دن وقت پر پہنچ جائے لوگوں کو پریشانی ہونے لگتی ہے کہ اللہ کرے خیر ہو۔ جب یاور اپنے کمرے میں ہو تو ٹی وی کے تمام راستے اس کے کمرے کی طرف جانے لگتے ہیں۔ وہاں اس قدر ٹیلیفون آتے ہیں کہ نیا آدمی سمجھتا ہے وہ غلطی سے ٹیلیفون ایکسچینج میں آ بیٹھا ہے۔

یاور حیات نے اپنے فن سے ناظرین اور ناراضگین کی پوری نسل پروان چڑھائی ہے کہتا ہے پروڈیوسر گھڑی باندھ لے تو وہ کلرک بن جاتا ہے وقت پر آنے والا۔ شاید اسی لیے وہ پروڈیوسر جو گھڑی دیکھ کر ریکارڈنگ کرتے ہیں ان کے پروگرام دیکھنے والے بھی

بار بار گھڑی ہی کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

یاور کا بڑا نام اس لیے نہیں کہ خدا نے اسے بڑی صلاحیتیں دیں۔ بلکہ اس لیے کہ اس نے یہ صلاحیتیں خود کو منوانے کے لیے صرف نہیں کیں۔ اس کا مقصد متاثر کرنا نہیں شاید اسی لیے متاثر کرتا ہے۔

وہ کھٹر قبیلے کا فرد ہے جس کے لوگ بڑے جاگیردار' جنگجو اور دشمن کو معاف نہ کرنے والے کو معاف نہیں کرتا حالانکہ معاف کر دینے سے سخت انتقام اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ ایک دم مد مقابل کو گھٹیا اور خود کو عالی ظرف ثابت کر دیتے ہیں مگر وہ سزا دیتا ہے' نہ معاف کرتا ہے یہ تو اس کا قد ہے جو اسے دوسروں کے واروں سے بچاتا رہتا ہے۔

خطرناک آدمی ہے' پتا نہیں چلنے دیتا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔ وہ مزید خطرناک ہے کیونکہ اسے پتہ ہوتا ہے کہ دوسرا کیا سوچ رہا ہے۔ مجھے اگر کوئی اپنی پسند کا دشمن چننے کے لیے کہے تو میں یاور حیات کا نام لوں گا کیونکہ اچھے دوست تو مل جاتے ہیں مگر اچھا دشمن کہاں ملتا ہے۔ یاور بڑا مخلص دشمن ہے' دشمنی ختم نہیں کرتا شاید اسی لیے دشمن کو ختم نہیں کرتا۔

○○○

• تھانیدار صحافی

دور سے تھانیدار قریب سے صحافی اور گھڑی پاس بیٹھ جائے تو کچھ بھی نہیں لگتا۔ آپ اسے الٹا ہو کر دیکھیں تو بڑا سیدھا سادہ آدمی ہے۔ اسے بچپن ہی سے صحافی بننے کا اس قدر شوق تھا کہ امتحان میں سب سے پہلے وہ سوال حل کرتا جس میں ہوتا کہ فلاں کی تعریف کرو۔ مصدقہ اطلاعات کے مطابق (یاد رہے مصدقہ اس کی مونث نہیں) ہر وقت ہوٹل ہلٹن میں رہتا ہے صرف اس وقت باہر آتا جب کھانا کھانا ہو۔ قمیض کی جیبیں اتنی بڑی کہ پیٹ بھرا ہوا ہو تو پھر بھی کھانے کی تقریبات میں شرکت کر سکتا ہے۔ دکھاوے کا بالکل قائل نہیں۔ اپنے آپ کو اس قدر چھپا کر رکھتا ہے کہ کیا مجال گفتگو اور حرکات سے پتہ چلنے دے کہ وہ پڑھا لکھا ہے۔ ہمارے ہاں صحافیوں کو اگر کچھ آتا ہے تو وہ صرف غصہ ہے۔ اسے یہ بھی نہیں آتا۔ ہنستا ہوا لگتا ہے پنجابی فلم کی ڈبنگ کرا رہا ہے یا کسی نے بے خیالی میں سکوٹر کو کک دے ماری ہے۔ آواز ایسی کہ ٹیلیفون کر رہا ہو تو دوسرا کہتا ہے یا ٹیلیفون بند کر دو تمہاری آواز پہنچ رہی ہے۔

اس نے لطیفوں کی کئی کتابیں لکھی ہیں۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے' یہ اس کا بڑا حوصلہ ہے کیونکہ اپنے بارے میں سچ لکھنا بڑا مشکل کام ہے۔ لکھتے وقت وہ کسی کا لحاظ نہیں کرتا یہاں تک کہ اپنا لحاظ بھی نہیں کرتا کہ لوگ کیا کہیں گے کیا لکھا ہے! خود اعتمادی اس قدر کہ ہر موضوع پر غلط رائے دے سکتا ہے۔ "آرٹس نامہ" لکھتا ہے جو اکثر مارشل آرٹس نامہ ہوتا ہے۔ ٹی وی پروگراموں پر تبصرے بھی لکھتا ہے بلکہ تبصرے ہی لکھتا ہے۔ ٹی وی والے اس کے اس قدر خلاف ہیں کہ ان کا بس چلے تو اسے دوبارہ وہی پروگرام دکھائیں۔

سارا دن دوسروں کو حال یوں پوچھتا پھرتا ہے جیسے عیادت کر رہا ہو۔ دن میں دس بار

اس سے ملو تو وہ ہر بار یوں ملے گا جیسے برسوں بعد مل رہا ہے اور برسوں بعد یوں ملے گا جیسے روز ملتا آ رہا ہے۔ ہر کسی کو برابری کی سطح پر ملتا ہے' یہاں تک کہ مانگنے والوں کو بھی برابری کی سطح پر ملتا ہے۔ اندر بیٹھا کسی سے گفتگو کر رہا ہو تو باہر والے سمجھتے ہیں اندر جلسہ ہو رہا ہے۔ سنجیدہ بات کرے تو لگتا ہے جھوٹ بول رہا ہے۔ کوئی بات اچھی لگے تو قہقہہ لگاتا ہے' اگر کوئی بات بری لگے تو پھر بھی قہقہہ لگاتا ہے۔ اسی لیے کبھی پتہ نہیں چلا کون سی بات اسے اچھی لگی کون سے بری۔

URDU4U.COM

وہ ایک کثیر القلت پرچہ بھی نکالتا ہے جس کا مدیر' رائٹر' پروف ریڈر' ہاکر یہاں تک کہ اس کا دفتر بھی وہ خود ہی ہے۔ اس پرچے پر زیادہ سے زیادہ پرچہ ہی کیا جا سکتا ہے۔ کہتا ہے میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ صحیح کہتا ہے پرچوں میں بھرا بریف کیس اٹھا اٹھا کر اس کے ہاتھ لمبے ہو گئے ہیں۔

خوش مذاق ہے یعنی خود ہی مذاق کرتا ہے اور خود ہی خوش ہوتا ہے۔ باتیں کرتے وقت ہاتھ ملتا رہتا ہے اور ہاتھ ملنے کی رفتار سے پتہ چلتا ہے کہ وہ لڑکی سے باتیں کر رہا ہے یا لڑکے سے۔

لڑکیوں کو یوں دیکھتا ہے جیسے آنکھوں سے ان کا ایکسرے کر رہا ہو۔ لڑکی دیکھتے ہی اس کا دل بے عزت ہونے کو چاہنے لگتا ہے اگر وہ کسی لڑکی کو آواز دے اور وہ نہ آئے تو سمجھ لیں لڑکی نے اس کی آواز سن لی ہے۔ شادی شدہ عورتوں کے ساتھ یوں Behave کرتا ہے جیسے کسی مس کے ساتھ کرتا ہے یعنی مس بی ہیو کرتا ہے۔ آج تک میں نے ایسی عورت نہیں دیکھی جسے وہ ناپسند کر سکے۔ جیسے ڈاکٹروں کو تندرست آدمی اچھے نہیں لگتے صحافیوں کو نارمل حالات اچھے نہیں لگتے لیکن اسے دوسروں کو نارمل دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ چلو دوسرے تو نارمل ہیں۔

اس کا سکوٹر اس کا ہم راز و ہم آواز ہے۔ سکوٹر ساتھ نہ ہو تو لگتا ہے گھر سے ننگا ہی نکل آیا اور اگر وہ راستے میں خراب نہ ہو تو گھبرا کر دیکھنے لگتا ہے کہیں یہ کسی اور کا تو نہیں۔ اس پر یوں بیٹھتا ہے جیسے گھوڑے پر بیٹھا ہو' اسے بریکوں کی بجائے

پاؤں سے روکتا ہے۔ اسی لیے اگر کہے کہ وہ بریکیں ٹھیک کرانے جا رہا ہے تو سمجھ لیں جوتوں کو تلوے لگوانے جا رہا ہے۔

URDU4U.COM

اپنے سارے کام خود کرتا ہے یہاں تک کہ اپنی تعریف بھی خود ہی کرتا ہے۔ البتہ دوستوں کو سستی شہرت دیتا ہے جو انہیں مہنگی پڑتی ہے۔ زندگی یوں بتا رہا ہے جیسے کسی اور کی ہو۔ اپنے گھر اتنی مدت کے بعد جاتا ہے کہ گھر والے دروازہ کھول کر پوچھتے ہیں' جی! کس سے ملنا ہے؟ خوشحال ہے یعنی حال پر خوش ہے۔ کسی کا برا نہیں سوچتا۔ اگر کسی کا برا کرے تو یقین کر لیں سوچنے والا پیچھے کوئی اور ہے۔

کھیلوں میں اسے ہارنا سب سے اچھا لگتا ہے۔ میرے نزدیک ہارنے والا جیتنے والے سے کہیں زیادہ قابل احترام ہے کہ جیتنے والا دوسرے کو دکھ دیتا ہے جبکہ ہارنے والا دوسرے کو خوشیاں۔ یہ اس کی شخصیت کا وہ روشن پہلو ہے جس کی روشنی میں مجھے دور دور تک کوئی نظر نہیں آتا۔ وہ کیرم کھیلتا ہے شطرنج اس لیے نہیں کھیلتا کہ اس میں سوچنا پڑتا ہے اور کیرم میں اس کی ساری کوشش مخالف کو جتانے کی ہوتی ہے کیونکہ وہ دوسروں کو خوش دیکھنا چاہتا ہے اپنی جیت پر خوش ہوتے تو میں نے ہر کسی کو دیکھا ہے اپنی ہار پر خوش ہوتے صرف اسی کو دیکھا ہے جو دوسرے کی خاطر ہار سکتا ہے اس سے اچھا دشمن کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ بڑے مقدر والے ہیں جن کا ایسا دشمن ہے۔

○○○

• مسٹر "میں اور آپ"

محمد سلیم طاہر کا اردو ٹی وی پروگرام "میں اور آپ" جسے آپ پنجابی میں "تو تو میں میں" کہہ لیں' اپنی مثال آپ ہے۔ یہی نہیں محمد سلیم طاہر کا یہ بھی ریکارڈ ہے کہ وہ پی ٹی وی کا سب سے معمر بچہ ہے اسی لیے بڑی عمر کی عورتوں کے پاس زیادہ خوش رہتا ہے۔

URDU4U.COM

حلیہ ایسا کہ دو تین سال اور نائی سے اس کے تعلقات ایسے رہے تو اجمل نیازی لگنے لگے گا۔ وہ آج بھی کلاس روم سے بھاگا اسٹوڈنٹ لگتا ہے حالانکہ اسے ایکس اسٹوڈنٹ ہوئے اتنی دیر ہو گئی ہے کہ اب تو آپ اسے ڈبل ایکس سٹوڈنٹ کہہ سکتے ہیں۔

چال ایسی کہ لگتا ہے کوئی عورت مردانہ چال چلنے کی کوشش کر رہی ہے۔

ٹی وی اسٹیشن کے باہر اس قدر خلوص اور محبت سے ملتا ہے کہ دوسرے کو یقین ہو جاتا ہے کہ اسے نوکری سے نکال دیا گیا ہے۔ ٹی وی اسٹیشن اپنے کمرے میں کم اور اپنے آپ میں زیادہ رہتا ہے حالانکہ اکثر پروڈیوسر کمرے میں زیادہ اور اپنے آپ میں کم رہتے ہیں۔

اینٹ کا جواب پتھر سے دیتا ہے یعنی آپ ایک شعر سنائیں تو وہ پوری نظم سنائے گا لیکن اتنے اچھے طریقے سے سناتا ہے کہ اتنے اچھے طریقے سے وہ چپ بھی نہیں رہ سکتا۔ جس موقع پر دوسرے ملازمین کو کھری کھری سناتے ہیں یہ اس موقع پر بھی انہیں اپنی نظم ہی سناتا ہے۔ جب بھی عورتوں سے ملتا ہے شعر ہی سناتا ہے اسی لیے وہ اسے مرد کم اور شاعر زیادہ سمجھتی ہیں۔

بے تکلف دوستوں سے گفتگو کرتے وقت گالیوں کا استعمال کرتا ہے اور گالی کی گہرائی سے پتہ چلتا ہے دوسرا اس کا کتنا گہرا دوست ہے۔ اگر کسی دوست کے ساتھ عزت

سے پیش آئے تو اسے شک ہونے لگتا ہے کہ اس نے مجھے پہچانا ہی نہیں۔
بہت اچھا مقرر ہے اسی لیے گفتگو کم اور تقریر زیادہ کرتا ہے۔ میں نے کسی لڑکی کو
URDU4U.COM
اس سے زیادہ باتیں کرتے نہیں دیکھا۔ ہمیشہ اس کی باتیں سنتے ہی دیکھا ہے۔ کوئی
اس سے زیادتی کر جائے تو خاموش ہو جاتا ہے شاید اسی لیے اپنی شاعری کی تعریف بڑی
خاموشی سے سنتا ہے۔
وہ اس قدر حساس ہے کہ اس بات پر بھی پریشان ہو جاتا ہے جسے دوسرے بات ہی نہیں
سمجھتے دوستوں کے معاملے میں بڑا محتاط ہے یعنی کوشش کرتا ہے وہ اس سے بہتر نہ
ہوں اسی لیے مجھے بھی اپنا دوست کہتا ہے۔
وہ نیک آدمی نہیں کیونکہ وہ سرعام نیکی نہیں کرتا۔ جانتا ہے انسان خطا کا پتلا ہے اسی
لیے سارا دن اپنے آپ کو انسان ثابت کرنے میں لگا رہتا ہے بڑے سوچ سمجھ کر
غلط فیصلے کرتا ہے دوسروں کے فائدے کے لیے اتنی دوڑ دھوپ کرتا ہے کہ انہیں شک
ہونے لگتا ہے کہ یہ اس معاملے میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہا ہے؟
دوسروں کو خوش کرنے کے لیے ایسی حرکتیں کرتا ہے جن سے وہ ناراض ہو جاتے ہیں
اکثر کاموں میں اس وجہ سے تاخیر کر دیتا ہے کہ کہیں تاخیر نہ ہو جائے۔ کسی کو
بددعا نہیں دیتا کیونکہ جسے بد دعا دیتا وہ ترقی کر جاتا ہے کسی پر احسان بھی یوں کرتا
ہے جیسے اپنے آپ پر کر رہا ہے۔ اس کی نظمیں منی سکرٹ کی طرح ہیں۔ اتنی تفصیلی
کہ موضوع کو Cover کر سکیں اور اتنی مختصر کہ لوگوں کو ہلنے نہ دیں۔
اس قدر چالاک ہے کہ اسے پتہ ہے وہ چالاک نہیں حالانکہ ہمارے ہاں لوگ اس قدر
احمق ہیں کہ خود کو چالاک سمجھتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی خوشیوں پر خوش ہو ہو کر اس کی
یہ حالت ہو گئی ہے کہ بڑی خوشی مل جائے تو پریشان ہو جاتا ہے۔
محمد سلیم طاہر اس قدر بزدل ہے کہ کوئی اس پر وار نہیں کر سکتا۔ اکثر اپنی بزدلی چھپانے
کی کوشش میں بہادری کر جاتا ہے اور پھر ڈرتا رہتا ہے کہ یہ میں نے کیا کر دیا۔

اسے اپنے آپ سے ڈر لگتا ہے اسی لیے وہ دوسروں کے درمیان رہتا ہے مگر پھر بھی اکیلا ہے۔

○○○

- **شہید اردو**

اس سے میری ہمیشہ ایسے ہی ملاقات ہوتی ہے جیسے موت ہوتی ہے یعنی اچانک۔ وہ جس سے خوش ہو اسے دن میں ایک بار ضرور ملنے آتا ہے۔ جس سے ناراض ہو اسے ایک بار سے زیادہ ملنے لگتا ہے۔ اگر کوئی اچھے طریقے سے پیش آئے تو اس وقت تک اس کا پیچھا کرتا ہے جب تک وہ طریقے سے پیش نہ آئے۔ آتا ہوا اچھا اور جاتا ہوا بہت اچھا لگتا ہے۔

URDU4U.COM

دیکھنے میں ایسا ہی ہے جیسے ایسے لوگ ہوتے ہیں۔ چہرے پر نظر کی عینک لگی ہو تو لگتا ہے عینک نہیں نظر لگی ہوئی ہے۔ دور کی نظر ایسی کہ عینک کے بغیر دور تک سوچ بھی نہیں سکتا۔ لیکن بقول اس کے اللہ کی کرم فرمائی کے ساتھ مجھ کو بھی کافی حسن مردانہ دیا گیا ہے یعنی سرخ و سفید رنگتا' اکہرا بدن' سنہرے بال' غلافی آنکھیں' لانبے ہاتھ پاؤں اور ہاتھ کی انگلیاں پتلی' کتابی چہرہ' ستواں ناک' پتلے سرخ ہونٹ' میٹھے لہجے والی زبان وغیرہ وغیرہ۔ پھر بھی طبیعت نہایت سادہ مخلص ہمدرد ملنسار اور سچے دل سے ہر چرند پرند' انسان اور فرشتے وغیرہ سے محبت کرنے والی عطا کی۔ بچپن سے لے کر جوانی تک مجھے عوام کی اکثریت انگریز یا پٹھان کا بچہ سمجھتی تھی۔ شاید اسی لیے وہ اپنی برتھ ڈے پر انگریزوں اور پٹھانوں کو مبارکباد دیتا ہے۔

پورے ایشیا کو اپنا گھر سمجھتا ہے اور گھر کو پورا ایشیا۔ بہت مشہور ہے۔ آپ اس کی گلی میں کسی سے پوچھ لیں' سب جانتے ہیں افتخار ایشیا کون ہے۔ بقول عطاء الحق قاسمی' ڈاکٹر فضل الرحمٰن لاہوری' افتخار ایشیا مجاہد اردو وغیرہ وغیرہ جیسے دانا بلکہ دانے بہت کم تعداد میں ہیں۔ کہتا ہے' میرے سولہ محبوب ہیں۔ اس کی حالت دیکھ کر تصدیق ہو جاتی ہے۔ جو اسے ایک بار مل جائے بھول نہیں سکتا۔ بھولنے کے لیے اس سے بار بار ملنا ضروری ہے۔

وقت کا اس قدر پابند کہ تقریبات میں عین اس وقت پہنچے گا جب کھانا شروع ہونے لگے۔ دوران کھانا پلیٹ اور پیٹ کے درمیان کوئی آئے تو مجاہدانہ انداز میں اسے پرے کر دے گا۔ پلیٹ ہمیشہ ہاتھ میں رکھے گا۔ ایک بار اس نے میز پر رکھ دی تو تقریب کے شرکا پلیٹ کو ڈونگا سمجھ کر اس سے بوٹیاں لینے لگے۔ اکثر محبوب کے حسن کو تشبیہ بھی کھانے والی چیزوں سے دیتا ہے۔ جیسے اس کا لہجہ رس ملائی جیسا میٹھا ہے۔ یہی نہیں وہ تو محبوب کو دیکھتا بھی یوں ہے جیسے کھانے والی چیز کو دیکھ رہا ہو۔

خود کو گلوکار بھی کہتا ہے۔ اس کے جاننے والے اس کی غلو کاری سے بہت محظوظ ہوتے ہیں۔ خاص کرکے اس وقت جب وہ داد لینے کے لیے رکتا ہے۔ لفظوں کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے جو لوگ اس کے ساتھ کرتے ہیں۔ لہجہ ایسا کہ پھول کہے تو لگتا ہے' فول کہہ رہا ہے۔ بولتا ہوا لگتا ہے لفظوں کے غرارے کر رہا ہے۔

پیدائشی ڈاکٹر ہے' یعنی ڈاکٹری کے بارے میں اس کا اتنا ہی علم ہے جتنا پیدائش کے وقت تھا۔ بچپن ہی سے اس کو بڑا بننے کی خواہش تھی۔ اب تو ماشاء اللہ بڑا ہو گیا ہے۔ پچاس سے اوپر کا ہے۔

ہر جگہ کو مسجد ہی سمجھتا ہے۔ یعنی اپنے جوتے سنبھال سنبھال کر رکھتا ہے۔ کیونکہ ہمارے ہاں مسجد میں جوتے آگے رکھیں تو نماز نہیں ہوتی' پیچھے رکھیں تو جوتے نہیں ہوتے۔

محبت کے بارے میں ہمیشہ اس کا یہ نظریہ رہا کہ جس کے ساتھ عشق و محبت کرو اسی سے شادی کرو اور اس کی کبھی اپنے محبوب سے شادی نہ ہو سکی۔ جس کی شاید وجہ یہ ہو کہ اس کے محبوبوں کا بھی یہ نظریہ ہو۔ کہتا ہے کوشش کی جائے تو بندہ ہر لڑکی سے عشق کر سکتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے بشرطیکہ یہ کوشش لڑکی کی ہو۔ کو ایجوکیشن کو بھی کوہ مری کی طرح تفریحی مقام سمجھتا ہے۔

سائیکل چلاتے ہوئے ملکی مسائل پر سوچ بچار کرتا ہے۔ اور سائیکل کی رفتار سے پتہ چلتا ہے وہ کس تیزی سے سوچ بچار کر رہا ہے۔ ہر کام کا نتیجہ الٹ ہونے لگے اور حکومت ڈولتی نظر آئے تو اتر کر سائیکل کا ہینڈل سیدھا کر لیتا ہے۔ اور ملکی حالات نارمل ہو

جاتے ہیں۔ ہر وقت ملک اور قوم کی خدمت کے لیے تیار رہتا ہے۔ واسکٹ ساتھ رکھتا ہے۔ کہتا ہے' واسکٹ کے بغیر پاکستان کا سربراہ مملکت ذرا نہیں جچتا۔ کالجوں میں داخلوں کے بارے میں کہتا ہے مجھے وزیر داخلہ بنا دیا جائے میں سارے مسئلے حل کر دوں گا۔

URDU4U.COM

نام فضل الرحمٰن ہے جس کا آسان اردو ترجمہ ہے' یا اللہ فضل۔ لوگوں سے اس قدر پیار کرتا ہے کہ ہر شخص اس کا محبوب ہے یعنی اس کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے جو اردو شاعری میں محبوب عاشق سے کرتا ہے۔ وہ تحت اللفظ' ترنم' مجاہدانہ اور پتہ نہیں کن کن انداز میں بولتا ہے۔ اور اندازے سے سنتا ہے۔

جتنی محنت سے اس نے اپنی کتابوں کے دیباچے لکھوائے ہیں اتنی محنت شاید ہی کسی نے کی ہو۔ دیباچہ نگار گھنٹوں اس سے انتظار کرواتے اور جتنی دیر میں دیباچہ لکھ کر لاتے ہیں' یہ بیٹھے بیٹھے نیا ناولٹ لکھ لیتا۔ بہرحال اس کی کتابوں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ جلد ختم ہو جاتی ہیں۔

اس کی کتاب "زندگی" پڑھ کر عطاء نے اس کا نام شرمندگی رکھنے کا مشورہ دیا تھا۔ حالانکہ اس کا نام زندگی ہی ٹھیک ہے کیونکہ یہ زندگی کی ہی طرح ہے یعنی بغیر کسی پلاٹ کے اور بے اختیار اچانک ختم ہو جاتی ہے۔ اس نے لکھنے کے بعد اس کا نام زندگی مجموعہ افسانہ ہائے رکھا۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے اگر پڑھنے کے بعد رکھتا تو مجموعے کا نام زندگی مجموعہ افسانہ ہائے ہائے ہوتا۔

کہتا ہے میں نے بچپن ہی سے لکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس کی تحریریں پڑھ کر ایسا ہی لگتا ہے۔ دنیا کا وہ کام بھی کر لیتا ہے جو پوری دنیا میں کوئی اور نہیں کر سکتا۔ یعنی اپنا لکھا ہوا پڑھ لیتا ہے۔ وہ تو کاتب کے انتخاب میں بھی احتیاط کرتا ہے کہ کاتب ایسا ہو کہ اس کا لکھا ہر ایرا غیرا نہ پڑھ سکے۔

اس نے اردو ادب کا جمود سے نکالنے کے لیے بڑا متحرک ہو کر لکھا۔ سائیکل چلاتے ہوئے' گورنمنٹ ٹرانسپورٹ کی بس میں' ویگن میں' ہر مشکل سے جگہ پر اس نے مجاہدانہ انداز

سے لکھا۔ اگر وہ یہی مشقت کرتا رہا تو وہ دن دور نہیں جب وہ مجاہد اردو سے شہید اردو ہو جائے گا۔

○○○

• چار کا ٹولہ

چار کے ٹولے میں یہی بات مشترک ہے کہ سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ان چاروں میں اس قدر اتفاق ہے کہ بس اتفاق ہی سے اکٹھے ہوتے ہیں۔ ان میں علی اکبر عباس' نذیر ناجی سے چھوٹا' علی اصغر عباس سے بڑا اور رضا سہیل سے بہت بڑا ہے۔ چاروں بھائیوں نے والد سے سوائے ذہانت کے کچھ نہیں لیا اور دیا بھی کچھ نہیں۔ سب نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کام دکھایا۔ علی اکبر ایک بار الیکشن ہارا تو علی اصغر دو بار اور رضا سہیل مزید اور بار۔ ان میں نذیر ناجی کا تعلق بائیں بازو' علی اکبر کا دائیں بازو سے جبکہ علی اصغر عباس دائیں بائیں ہو جاتا ہے تاہم رضا سہیل کا تعلق بازوؤں سے نہیں بانہوں سے ہے۔

رضا سہیل نر بچہ ہے۔ علی اصغیر نرا بچہ ہے اور نذیر ناجی بوڑھا بچہ ہے۔ جبکہ علی اکبر عباس کا ابھی پتہ نہیں چلا وہ بچہ ہے' جوان ہے یا بوڑھا۔ وہ ہر عمر کے لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ جس عمر کے لوگوں کے ساتھ بیٹھتا ہے۔ انہی کی عمر کا لگتا ہے۔ علی اکبر کا پیٹ عمر اور سائز میں علی اصغر سے بڑا ہے جبکہ نذیر ناجی اور رضا سہیل پیٹ کے ہلکے ہیں۔

نذیر ناجی اس قدر مذہبی ہے کہ جو بھی غلام مصطفیٰ نظر آئے وہ کہیں کا بھی ہو اسی کے پیچھے چلنے لگتا ہے۔ اندر سے بھی ویسا ہی ہے۔ اس کا غصہ خالص ہوتا ہے یعنی بلا وجہ صرف اس وقت غصے میں نہیں ہوتا جب دوسرا غصہ میں ہو۔ جو اس کی عزت کرنا چاہیں اس سے ملنا بند کر دیتے ہیں اور جس سے یہ تعلق ختم کرنا چاہے اسے روز ملنے لگتا ہے۔

رفیق ڈوگر کی طرح لٹھ بردار صحافی ہے' مگر ڈوگر لٹھ قارئین کے سر میں مارتا ہے جبکہ یہ موضوع کے سر میں۔ منو بھائی شخصیات پر اچھے کالم لکھتا ہے۔ وہ آپ پر بھی اچھا

کالم لکھ سکتا ہے۔ اور یہ آپ پر منحصر ہے کہ وہ اچھا کالم کب لکھے' کیونکہ وہ اچھا کالم صرف مرحومین پر لکھتا ہے۔ لیکن نذیر ناجی کالم لکھنے کے لیے کسی کے مرنے کا انتظار نہیں کرتا۔ یہ کام اس کا کالم خود ہی کر لیتا ہے۔ اس نے زندگی ایسے گزاری کہ اس پر زیادہ سے زیادہ چار حروف ہی کہہ سکتے ہیں مگر اس کے کالموں پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ اس نے خود اپنے آپ کو پالا یوں وہ اپنی ہی صحبت میں رہ کر خراب ہو گیا۔ ناجی ہمیشہ ناں جی ہی میں رہا کبھی ہاں جی نہ ہوا۔ اس کی شخصیت کا پازیٹو پہلو یہ ہے کہ اس کے خون کا گروپ O+ ہے۔

وہ خود تو سعادت مند بیٹا نہ بن سکا مگر اس کے بچوں نے اسے سعادت مند باپ ضرور بنا دیا۔ کہتے ہیں جوانی میں آدمی سوچتا سمجھتا نہیں' عمر ڈھلتی ہے تو سوچتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں اور بڑھاپے میں یہ سمجھتا کہ سوچنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ نذیر ناجی بیک وقت ان تینوں مقاموں پر مقیم ہے۔

علی اکبر عباس چار کے ٹولے میں دو نمبر ہے۔ اس کے لیے دوسروں کو بے عزت کرنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا اپنی عزت کرانا۔ تخلیقی آدمی ہے اس کی تمام چیزیں اوریجنل ہوتی ہیں یہاں تک غلطیاں بھی۔ مگر وہ کبھی غلط کام نہیں کرتا' کیونکہ غلطی کے بعد کہے گا میں نے تو تجربہ کیا تھا تا کہ جو اصل کام کرنا چاہتا ہوں اس میں غلطی نہ ہو۔ غصہ پی جاتا ہے مگر اسے پیتے وقت منہ ایسا ہی بناتا ہے جیسا ایک شریف آدمی حرام چیز پیتے وقت بنا سکتا ہے۔ شہرت ایسی کہ منہ بھی دھو رہا ہو تو لوگ کہتے ہیں' وضو کر رہا ہے۔

اس قدر گرم جوشی سے ملتا ہے کہ بندے کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ بھی حلقہ ارباب ذوق کی الیکشن کمپین پر نکلا ہے۔ نمایاں ہونے کا شوق ہے۔ اس کا اندازہ اس کے دوستوں کو دیکھ کر ہو جاتا ہے۔ ان کی عمریں بھی ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے ساتھ ٹی ہاؤس میں داخل ہو تو بندہ سمجھتا ہے کوئی سکول ماسٹر لڑکوں کو شاعر دکھانے لایا ہے۔ وہ اسے دوست نہیں بلکہ علی بھائی کہتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ دوست تو بندہ

اپنی مرضی سے بناتا ہے۔ یہ بھی انہیں اپنے چھوٹے بھائی ہی سمجھتا ہے۔ یعنی جب دل چاہے بلا وجہ ڈانٹ لیتا ہے۔ ساری زندگی اگر وہ کسی سے لڑا ہے تو یقین کر لیں الیکشن ہی لڑا ہو گا۔ وہ تو دشمن سے بھی ملنے جائے تو جیب میں صرف پستول کا لائسنس ہی لے کر جائے گا۔ کسی کو آنکھ نہیں دکھاتا' بلکہ اسے تو خود بھی اپنی آنکھیں ڈھونڈ کر دیکھنا پڑتی ہیں۔

جن لوگوں نے کئی برس پہلے علی اکبر عباس کی کتاب "بر آب نیل" پڑھی وہ کہتے ہیں "در نگاہ سے" پہلی کتاب کی نسبت جلدی سمجھ میں آ جاتی ہے۔ جس کی وجہ مجھے تو یہ لگتی ہے کہ وہ لوگ اتنے برسوں میں سیانے اور سمجھ دار ہو گئے ہیں۔ علی اکبر عباس نے اپنی تازہ کتاب میں شامل کرنے کے لیے غزلوں اور نظموں کا انتخاب امجد طفیل کی سربراہی میں ایک پانچ رکنی کمیٹی کے سپرد کیا اور جو غزلیں کمیٹی کی سمجھ میں آ گئیں وہ اس نے رکھ لیں اور باقی کتاب میں شامل کر لیں۔

اس کی شاعری ادب کے لیے ہی نہیں صحت کے لیے بھی مفید ہے۔ اس کے بعض مصرعے پڑھ کر تو بندے کی وہی حالت ہوتی ہے جو سو میٹر کی ریس جیتنے کے بعد۔ مثلاً اس کا ایک مصرع ہے۔

"گونگوں بہروں کی بستی میں پیدا ہونے والے بچے بولنا سیکھیں گے"

حالانکہ مصرع اتنا لمبا ہے کہ مصرع ختم ہونے سے پہلے ہی پیدا ہونے والے بچے بولنا سیکھ لیتے ہیں۔ شعر چھپ کر لکھتا ہے۔ حالانکہ اکثر شاعروں کو یہ کچھ شعر لکھنے کے بعد کرنا پڑتا ہے۔ کہتے ہیں اس کے سر کے بال آدھے سفید ہیں مگر مجھے آج تک اس کا پتہ نہیں چلا کیونکہ جب وہ دوستوں سے ہنسی مذاق کرتا ہے تو اس کے سارے بال سیاہ ہوتے ہیں اور جب کوئی پیارا مصیبت میں ہو تو اس کا سارے کا سارا سر سفید ہوتا ہے۔

وہ اپنی تعریف کے لیے کس کا محتاج نہیں خود ہی کر لیتا ہے' یوں بھی اس کی شاعری پر سب سے معتبر رائے اسی کی ہو سکتی ہے کہ اس سے زیادہ تو اسے کسی نے نہیں

پڑھا۔

علی اصغر عباس چھوٹے میاں ہے۔ یاد رہے چھوٹے میاں Small Husband کو نہیں کہتے۔ تاہم یہ ہفتے میں چھ دن شوہر اور ایک دن شاعر ہوتا ہے۔ لیڈری کا شوق ہے اور اس میں ہمیشہ سب سے آگے رہا۔ اتنا آگے کہ دور دور تک اس کے پیچھے کوئی نہیں ہوتا۔ شکل و صورت ایسی کہ اپنے بھائیوں میں بیٹھا ہو تو خوبصورت لگتا ہے۔ شاید اسی لیے وہ اس کے پاس نہیں بیٹھتے۔ ہنستے ہوئے یوں لگتا ہے جیسے یکدم پھولے غبارے سے ہوا نکل جائے۔ اسے ہنسنے کے لیے کسی بات کی نہیں بس ایک شخص کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کے ہاتھ پر ہاتھ مار سکے۔

چھوٹی عمر کے لڑکوں کے پاس بیٹھ کر اسے وہی خوشی ہوتی ہے جو بڑی عمر کے لڑکوں کو اس کے پاس بیٹھ کر ہوتی ہے۔ پکے رشتے بناتا ہے اسی لیے دوستوں سے زیادہ دشمن بناتا ہے کیونکہ آج کل یہی سب سے پکا رشتہ ہے۔ دوستوں سے یوں ملتا ہے کہ دیکھنے والے چھڑانے کو دوڑتے ہیں۔ دوستوں کی خامیوں کی بجائے ان کی خوبیاں تلاش کرتا ہے۔ اس کے دوست ہیں بھی ایسے کہ ان کی خوبیاں واقعی تلاش کرنا پڑتی ہیں۔ دوسروں کے بارے میں وہی رائے رکھتا ہے جو لوگ اس کے بارے میں رکھتے ہیں۔ دوستوں میں پانچ منٹ سے زیادہ مہذب نہیں بیٹھ سکتا ہے۔ اور دشمنوں میں پانچ منٹ سے زیادہ بیٹھ نہیں سکتا۔ بہت اچھا مقرر ہے۔ اس لیے ایک آدمی سے بھی یوں بات کرتا ہے جیسے اجتماع سے خطاب کر رہا ہو۔

رضا سہیل کی حرکات نذیر ناجی کی اور سکنات علی اکبر کی ہیں۔ بچوں سے اس قدر پیار کرتا ہے کہ جس بچے کو اٹھا لے اس کا باپ اپنی بیوی کو شک سے دیکھنے لگتا ہے۔ کوئی حرام چیز نہیں پیتا اسی لیے غصہ نہیں پیتا۔ ہر وقت اپنی ملازمت کا استعفیٰ ساتھ رکھتا ہے۔ کہ کہیں کبھی غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ غلطی سنگین بھی ہو سکتی ہے' اس لیے بھرا ہو نکاح نامہ بھی ساتھ رکھتا ہے۔

کہتا ہے کسی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے ملنے کے بعد آپ بھی مان جائیں

گے۔ وہ جرنلزم کا ونڈر بوائے ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو آگ لینے جاتے ہیں اور پیغمبری لے کر لوٹتے ہیں۔ بات دل میں نہیں دماغ میں رکھتا ہے بلکہ وہ تو رہتا بھی میں ہی ہے۔

URDU4U.COM

کپڑے دھونے کا شوق ہے اکثر کپڑے آدمی سمیت دھو ڈالتا ہے۔ اچھا لباس پہنتا ہے' یعنی وہ لباس جو اسے اچھا لگے۔ دوسروں کو چاہے وہ لباس بھی نہ لگے۔ گفتگو صحافیوں والی کرتا ہے یعنی اس میں لفظ کم اور دھمکیاں زیادہ ہوتی ہیں۔ عورتوں کے تمام کام اور مردوں کے کام تمام کرتا ہے۔ لڑکیوں سے دوستی وہاں سے شروع کرتا ہے جہاں سے دوسرے چھوڑ دیتے ہیں۔ اس لیے پتہ نہیں چلتا شروع کر رہا ہے یا ختم کر رہا ہے۔

اگر آپ اس کے دوست ہیں تو خوش قسمت ہیں کیونکہ وہ دوستوں سے کوئی توقع نہیں رکھتا اور اگر وہ آپ کا دوست ہے تو آپ بد قسمت ہیں کیونکہ وہ کسی توقع پر پورا نہیں اترتا۔

○○○

• خند مقرر

مقرر وہ ہوتا ہے جسے زیادہ سے زیادہ الفاظ میں کم سے کم کہنے پر مقرر کیا گیا ہو۔ اگرچہ ہماری اب تک کی پسندیدہ تقریر فنکشنل مسلم لیگ کے ایک رہنما نے کی تھی جو انہوں نے کھانے کی تقریب کے بعد کی۔ وہ کھڑے ہوئے اور ہوٹل والوں سے کہا "بل لاؤ" اس کے باوجود ہمیں وزیر تعلیم ریاض فتیانہ صاحب کی تقریر سن کر ہمیشہ خوشی ہوئی' بالخصوص اس وقت جب انہوں نے تقریر ختم کی۔ ایسی تقریر کرنے کے لئے ہی ریاض کی ضرورت نہیں' سننے کے لئے بھی بڑا ریاض چاہیے۔ ایک تقریب میں کچھ مزاحیہ فنکار لوگوں کو ہنسا رہے تھے۔ کچھ دیر بعد منتظم ریاض فتیانہ صاحب کے پاس آئے اور کہا "جناب آپ کی تقریر شروع کرائی جائے یا لوگوں کو کچھ دیر اور محظوظ ہو لینے دیں۔" پچھلے دنوں ایک ایسی ہی تقریب میں انہوں نے کہا "بچوں کو تعلیم نہ دلوانے والے والدین کو فائن ہو گا۔" اگرچہ ان کا چہرہ ایسا ہے کہ وہ فائن کا کہہ رہے ہوں' تب بھی دوسرا یہی سمجھتا ہے کہ وہ فائن کہہ کر حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ وہ جب زیر تعلیم تھے تو تعلیم کو زیر کرنے میں لگے رہتے۔ دل لگا کر تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے تعلیم مزید سستی کرنے کا وعدہ کیا ------ پہلے تو ایم بی بی ایس کی ڈگری تین ہزار میں بکتی تھی' اب مزید سستی ہو جائے گی۔ بنگلہ دیش نے پچھلے دنوں اعلان کیا تھا کہ جس کا بچہ سکول جائے گا' اسے دس سیر چاول ماہانہ ملیں گے۔ یوں وہاں لوگوں میں بچوں کو تعلیم دلوانے کا اتنا شوق ہوا کہ ایک مولوی صاحب نے کہا' ماشاء اللہ پانچ من چاول ماہانہ سکول سے آ جاتے ہیں۔ اس برس مزید دس سیر چاولوں کے اضافے کی توقع ہے۔

عوام دو طرح کے ہوتے ہیں' ایک غریب اور دوسرے وہ جو امیر نہیں ہوتے۔ غریب امیروں کی ملکیت ہوتے ہیں کیونکہ انہیں خدا نے نہیں' امیروں نے بنایا ہوتا ہے۔

سکول میں ایک بار ٹیچر نے ہم سے پوچھا۔ "رابن ہڈ صرف امیروں کو ہی کیوں لوٹتا تھا؟" تو ہم نے کہا "غریبوں کے پاس ہوتا ہی کیا ہے جسے وہ لوٹتا۔" غریبوں کے قدرتی وسائل اور مسائل بچے ہی ہوتے ہیں۔ بنگلہ دیش میں ڈبلیو ایچ او کے ایک عہدیدار نے ایک شخص سے پوچھا "آپ کی کوالیفکیشن کیا ہے؟" کہا "ایف ایس سی" بیٹے سے پوچھا' اس نے کہا "بی ایس سی" ماں سے پوچھا' اس نے کہا "ایم ایس سی" وہ خوش ہوا کہ یہاں خواندگی کی شرح اتنی ہے۔ بعد میں پتہ چلا کہ اس سے مراد تھا۔ فادر آف سیون چلڈرن' برادر آف سیون چلڈرن اور مدر آف سیون چلڈرن۔

سات بھائیوں والے ایک امریکی مزاح نگار کا واقعہ ہے' ایک صحافی نے کہا "وہ صاحب کہتے ہیں تو ان کا سگا بھائی ہے' تم کہتے ہو' تمہارا اس کا دور کا رشتہ ہے؟" کہا "ہاں دور کا رشتہ ہے کیونکہ یہ میرا ساتواں بھائی ہے۔"

قدرت اللہ شہاب مرحوم روم گئے تو ان کی کار ایک دوست ڈرائیو کر رہا تھا۔ ایک گھنٹے کے بعد دوست نے کہا "شہاب صاحب مبارک ہو' آپ بچ گئے۔" مزید ایک گھنٹے بعد اس نے پھر کہا "شہاب صاحب مبارک ہو' آپ پھر بچ گئے۔" شہاب صاحب نے وجہ پوچھی تو بولا "اس لئے کہہ رہا ہوں کیونکہ یہاں ہر گھنٹے کے بعد ایک حادثہ ہوتا ہے۔" ہمارے ہاں بھی ہر گھنٹے کے بعد جو حادثہ ہوتا ہے' وہ ایک ناخواندہ فرد کا اضافہ ہے۔

محتاط اندازے کے مطابق سو سال بعد اتنی آبادی ہو جائے گی کہ ایک چارپائی پر سو سو آدمی سوئیں گے۔ اگرچہ ہمیں یہ غیر محتاط تخمینہ ہی لگتا ہے جیسے ایک ڈرائیور نے ایکسیڈنٹ کیا۔ اسے عدالت نے کہا "تم غیر محتاط ہو تمہیں ضرور سزا ملنی چاہیے۔" اس نے کہا "میں بڑا محتاط بندہ ہوں مجھ پر رحم کریں میرے سات چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ------" تو عدالت نے کہا "اس کے باوجود کہتے ہو کہ میں محتاط بندہ ہوں۔"

ہر روز دس ہزار پاکستانی بالغ ہو کر بے روزگار ہو رہے ہیں۔ جس تیزی سے لوگ بالغ ہو رہے ہیں۔ اس سے تو لگتا ہے کہ آئندہ چند سالوں میں سیاستدان' ادیب اور دانشور بھی بالغ ہو جائیں گے۔ ویسے ہم نے اپنی زندگی میں نابالغوں کا سب سے بڑا اجتماع

ان فلموں پر دیکھا جن پر لکھا تھا "صرف بالغوں کے لئے" کیونکہ اسمبلی اور مشاعروں میں ہم کبھی گئے نہیں۔

لیکن فائن کرکے ناخواندگی ختم کرنے کا جو طریقہ استعمال کیا گیا ہے' وہ ایسے ہی ہے جیسے اخبار میں یہ اشتہار چھپا تھا' کیا آپ ان پڑھ ہیں؟ آپ کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا؟ اگر ایسا ہے تو آپ ہمیں درج ذیل پتہ پر خط لکھیں' ہم آپ کی مدد کریں گے۔"

URDU4U.COM

○○○

• جانوروں کا ادب

ہمارے ہاں تو بچوں کا ادب نہیں' جانوروں کا ادب کیا ہونا ہے لیکن ایک نقاد کے بقول "کون کہتا ہے اردو میں بچوں کا ادب نہیں لکھا گیا' جتنا بچگانہ ادب ہمارے ہاں لکھا گیا ہے شاید کسی زبان میں لکھا گیا ہو۔" ویسے عورتوں کے ادب سے مراد اگر یہ ہے کہ عورتوں کا لکھا ہوا ادب تو اس حساب سے بچوں کے ادب سے مراد بچوں کا لکھا ہوا ادب ہوا۔ اس لحاظ سے تو ہمارا بیشتر ادب بچوں کا ادب ہی قرار پائے گا۔ ازبکستان کے دانشور ڈاکٹر تاش مرزا صاحب کی اردو دان کی بیٹی نگار مرزائف نے ہمیں بتایا تھا کہ روسی زبان میں باشنی ایک صنف سخن ہے جسے جانوروں کا ادب کہہ سکتے ہیں۔ اس میں جانور بولتے ہیں' واقعی جہاں انسانوں کو بولنے کی آزادی نہ ہو وہاں جانور ہی بولتے ہیں۔ فرانسیسی اداکارہ برشی بارودت جو جانوروں سے اتنی محبت کرتی ہے کہ اس کے خاوند نے صرف اس لئے طلاق لے لی تھی کہ یہ مجھ سے ان جتنی محبت کیوں نہیں کرتی؟ اس پر "برشی" نے کہا ہے جو جانوروں کا ادب نہیں کرتا' وہ جانور ہے۔

صاحب! جانور اور بچے والدین کی تربیت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ انہیں غصے پر قابو پانا سکھاتے ہیں۔ بچے ہمارے ہاں زیادہ اہم ہیں کیونکہ ان کے ہوتے ہوئے ماں باپ خود کو بوڑھا اور دادا دادی خود کو "ینگ" سمجھنے لگتے ہیں۔ پالتو جانوروں میں جو سب سے اہم ہیں' وہ گائے' کتا' بلی اور مچھر ہیں۔ آخر الذکر کو پالنے کے لئے تو ہمارے ہاں الگ سے محکمہ ہے جسے بلدیہ کہتے ہیں۔ ابن انشاء نے لکھا ہے' وہ پالتو جانور جو سب سے زیادہ اپنی مادہ کی خدمت اور دیکھ بھال کرتا ہے' اسے خاوند کہتے ہیں۔ ہمارے خیال میں تو جانور دو طرح کے ہوتے ہیں' پالتو جانور اور فالتو جانور۔ انسان کتے کا بہترین ساتھی ہے۔ انسان کتے کو دوست اس لئے رکھتا ہے کہ یہ زبان نہیں ہلاتا' دم ہلاتا ہے۔ الیگزینڈر پوپ نے ایک خط میں لکھا تھا کہ تاریخ جتنی کتوں کی وفا کی مثالوں سے

بھری ہے' اتنی انسانوں کی نہیں۔ ویسے اب کتے بھی بے وفا نکلنے لگے ہیں جس سے اندازہ لگا لیں کہ جانوروں پر انسان کی صحبت کا کتنا اثر ہوتا ہے۔ ایک سیانے کے بقول جانوروں میں یہ خوبی ہی کیا کم ہے کہ وہ سگریٹ نہیں پیتے اور فٹ بال میچوں کے دوران ایک دوسرے کو پیٹتے بھی نہیں۔ ڈارون کا نظریہ ارتقا تو یہ ہے کہ انسان جانور سے بنا ہے۔ اب تو مفکر یہ کہہ رہے ہیں' انسان جانور بنتا جا رہا ہے۔ بہرحال ڈارون کا نظریہ ارتقاء غلط ثابت کرنے کے لئے اتنا ہی ثبوت کافی ہے کہ ہمارے پہلے رہنما محمد علی جناح اور فاطمہ جناح تھے اور اب بے نظیر اور نواز شریف ہیں۔ ہماری جانوروں کے بارے میں معلومات تو ایسی ہی ہیں کہ ایک مدت تک ہم بھیڑ کو بھیڑیئے کی مونث سمجھتے رہے لیکن جب گھوڑے ابھی سیاست میں نہیں آئے تھے' تب بھی ہم گھوڑے کے پیچھے نہ چلتے تھے کہ گھوڑے اور دولت کی دولتی بڑی خطرناک ہوتی ہے۔ ہم اللہ کے فضل سے مسلمان ہیں اور ہمارے لئے وہی حلال ہے جسے حلال کر سکیں۔ کہتے ہیں ایک عام مسلمان زندگی میں ایک ہزار مرغیاں' پچاس بکرے اور ستر گائیں کھا جاتا ہے۔ دنیا کے بڑے شکاری زیادہ تر مسلمان ہی ہیں' اس لئے عمران خان ٹی وی پر اشتہار میں جب یہ بات کہتے ہیں "جنگلی حیات کو بچائیں" تو یوں لگتا ہے جیسے کہہ رہے ہوں "جنگلی حیات کو مجھ سے بچائیں" شکار دراصل شہ کار یعنی بادشاہوں کا کام ہے۔ شیر جب تک زندہ رہتا ہے' بادشاہ رہتا ہے اور بادشاہ جب تک شیر رہتا ہے' زندہ رہتا ہے۔ ازبک کہاوت ہے چربی صرف بھیڑ ہی کی ہلاکت کا باعث نہیں بنتی۔ ہم انسانوں کو یہ تو نہیں کہتے کہ وہ جانوروں پر بھروسہ کریں' جانوروں سے کہتے ہیں' وہ انسان پر بھروسہ کریں اور اس سے مایوس نہ ہوں۔ انسان کو اتنی سدھارنے کی ضرورت نہیں جتنی سدھانے کی ہے۔ انسان کو حیوان ظریف بھی کہتے ہیں' اس پر بھی حیوان ہنستے ہی ہوں گے۔ پالتو جانور جتنی جلدی ہماری بات سمجھ جاتے ہیں' اتنی جلدی ہم ان کی بات نہیں سمجھ سکتے جس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ جانور زیادہ ذہین ہیں یا پھر یہ ان کا تجربہ ہے کیونکہ تجربہ کار کتا خرگوش کو دیکھے بغیر بھی اس کا تعاقب کر سکتا۔ ہم یہ تو نہیں کہتے کہ

جانوروں سے محبت نہ کرنا کسی جانور کا ہی کام ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ جانوروں سے محبت کرنا کسی انسان کا ہی کام ہے البتہ ان کا ادب ہندوؤں کا کام ہے۔ ان کا تو گائے سے ہی رشتہ ہے جو گائے کا بچھڑے سے ہے۔ بندر نہ ہوتا تو ان کے بھگوان رام جی کو اپنی سیتا پتنی کی رہائی کے لئے سیتا پتی نہ ملتا۔ کالی بلی کے ہندو کی بیویوں پر بڑے احسان ہیں کیونکہ جتنا ہندو کو گھر سے باہر جانے سے بلی روکتی ہے' اتنا اس کی گھر والی نہیں روک سکتی۔ انگریز تو جانوروں کو گھر کا فرد ہی نہیں سمجھتے بلکہ خود کو جانوروں کے گھر کا فرد سمجھتے ہیں۔ انہوں نے گھر میں بلی' کتے یوں رکھے ہوتے ہیں کہ لگتا ہے بلی کتوں نے انہیں رکھا ہوا ہے۔ انگلینڈ میں کوئی شخص شجرہ نصب پندرہویں پشت تک فرفر سنا دے تو یقین کر لیں' یہ اس کے کتے کا شجرہ نسب ہو گا لیکن ان کی انگریزی زبان میں جانور کے لئے "ہی" یا "شی" کا لفظ نہیں بلکہ وہ "اٹ" استعمال کرتے ہیں لیکن ہم اٹ اٹھائیں تو ہمیں غیر مہذب کہنے لگتے ہیں۔

برشی بارودت کو شاید جانور اس لئے بھی پسند ہوں کہ جانور بھی لباس نہیں پہنتے' پھر انسان کے علاوہ باقی تمام جانور جانتے ہیں کہ زندگی کا مقصد انجوائے کرنا ہے۔ برشی کو جانوروں سے مانوس ہونے میں اس لئے آسانی رہے کہ اس کی زیادہ عمر فلم انڈسٹری میں گزری ہے۔ اس کا یہ کہنا کہ جو جانوروں کا ادب نہیں کرتا' وہ جانور ہے' عجیب لگتا ہے۔ ہمارا تو خیال ہے برشی نے جانوروں کا ادب نہ کرنے والے کو جانور کہہ کر الٹا اس سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے کیونکہ جانوروں سے اس کی محبت کا یہ عالم ہے کہ وہ کسی مرد سے اظہار محبت کر دے تو وہ سمجھتا ہے' یہ مجھے جانور سمجھ رہی ہے۔

○○○

• خاوند اعلیٰ

ہسبنڈ آف دی ائیر کا ایوارڈ اس خاوند کو ملنا چاہیے جو اس سال سب سے زیادہ آف رہا ہو۔ کچھ لوگوں کے خیال میں آصف زرداری یا وزیراعظم تانسو چلر کا خاوند اس ایوارڈ کے حقدار بلکہ مستحق تھے مگر امریکی ہر کام میں آگے میں وہاں ہوٹل اس سال والا ہوتا ہے مگر اس کا کرایہ اگلے سال والا ہوتا ہے بلکہ وہ اتنا آگے ہیں کہ پہلے وہاں کے ہوٹلوں میں ملازمت لینے کے لئے پانچ زبانوں کا جاننا ضروری تھا' اب تو وہاں کمرہ لینے کے لئے پانچ زبانیں جاننا ضروری ہے۔ ہمیں یہ توقع نہ تھی کہ ہسبنڈ آف دی ائیر کا ایوارڈ بھی امریکی لے جائیں گے کیونکہ ان کے ہاں تو ویسے بھی پچھلے سال کے خاوندوں کا ذکر نہیں ہوتا وہ تو آگے کا سوچتے ہیں۔ لیکن ۱۹۹۳ء کے ہسبنڈ آف دی ائیر کا ایوارڈ سی آئی اے کے مطابق سربراہ اور سابق امریکی صدر بش نے حاصل کیا ہے۔ ہو سکتا ہے انہیں یہ انعام اس لئے ملا ہو کہ وہ مسلسل کئی سالوں سے خاوند ہیں۔ کیونکہ وہاں تو یہ حال ہے کہ ایک اداکارہ نے شادی کی سلور جوبلی منائی تو کسی نے کہا کیا ان کی شادی کو پچیس سال ہو گئے؟ کہا "نہیں' یہ ان کی پچیسویں شادی ہے۔" مگر باربرا بش جو دیکھنے میں ہمیں بار بار بش لگتی ہیں اس نے کہا کہ بش کو یہ ایوارڈ ملنا چاہیے تھا کیونکہ پورے ٹیکساس میں ان سے اچھے برتن کوئی نہیں دھوتا۔

امریکی صدر پہلے خاوند ہوتے ہیں' صدر بعد میں بنتے ہیں۔ اگرچہ وہاں زیادہ بیویاں چاہتی ہیں کہ ان کے خاوند ایک اسپیشلسٹ ڈاکٹر ہو' جو انجینئر اور بینک آفیسر بھی ہو۔ البتہ کچھ یہ چاہتی ہیں کہ صدر امریکہ ان کا خاوند ہو۔ چاہتی ہیں ان کا خاوند صدر امریکہ ہو۔ امریکہ میں آج بھی کسی سے پوچھو امریکہ کا صدر کون ہے؟ تو جواب ملے گا ہیلری کا خاوند۔ صدر بش جو اپنے دور اقتدار میں پروٹوکول کا اس قدر خیال رکھتے کہ ایک

فکاہیہ کے بقول کالمسٹ ہر شہری صدر کو پروٹوکول دے یہاں تک کہ کوئی براہ راست صدر کو گولی نہیں مار سکتا' پہلے نائب صدر کوئل کو مارنا پڑے گا۔ لیکن اس دور میں بھی باربرا بش کا رویہ ایسا ہوتا کہ اس کا ذکر کرنا اب "بیٹنگ دی بش" کہلائے گا۔ ان دنوں ایک صحافی نے باربرا بش سے پوچھا کہ گھر میں خاوند کا کیا مقام ہے؟ تو انہوں نے کہا تھا یہ سوال کسی انٹیریئر ڈیکوریٹر سے پوچھیں۔ البتہ باربرا بش جب وائٹ ہاؤس میں تھیں تو انہوں نے اپنی سکیورٹی کے لئے جو انتظام کیا تھا وہ یہ تھا کہ بش کو لیڈی سیکرٹریوں سے دور رکھتی۔ جان ایف کینڈی جو امریکہ کے بڑے کینڈے کے صدر تھے' اتنے ویل ڈریس تھے کہ وہ باتھ روم جانے سے پہلے بھی ٹائی کی ناٹ درست کر لیتے۔ ان دنوں سی آئی اے آدھا وقت انہیں لیڈی سیکرٹریوں سے دور رکھتی باقی آدھا وقت لیڈی سیکرٹریوں کو ان سے دور رکھتی۔

ملکہ برطانیہ کے شوہر فلپ کا کہنا ہے خاندانی مسائل حل کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ انہیں حل کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ بہرحال باربرا اور بش کی خوشگوار زندگی کا راز یہ ہے کہ بش اس کے برتن اور باربرا اس کی طبیعت منٹوں میں صاف کر دیتی ہے۔ باربرا نے ایک تقریب میں کہا کہ میں نے برتن صاف کرنے کے لئے تمام پاؤڈر استعمال کرکے دیکھ لئے مگر خاوند سے بہتر کسی کو نہیں پایا۔ شاید بش اس لئے اچھے برتن صاف کرتے ہیں کہ ان کے ہاتھ بڑے لمبے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی اقتدار میں لمبے ہاتھ والا اور اس کا ملازم شارٹ ہینڈ والا ہوتا ہے۔ ویسے شارٹ ہینڈ کی ایک استاد نے یوں تعریف کی ہے کہ حالی نے مسدس چار برس میں لکھی اور اگر وہ شارٹ ہینڈ کے ماہر ہوتے تو اس نظم کو لکھنے میں زیادہ سے زیادہ آدھ گھنٹہ صرف کرتے۔

ایک بیوی کے حل ہونے سے آپ کے حل ہونے والے مسائل آدھے رہ جاتے' دو ہوں تو باقی آدھے مسائل بھی رہ جاتے ہیں۔ لیکن اب پتہ چلا کہ امریکی ایک سے زیادہ شادیاں کیوں نہیں کرتے۔ بش جیسا ایک مریض میرے پاس آیا۔ ان دنوں میں میوہسپتال سائیکاٹری وارڈ میں ڈاکٹر تھا۔ مریض نے کہا مجھے ہر رات یہی خواب آتا ہے کہ میری

سات بیویاں ہیں۔ صبح اٹھتا ہوں تو تھکا تھکا ہوتا ہوں بہت پریشانی ہے۔ پوچھا "اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟" بولا "آپ کو سات بندوں کے برتن دھونے پڑیں تو پتہ چلے۔"

URDU4U.COM

صدر بش تو شروع ہی سے بیویوں میں بہت مقبول رہے ہیں۔ خلیج کی جنگ کے موقع پر ایک فوجی کی بیوی نے صدر بش سے کہا تھا۔ "اللہ کرے آپ کو میری خاوند کی عمر لگ جائے اور وہ مر چکے ہیں۔"

ہو سکتا ہے برتن دھونا صدر بش کا کام نہ ہو مشغلہ ہو۔ ہمارے سابق صدر تو کچھ نہ کرنے میں اتنے مصروف ہوتے ہیں کہ کچھ اور نہ کرنے کا ٹائم ہی نہیں ملتا۔ ایک افریقی ملک کے سابق سربراہ کا مشغلہ پورٹریٹ اتارنا تھا اور وہ ایک مغربی ملک کے عجائب گھر میں پورٹریٹ اتارتا پکڑا بھی گیا تھا۔ کچھ لوگ اس پر حیران بھی ہوئے ہیں کہ اگر برتن صاف کرنے پر ہی ایوارڈ ملنا تھا تو یہ "زنانہ ایوارڈ" ہوا۔ لیکن خلیج کی جنگ میں بش کے کردار سے واقف لوگ انہیں یہ ایوارڈ ملنے پر حیران نہیں ہوئے' کسی نے پوچھا تھا "روسی فوج کئی سال افغانستان میں کیا کرتی رہی؟" جواب ملا "اس شخص کو تلاش کرتی رہی جس نے انہیں وہاں آنے کی دعوت دی تھی۔" سو کوئی پوچھے کہ سابق صدر بش آج کل کیا کر رہے ہیں؟ تو صاحب آج کل وہ اس ایوارڈ دینے والے کو ڈھونڈ رہے ہیں۔

○○○

• تن خواہ

ہر چیز میں کوئی نہ کوئی خوبی ضرور ہوتی ہے جیسے رانگ نمبر میں یہ خوبی ہے کہ یہ کبھی بزی نہیں ملتا۔ فلموں میں ہیروئینوں کے موٹے ہونے کا یہ فائدہ ہے کہ کمزور نظر والے حضرات بھی فلم دیکھ سکتے ہیں۔ ایسے ہی پولیس والوں کی بڑھتی توندوں میں یہ خوبی تو ہے کہ چلو پولیس والے جو کھاتے ہیں وہ ان کے سامنے تو ہوتا ہے۔ یوں بھی وہ زبان ہی کیا جو منہ سے باہر نہ آئی اور وہ پیٹ کیا جو پیٹی میں آ گیا۔ ہمارے ہاں اتنے موٹے پولیس والے نہیں ہوتے جتنے پولیس والے موٹے ہوتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر یہ نہیں لگتا کہ ان کو بھی پیٹ لگا ہوا ہے بلکہ یہی لگتا ہے کہ پیٹ کو لگے ہوئے ہیں لیکن حکومت نے ان پیٹوں کو ناجائزات تجاوزات قرار دے کر نوٹیفکیشن جاری کیا ہے۔ اگر ۲۸ فروری تک پولیس افسروں نے توندیں کم نہ کیں تو پھر ان کی تنخواہ سے جرمانہ کٹنا شروع ہو جائے گا۔ گویا تنخواہ بھی تن خواہ نہیں رہے گی۔ لگتا ہے حکومت ایسی پولیس چاہتی ہے جو پیٹ کی ہلکی ہو ورنہ اگر وزن کم کرانا مقصود ہوتا تو یہ کونسا مشکل تھا۔ پولیس والے تو نہا لیں تو ان کا آدھ پاؤنڈ وزن کم ہو جاتا ہے۔

موٹے کبھی ناامید نہیں لگتے ہمیشہ امید سے لگتے ہیں۔ سارے پولیس والے موٹے نہیں ہوتے کچھ بہت موٹے بھی ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں جو مولوی اور تھانیدار موٹا نہ ہو سمجھ لیں اسے اپنے پیشے میں دلچسپی نہیں۔ ہم موٹوں کو شک کی نظر سے نہیں دیکھتے کیونکہ ہمیں جو شخص مشکوک لگتا ہے وہ بعد میں پولیس والا نکل آتا ہے اور خود پولیس والے تو اپنے گھر والوں کو تب تک غور سے نہیں دیکھتے جب تک انہیں ان پر شک نہ ہو۔ کہتے ہیں یورپ میں کسی ہوٹل کے کمرے کے دروازے سے باہر آپ جوتے چھوڑ جائیں تو صبح آپ دیکھیں گے وہ صاف اور چمک رہے ہیں۔ ہمارے ہاں جوتے باہر چھوڑ جائیں

تو صبح آپ دیکھیں گے وہ جگہ صاف اور چمک رہی ہو گی۔ لیکن اس کے باوجود ہمارے ہاں اتنی کم چوریاں ہوتی ہیں کہ سرعام پولیس والے بندوقیں لئے سو رہے ہوتے ہیں۔ امریکہ میں کچھ علاقوں میں اتنی چوریاں ہوتی ہیں کہ سپاہی رات کو بندوق لے کر جاگتے رہتے ہیں' اس لئے نہیں سوتے کہ کہیں بندوق نہ چوری ہو جائے۔ وہاں کے کچھ شہروں میں تو بندہ اتنا غیر محفوظ ہے کہ چور ڈاکو تک آدھی رات کے بعد اکیلے سفر نہیں کرتے۔ ہمارے ایک بزنس مین دوست بیمار رہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں میں تو دن رات خون پسینہ ایک کرکے ڈاکٹروں کے بیوی بچوں کو پال رہا ہوں۔ ایسے ہی چور ڈاکو دن رات ایک کرکے محکمہ پولیس چلا رہے ہیں ورنہ ہمارے ہاں بھی وہی ہوتا جو برازیل کی میونسپل کارپوریشن میں ہوا۔ وہاں کے پولیس کمشنر کی نوکری خطرے میں تھی کیونکہ کئی سالوں سے وہاں کوئی جرم نہیں ہوا تھا اور حکومت نے جیلوں کی عمارتیں کرائے پر دے دی تھیں۔ یہ تو پولیس کمشنر کی قسمت اچھی تھی کہ ایک چوری ہو گئی ورنہ پولیس کمشنر کی پوسٹ بھی ختم کرنے کا سوچا جا رہا تھا۔ ہمارے ہاں تو پولیس کا آدھا کام بلکہ آدھی پولیس کا کام حکمرانوں کو عوام سے بچائے رکھنا ہے۔ حکمران گزر رہے ہوں تو پولیس والے آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف موجود ہوتے ہیں۔ ایک غیر ملکی نے پوچھا "کس لئے؟" بتایا "حکمرانوں کی حفاظت کے لئے۔" تو وہ غیر ملکی بولا "یہ ایسے کام کرتے ہی کیوں ہیں جن کی وجہ سے انہیں عوام سے اتنا بچا کر رکھنے کی ضرورت پڑے۔" پولیس والے اپنی کسی خامی اور حرکت پر شرمندہ نہیں ہوتے۔ البتہ ان سے ان کی تنخواہ پوچھ لو تو شرمندہ ہو جائیں گے۔ وہ سارا دن جیبوں میں ہاتھ ڈال کر پھرتے رہیں لیکن کوئی جیب میں ہاتھ ڈالنے ہی نہیں دیتا۔ پولیس نے کافی ترقی کی ہے۔ وہ پہلے جتنی تگ و دو سے جتنے جرائم پر قابو نہ پا سکتے اب وہ اتنی ہی تگ و دو سے اس سے زیادہ جرائم پر قابو نہیں پا سکتے۔ وہ سوئے ہوئے بھی آن ڈیوٹی ہوتے ہیں' اس لئے جب سوئے ہوں سمجھ لیں آن ڈیوٹی ہیں۔ میکسیکو جیل میں قیدیوں کو بسوں میں

بھر کے پورے شہر میں گھمایا جاتا ہے تا کہ وہ دیکھ سکیں کہ آزاد لوگ کتنے خوش ہیں۔ ہمارے ہاں ۔ بھی بسوں میں بھر کر پورے شہر میں گھمایا جاتا ہے مگر پولیس والوں کو۔

URDU4U.COM

کچھ پولیس والوں نے گھڑ سواری سے پیٹ کم کرنے کی کوششیں کی ہیں جن سے پیٹ کم ہونا شروع ہوا ہے۔ مگر گھوڑے کا۔ پولیس والے دو تین بار سلمنگ سنٹر چلے جائیں تو کئی پونڈ وزن کم ہو جاتا ہے۔ جی ہاں سلمنگ سنٹر کے مالک کا۔ موٹاپا ایک بیماری ہے جس میں تھانیدار مبتلا نہیں ہوتے بلکہ بیماری ان میں مبتلا ہوتی ہے۔ ہمارے ایک ڈائریکٹ حوالدار دوست کہتے ہیں رزق حلال کھانے سے پیٹ نہیں بڑھتا حالانکہ کہنا تو یہ چاہیے تھا کہ رزق حلال کھانے سے پیٹ نہیں بھرتا۔ ہمارے یہ دوست کہتے ہیں میں ہمیشہ رزق حلال کھاتا ہوں مگر کبھی کبھی اپنے گھر سے بھی کھانا منگوا لیتا ہوں۔ وہ کھانا کھا کر اٹھیں تو کبھی یہ نہیں کہتے "بس پیٹ گھر گیا" یہی کہیں گے "بس اب میں تھک گیا۔" ویسے پولیس والوں کو پیٹ کم کرنے کا ایک نسخہ ہم بھی بتا دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ جب بھی مرغن کھانا کھائیں بل اپنی جیب سے دیں۔

○○○

- قرض ہسنا

بینک سے قرض لینے کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ پہلے آپ یہ ثابت کریں کہ آپ کو اس کی ضرورت نہیں۔ جہاں تک بینک کو قرض لوٹانے کی بات ہے تو بینک قرض دینے کے لئے ہوتے ہیں لینے کے لئے نہیں۔ ایک بڑے بینک آفیسر کے بقول تو قرض حسنہ اب قرض ہسنا بن گیا ہے کیونکہ جب بھی کسی بڑے مقروض کو قرض واپس کرنے کے لئے کہا جائے تو وہ جواب میں ہنسنے لگتا ہے لیکن پنجاب پراونشل کوپرایٹو بینک کے جنرل مینجر صاحب نے مقروضان سے قرض واپس لینے کا جدید طریقہ نکالا ہے۔ انہوں نے اخبار میں اشتہار دیا جس کی سرخ تھی۔

"نا دہند مقروضان کے لئے خوشخبری"

اگرچہ بینک کی ساری خوشخبریاں ایسے ہی لوگوں کے لئے ہوتی ہیں لیکن یہ خوشخبری یوں ہے کہ پچاس ہزار تک کی مالیت کے انفرادی قرضہ جات لوٹانے والوں کو سود مارک اپ کلھم معاف' جب کہ ایک لاکھ پر پچاس فیصد معافی۔ صاحب یہ اشتہارات کا دور ہے پولیس والے مجرموں کی گرفتاری کے لئے چھاپے کی بجائے چھاپے خانے جا کر اشتہار چھپواتے ہیں جن میں پکڑوانے والے کے لئے اتنے بڑے انعام ہوتے ہیں کہ اگر ہم مجرم ہوتے تو ہم فوراً خود کو پکڑ کر ان کے حوالے کر دیتے۔ ہمارے ایک شاعر دوست کی کتاب کا دوسرا ایڈیشن چھپا تو ایک ستم ظریف نے یہ خوشخبری دی کہ جو اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی ایک کتاب خریدے گا اسے پہلے ایڈیشن کی دو کتابیں مفت دی جائیں گی۔ اگرچہ کچھ لوگ یہ پوچھتے ملتے کہ یہ خوشخبری ہے یا دھمکی۔ ایک ڈاکٹر نے ایسا اعلان کیا کہ جو میرے ہسپتال سے اپنے پتے اور گردے کا آپریشن کروائے گا اس کا اپنڈکس کا آپریشن مفت کیا جائے گا۔ ہر کسی کا پبلسٹی کا اپنا انداز ہوتا ہے۔ امریکہ میں ایک عینک ساز کی دکان پر یہ اشتہار لگا تھا "اگر آپ نہیں دیکھ سکتے کہ آپ

کیا چاہتے ہیں تو پھر آپ ٹھیک جگہ پر پہنچے ہیں۔" ہو سکتا ہے کل کسی بینک کی طرف سے ایسا اعلان چھپے کہ جو شخص کل سود ادا کر دے اس کا قرضہ معاف کر دیا جائے گا اور جو آدھا سود دے گا اس کا آدھا قرضہ معاف' ویسے بھی اچھا بینکر وہ ہوتا ہے جو سود کی رقم نہ ڈوبنے دے اصل رقم بھلے ڈوب جائے۔

URDU4U.COM

امریکی شاعر رابرٹ فراسٹ کہتا ہے بینک وہ جگہ ہے جہاں سے آپ کو صاف موسم میں چھتری ادھار ملتی ہے اور جونہی بارش ہونے لگے وہ چھتری کی واپسی کا تقاضا شروع کر دیتے ہیں بینک سے اگر آپ تھوڑی رقم لیں تو آپ بینک کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں' اگر زیادہ رقم لیں تو تو بینک آپ کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ وول راجرز کہتا ہے جب سے دنیا بنی ہے اس میں تین بنیادی ایجادیں ہوئیں۔ ایک آگ' دوسرا پہیہ اور تیسری مرکزی بینکاری۔ روپیہ پیسہ سود پر لینا دنیا کا دوسرا قدیم ترین پیشہ ہے پہلے قدم ترین پیشے سے اس کی کونسی قدر مشترک ہے ہمیں معلوم نہیں کیونکہ اس میں ادھار سے کام چلتا ہے اور اس میں ادھار نہیں چلتا کیونکہ اس میں ادھار تو دراصل اد ..... ہار ہے۔ بینک میں بگ گن وہ ہوتا ہے جسے کبھی فائرڈ نہ کیا جا سکے۔ جب کہ بینک آفیسر وہ ہوتا ہے جو ایک ہفتے کی چھٹی پر جائے تو سات دن بعد ہی واپس آ جائے۔

ہمارے ہاں ۱۹۴۷ء سے اب تک بینکوں سے جتنی رقم ڈاکوؤں نے لوٹی وہ اس رقم کا دسواں حصہ بھی نہیں جو سیاست دانوں نے قرض لے کر نہیں لوٹائی۔ دولت سیاست دان کی چھٹی حس ہوتی ہے۔ ایک دفعہ ہم ایک سیاست دان کے بارے میں لکھ بیٹھے کہ ہمارے یہ سیاست دان بڑے قیمتی ہیں تو ہر کوئی ہم سے ان کی قیمت پوچھنے لگا۔ شاید اسی لئے سیاست دان گاڑی میں جا رہے ہوں تو ان کے آگے پیچھے اتنے گن مین ہوتے ہیں کہ لگتا ہے بینک والوں کی کیش ویگن جا رہی ہے۔ بینکوں میں ان کے سیونگ اکاؤنٹ نہیں سپنڈنگ اکاؤنٹ ہوتے ہی۔ کراچی والے تو پانی روپے کی طرح بہاتے ہیں یعنی روپے کو پانی کی طرح بہاتے ہیں۔ روز مری تو ان کا روزمرہ ہے۔ کہتے ہیں جہاں تم

اپنا خون گراؤ گے ہم اپنا پسینہ گرائیں گے۔ ان کی مقدس کتاب چیک بک ہوتی ہے۔ اللہ انہیں دولت کی دولتی سے بچائے۔ دولت کی اپنی زبان ہوتی ہے۔ یہ بولتی بھی ہے ہم نے اسے خود بولتے سنا ہے۔ ہمیں "خدا حافظ" کہہ رہی تھی۔ دولت سے سب خریدا جا سکتا ہے صرف ایک چیز نہیں خریدی جا سکتی' وہ ہے غریبی۔ اس کے لئے سٹاک ایکسچینج جانا پڑتا ہے۔ پرانی کہاوت ہے اگر آپ جاننا چاہتے ہیں کہ اللہ کی نظر میں دولت کا کیا مقام ہے تو اس کا اندازہ آپ کو ان لوگوں کو دیکھ کر ہو جائے گا جنہیں وہ دولت دیتا ہے۔ دولت ہونے سے بندہ اپنے آپ کو بھول جاتا ہے نہ ہونے سے لوگ اسے بھول جاتے ہیں۔ ایک صاحب سے ہم نے پوچھا "کیا تمہارے غریب رشتہ دار ہیں؟"

"ہوں گے لیکن میں انہیں نہیں جانتا۔"

"امیر رشتہ دار ہیں؟"

"ہوں گے لیکن وہ مجھے نہیں جانتے۔"

عام زندگی میں کسی کو تھوڑے سے پیسے دیئے جائیں تو وہ آپ کا مقروض بن جاتا ہے۔ اگر بہت پیسے دیئے جائیں تو آپ کا دشمن بن جائے گا۔ ہمارے ہاں بہت کم سننے میں آتا ہے کہ کسی نے ہنستے مسکراتے قرض لوٹایا ہو۔ البتہ ہماری ایک اداکارہ نے کہا تھا کہ میں بینک کا قرضہ مسکرا کر ادا کروں گی جس پر بینک والوں نے کہا آپ مسکرا کر نہیں پیسے دے کر قرض لوٹائیں۔ بڑا آدمی وہ ہوتا ہے جو جس شخص سے قرض لے اسے ادا کرنے کے باوجود خود کو اس بندے کا مقروض سمجھے۔ ہم تو اس پر یقین رکھتے ہیں کہ بندے کو اپنی تنخواہ میں گزارا کرنا چاہیے' چاہے اس کے لئے قرض ہی کیوں نہ لینا پڑے۔ جہاں تک ہم سے قرض واپس لینے کا تعلق ہے تو اکثر دوست یہ دھمکی دے کر لیتے ہیں کہ اگر تم نے میرا قرض واپس نہ کیا تو میں دوسرے قرض خواہوں کو بتا دوں گا کہ تم نے میرا قرض لوٹا دیا ہے۔ لیکن ہمارے شاعر اقبال ساجد صاحب کے ساتھ تو اور ہی واقعہ پیش آیا۔ انہوں نے کسی کے دس روپے دینا تھے۔ کئی سال

تک واپس نہ کئے لیکن ایک دن اچانک دس روپے نکال کر قرض خواہ کو دے دیئے تو اس نے یہ کہہ کر دس روپے لینے سے انکار کر دیا کہ میں نے کئی سال لگا کر تمہارے بارے میں جو رائے قائم کی تھی تم چاہتے ہو میں دو روپوں میں اسے بدل دوں۔

URDU4U.COM

ہم تو سمجھتے ہیں جس نے بینک کا جتنا زیادہ قرضہ دینا ہو وہ اتنا بڑا آدمی ہوتا ہے اور جس نے جتنا چھوٹا قرضہ دینا ہو وہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے۔ یہ تو اچھا ہوا گورنر اسٹیٹ بینک ڈاکٹر محمد یعقوب نے ہمیں "مزید" چھوٹا ہونے سے بچا لیا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کا ہر گھرانہ ۵۳ ہزار کا مقروض ہے۔ کوئی اس قرض کو چکانے کی کوشش نہیں کر رہا سوائے ہمارے محلے کے مولوی صاحب کے۔ ان کے گھر کے پانچ افراد تھے۔ یوں فی فرد دس ہزار قرضہ بنتا تھا۔ انہوں نے ذاتی محنت سے یہ قرضہ کم کرکے پانچ ہزار فی فرد کر لیا ہے۔ وہ یوں کہ اب ان کے گھر کے افراد دس ہو گئے ہیں۔ ویسے اگر اسی طرح سب کوشش کریں تو فی فرد قرض ہزاروں سے روپوں میں آ سکتا ہے۔

○○○

• فقیر اعلیٰ

ہمیں اتنا تو پتہ تھا کہ جے سالک صاحب کا حافظہ بہت برا ہے۔ آپ کہیں گے' کیا انہیں کچھ یاد نہیں رہتا؟ جی نہیں' انہیں سب کچھ یاد رہتا ہے مگر ہمیں یہ پتہ نہ تھا کہ ایک دن وہ یہ کہیں گے کہ مجھے یاد نہیں رہتا کہ میں وزیر ہوں۔ حالانکہ ہمارے سیاستدانوں کو یہ یاد نہیں رہتا کہ وہ وزیر نہیں ہیں۔ جیسے جو اچھا کالم نگار ہوتا ہے' وہ جونہی اپنا کالم ختم کرتا ہے اس کے ذہن میں اچھے اچھے خیالات آنے لگتے ہیں۔ ایسے ہی اچھا سیاستدان وہ ہوتا ہے جو جونہی اپنی بات ختم کرتا ہے' اسے بھول چکا ہوتا ہے کہ اس نے کیا بات کی ہے۔ ویسے بھی بندے کو گزری باتیں یاد آنے لگیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا حافظہ بہت اچھا ہے بلکہ یہ کہ وہ بوڑھا ہو رہا ہے۔

ہمارے ہاں سب سے غیر حاضر دماغ پروفیسر ہوتے ہیں کیونکہ پروفیسری وہ کام ہے جو دماغ حاضر ہو تو نہیں ہو سکتا۔ سٹیفن لی کاک جن کے نام کا ڈاکٹر شفیق الرحمٰن نے "سٹیفن صاحب کا مرغا" ترجمہ کیا تھا۔ ۱۹۵۴ء میں انہوں نے یہ بات تھامس کوسٹن کو بتائی کہ شکاگو کے ایک پروفیسر نے مجھے خط لکھا ہے کہ وہ غیر حاضر دماغ پروفیسروں کے بارے میں ایک کتاب لکھنا چاہ رہے ہیں۔ مواد بھیجنے میں مدد کریں اور موصوف خط میں اپنا نام و پتہ لکھنا بھول گئے ہیں۔ جے کے چسٹر ٹن بازار میں چلتے چلتے اپنے دفتر کا راستہ بھول جاتے' پھر وہ کسی نیوز اسٹال پر رک کر اپنا ہی ہفت روزہ "جے کیز" خریدتے' اس میں سے پتہ دیکھ کر واپس پہنچتے۔ ہمارے کئی ادیب شاعر بھی راستہ بھول کر کبھی کبھی اپنے ہی گھر جا نکلتے ہیں۔ کہتے ہیں دنیا میں فرانس کے وزیراعظم پال سب سے غیر حاضر دماغ تھے۔ دفتر سے واپسی پر ٹیکسی پر گھر چلے جاتے حالانکہ ان کی سرکاری کار ان کا انتظار کر رہی ہوتی۔ ایک بار گھر میں کسی دوست کا انتظار کر رہے تھے' وقت

کچھ زیادہ ہو گیا' انہیں ایک اور کام یاد آ گیا۔ چنانچہ انہوں نے چٹ لکھ کر دروازے کی کنڈی میں پھنسا دی جس پر لکھا تھا "پال پندرہ منٹ بعد واپس آئے گا۔" جب وہ ضروری کام سے فارغ ہو کر آئے تو اپنی ہی چٹ پڑھ کر سیڑھیوں میں اکڑوں بیٹھ کر اپنے آنے کا انتظار کرنے لگے۔

یہ بات کہ میں اپنا وزیر ہونا بھول جاتا ہوں' کوئی اور وزیر کہتا تو ہم کوئی اور مطلب لیتے۔ ویسے بھی منتر اوٹ پٹانگ کلمات پڑھنے کو کہتے ہیں اور بھارت جو مسلسل ایسے کلمات کہے' اسے منتری جی یعنی وزیر کہتے ہیں لیکن ہم جے سالک کی جی اور لک کو ہی نہیں' جے سالک کو بھی جانتے ہیں۔ یہی نہیں پسند بھی کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ لوگ مزاح نگار کی پسند کا ذکر بھی یوں سنتے ہیں جیسے لطیفہ سن رہے ہوں۔ ہر دور میں کئی لطیفے مشہور ہوتے ہیں۔ نواز شریف دور میں شیخ رشید ------ اور فقیر اعلیٰ جے سالک بے نظیر حکومت نے فقیر اعلیٰ "بال برداری" کے لئے رکھا ہوا۔ دوسرے محکموں کے وزیر اپنے محکمے کی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے ہیں' یہ اپنے محکمہ سے متعلقہ پیداوار کو کم کرنے کے لئے رکھے گئے ہیں لیکن محکمہ منصوبہ بندی کا یہ مسئلہ ہے کہ جو لوگ مانتے ہیں زیادہ بچے پیدا کرنے سے "مسائل اور سائل" بڑھتے ہیں' یہ وہ ہوتے ہیں جن کے ہاں زیادہ بچے پہلے ہی پیدا ہو چکے ہوتے ہیں۔ بچے آج اتنا بڑا Issue ہیں کہ جن کے ہاں بچے نہ ہوں' انہیں Issue-Less کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں یونان کی ریاست السپالرٹ میں ایک شخص کی سرکاری ڈیوٹی یہ تھی کہ ہر روز بے انتہا شراب پی کر شہر کے گلی کوچوں میں نکل جائے اور سارا دن دھکے کھاتا پھرے تا کہ نوجوان اسے دیکھ کر عبرت پکڑیں کہ شراب کتنی بری چیز ہے۔ حکومت کا نعرہ ہے' دو بچے خوشحال گھرانہ' بچے زیادہ ہوں گے تو آپ خوشحال نہیں ہوں گے۔ خوشحال نہیں ہوں گے تو آپ کے ساتھ کیا ہو گا' یہ بتانے کے لئے جے سالک کو وزیر بنا دیا گیا ہے۔ ویسے بھی آج کے دور میں تو خوشحال خٹک نہیں پریشان خٹک پیدا ہوتے ہیں۔

کہتے ہیں بھول جانا ایک بیماری ہے لیکن اس کے علاج کے لئے مریض سے زیادہ ڈاکٹر

کو احتیاط کرنا پڑتی ہے۔ ایسے مریضوں سے ڈاکٹر یہ احتیاط برتتے ہیں کہ ان سے فیس ایڈوانس لیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اگر آپ کو بھولنے کی بیماری ہے تو آپ گھر جائیں اور بھول جائیں کہ آپ کو کوئی بیماری ہے۔ ہمارے ہاں تو جو بندہ ایک بار وزیر بن جائے پھر ساری عمر سونے کے بعد اور اٹھنے سے پہلے وزیر ہی رہتا ہے۔ وزیر کو تو ایشیا میں اور ہی مخلوق سمجھا جاتا ہے۔ پچھلے دنوں بھارت کے صوبہ بہار میں شادی کی ایک تقریب میں دولہے نے کہا' ایک بندہ اور میری گاڑی میں بیٹھ جائے۔ دولہے کے عزیز منتری جی گاڑی میں سوار ہو گئے تو ایک صحافی بھی اندر آنے لگا تو دولہے نے کہا' میں نے تو کہا تھا صرف ایک بندے کی جگہ ہے تو صحافی نے کہا' اسی لئے تو میں آ رہا ہوں کیونکہ یہ تو منتری جی ہیں۔ سالک صاحب کی یہ بات سن کر کہ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ وزیر ہیں' ہم بھول گئے ہیں کہ ہم وزیر نہیں ہیں۔ ویسے ان کے لئے ہمارا ایک غیر طبی مشورہ ہے جب واجد علی شاہ میٹا برج میں نظر بند تھے تو نماز پڑھتے وقت رکعتیں

بھول جاتے تھے۔ کہتے ہیں اس کا یہ حل نکالا گیا کہ ایک ملازم ہر رکعت کے بعد ایک بادام جاء نماز کے حاشیے پر رکھ دیتا۔ تاجدار سجدے کے بعد کنکھیوں سے بادام گن کر فیصلہ کرتے کہ خدا کے حضور رکوع و سجود کرنا ہے یا آرام سے التحیات پڑھنی ہے۔ سو سالک صاحب ایک ملازم رکھ لیں جونہی یہ عام انسانوں والی بات کریں وہ انہیں فوراً یاد دلا دے کہ آپ تو وزیر ہیں۔

○○○

• فلم جمہوری بادشاہ

جب سے محترمہ بے نظیر بھٹو نے کہا ہے کہ ہم کسی کو سلطان راہی نہیں بننے دیں گے' سلطان راہی کے علاوہ ہر اداکار سہما سہما لگتا ہے کیونکہ ہر چھوٹا اداکار اسی امید پر زندہ تھا کہ ایک دن وہ بھی سلطان راہی بنے گا' صرف وہی ناامید تھے جو ذرا سوہنے تھے۔ ہمارے ہاں تو فلمی ہیروئنیں تک سلطان راہی بننے کی کوشش میں رہتی ہیں۔ جب وہ بندوق پکڑ کر ڈانیلاگ بولتی ہیں تو ان میں سلطان راہی میں صرف مونچھ برابر فرق رہ جاتا ہے۔ ہمارا ایک جاننے والا زن مرید اداکار تو بہت ہی خوفزدہ ہے۔ خوف رو تو پہلے ہی تھا' وہ دن رات سلطان راہی بننے کے خواب دیکھتا رہتا۔ اس لئے وہ دن رات سویا رہتا تا کہ وہ یہ خواب مسلسل دیکھتا رہے۔ اگرچہ اس کی شکل ایسی ہے کہ وہ اور کچھ بن بھی نہیں سکتا۔ اس کے شناختی کارڈ پر شناختی نشان ہے "جسم پر منہ کا نشان" ------ خاندان ایسا کہ اس کے خاندان میں مقابلہ حسن ہوا تو کوئی نہ جیت سکا۔ پہلے اسے ڈر سے نیند نہ آتی کہ وہ سلطان راہی نہ بن سکے گا لیکن محترمہ بے نظیر بھٹو کے بیان کے بعد وہ اس ڈر سے نہیں سو سکتا کہ محترمہ بے نظیر بھٹو اسے سلطان راہی نہیں بننے دیں گی۔

سلطان راہی کے بغیر ہماری فلم ایسے ہی ہے جیسے سر درد بغیر سر کے۔ اسے دیکھو تو سب سے پہلے اس کے چہرے پر جو نظر آتا ہے' وہ غصہ ہی ہوتا ہے۔ پھر جھریاں اور جھر جھریاں۔ ذہانت اور شکل بچوں کو والدین کی طرف وراثت میں ملتی ہیں اور فلمیں سلطان راہی کی اولاد ہیں۔ ان کی ڈانیلاگ ڈلیوری ایسی ہے کہ ایسی ڈلیوری کوئی ڈاکٹر بھی نہیں کر سکتی۔ ایک بار ایک بچے نے بیس سر درد کی گولیاں کھا لیں۔ اس کی ماں اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئی' ڈاکٹر نے کہا پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ سلطان راہی کی دو فلمیں دکھائیں' افاقہ ہو گا۔ اگرچہ ڈاکٹروں کی فیس کے بعد افاقہ بھی آ ... فاقہ ہی ہوتا

ہے۔ جس فلمساز نے سلطان راہی صاحب سے ڈیٹ لینا ہو' وہ اسی مسجد میں نماز پڑھنے لگتا ہے جہاں سلطان راہی صاحب پڑھتے ہیں۔ یوں نمازیوں کی تعداد سے پتہ چلتا ہے۔ سلطان راہی صاحب کے پاس کتنی فلمیں ہیں اور سلطان راہی ہمیشہ یہی دعا مانگتے ہیں اللہ کے گھر نمازیوں سے بھرے رہیں۔ گھوڑے پر بیٹھ بیٹھ کر فیصلے کرنے کی ایسی عادت پڑ گئی ہے کہ کرسی پر بیٹھ کر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ وہ جب اسٹوڈیو میں داخل ہوتے ہیں تو سٹوڈیو کی خوبصورتی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ تو ہمارے پاس کھڑے ہو جائیں تو ہماری خوبصورتی میں اضافہ ہو جائے۔ جیسے ایک فرانسیسی گائیڈ سیاحوں کو فرانس کے سرحدی علاقے کی سیر کرا رہا تھا اور بتا رہا تھا یہاں انگریز توپ خانہ ہارا' یہاں انگریز گھڑ سوار ہارے' یہاں پیادہ انگریز فوج ہاری۔ سیاح نے پوچھا' انگریز کوئی لڑائی جیتا بھی؟ گائیڈ نے مضبوط لہجے میں کہا "جب تک میں گائیڈ ہوں' انگریز کوئی لڑائی نہیں جیت سکتا۔ سو جب تک سلطان راہی نے' کوئی فلم کا راہی سلطان نہیں ہو سکتا۔ وہ کسرتی بدن ہیرو ہے جو "کثرتی" بدن ہیروئین کے ساتھ فلم میں یوں آتا ہے کہ دونوں کی وجہ سے ایک دوسرے کو نظر نہیں لگتی۔ ان کے سر میں اداکار بننے کا جنون تھا اب اداکار بن گئے ہیں۔ ہم نے ان کے ایک قریبی دوست سے پوچھا "اب ان کے سر میں کیا ہے؟" کہا "اب ان کے سر میں کچھ نہیں ہے۔" اداکاری ان کے خون میں شامل ہے اور خون ان کی اداکاری میں شامل ہے۔ جیسے اوپیرا وہ جگہ ہے جہاں بندے کو چھری ماری جائے تو خون کی بجائے اس کے منہ سے گیت نکلتا ہے۔ ایسے ہی ہماری فلم میں سلطان راہی گولی کھانے کے بعد یوں مسکراتا ہے جیسے اس نے سر درد کی گولی کھائی ہے۔ وہ لفظ "ڈر" کا مطلب نہیں جانتا' اگرچہ اسے تو اور لفظوں کے مطلب بھی نہیں آتے۔ بہرحال بارش میں نہاتی غسیلی ہیروئین اور پان و خون میں نہاتے غصیلے ہیرو کے چلانے سے فلم چلانے کے قابل ہوتی ہے۔ ہم نے پہلی بار ان کی فلم دیکھی تو شرمندگی ہوئی کیونکہ ہمیں کہانی کی سمجھ نہ آئی تھی۔ سلطان راہی تو سیاست دان بن نہیں سکتے کیونکہ انہیں کھل کر اداکاری کرنے کی عادت ہے البتہ جیسی پرفارمنس اور بڑھکیں سیاستدانوں

کی ہیں' اگر وہ فلم میں آ گئے تو سلطان راہی کو راہو بنا دیں گے۔

دنیا بھر میں اداکاری کرنے کا سب سے زیادہ معاوضہ سیاست میں ہی ملتا ہے۔ یہ نہ ہو کہ سلطان راہی یہ سوچنے لگے کہ اداکاری تو آتی ہے' اس کا معاوضہ بھی آنا چاہیے۔ جیسے ہمارے ایک دوست نے کہا کہ میں اپنے دونوں بیٹوں کو وکیل بناؤں گا۔ ہم نے وجہ پوچھی تو بولے "یہ شروع ہی سے دوسرں کے معاملات میں ٹانگ اڑاتے ہیں۔ اب میں چاہتا ہوں انہیں اس کا معاوضہ بھی ملے۔" لیکن سنا ہے سلطان راہی تو سیاست سے اتنا ہی دور رہتے ہیں جتنا سری لنکا کی کہاوت کے مطابق رہنا چاہیے۔ اس کے مطابق اگر سڑک پر چلتے ہوئے گاڑی سامنے آ جائے تو سڑک کے کنارے تک ہٹ جائیں' گھوڑا گاڑی ہے تو پانچ گز ہٹنا ضروری ہے' ہاتھی ہے تو دس گز ہٹ جائیں لیکن اگر کسی سیاستدان سے آمنا سامنا ہو تو فوراً سو گز ہٹ جائیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ محترمہ نے سیاستدانوں کو سلطان راہی نہ بننے کا کہہ کر انہیں اداکاری سے روکا ہو کیونکہ وہ اسمبلی کے اندر باہر جو کرتے ہیں' اس سے یہی لگتا ہے فلم "جمہوری بادشاہ" کی شوٹنگ ہو رہی ہے۔ اسمبلی میں تو اتنا شور ہوتا ہے کہ ایک رکن اسمبلی کے بقول مجھے تو اپنی آواز سننے کے لئے بھی ہیئرنگ ایڈ لگانا پڑتی ہے لیکن ہم خوش تھے کہ سیاستدان سلطان راہی بن رہے ہیں کیونکہ سلطان راہی کم از کم فلم میں ظالم کو تو ختم کردیتا ہے مگر سیاسی سلطان راہی شاید یہ بھی نہ کر سکیں کیونکہ ان کو ختم کر دیا تو اعتماد کا ووٹ کس سے لیں گے۔

○○○

• دیواریہ

دیواروں پر کالم لکھتے ہوئے ہمیں ڈر بھی لگ رہا ہے کیونکہ حکومت نے دیواروں پر لکھنے پر پابندی جو لگا رکھی ہے۔ ہم سمجھتے تھے وال چاکنگ پر پابندی اس لئے لگائی گئی ہے کہ سیاستدانوں کو نوشتہ دیوار نہ پڑھنا پڑے' پر اب حکومت کے بیان سے یہ پتہ چلا ہے کہ یہ سب پیسے کی سیاست ختم کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ واقعی اس کے ساتھ ہی ملک سے پیسے کی سیاست ختم ہو گئی' روپے کی شروع ہو گئی۔ دولت سیاستدانوں کی زبان ہوتی ہے البتہ جب وہ دولت کی صحیح ہاتھ میں جاتی ہے تو بولنا بند کر دیتی ہے۔ لیکن سیاستدان تو بہرہ' اندھا' لنگڑا لولا ہو سکتا ہے مگر گونگا نہیں۔ ہیری ٹرومین ایک دفعہ طالب علموں سے سیاست کے موضوع پر بات کر رہے تھے' ایک طالب علم سے پوچھا "میں سیاست میں کیسے آ سکتا ہوں؟ تو امریکی صدر ہیری ٹرومین بولے "آپ تو پہلے ہی سیاست میں ہیں' آپ جو کچھ خرچ کرتے ہیں یہ خود آپ کمایا تو نہیں ہوتا یا کہو' ہوتا ہے؟"

ویسے پتہ نہیں پیسے کی سیاست ختم کرنے پر کتنے پیسے لگے لیکن یہ انہوں نے بڑا بر وقت کیا جیسے ہمارے ایک دوست جو کل کا کام بھی آج کرتے ہیں' بیٹے کو پیٹ رہے تھے۔ بیوی نے کہا "اس نے کیا کیا ہے؟" بولے "میں ایک ہفتے کے لئے باہر جا رہا ہوں اور کل اس کے امتحان کا نتیجہ نکلنا ہے اور میں انتظار نہیں کر سکتا۔"

جیسے عورتیں تین قسم کی ہوتی ہیں۔ نمبر1 ذہین عورتیں' نمبر2 حسین عورتیں' نمبر3 اکثر عورتیں۔ ایسے ہی رہنما تین قسم کے ہوتے ہیں۔ بیوپاری رہنما' ہر باری رہنما اور دیواری رہنما۔ دیواری رہنماؤں کے اقوال زریں دیواروں پر چنے ہوتے ہیں۔ ایسے اقوال کہ پڑھ کر ان رہنماؤں کو وہیں چننے کو دل چاہتا ہے۔ اپوزیشن اشتہار اور حکومت اپوزیشن کو دیوار سے لگاتی ہی رہتی ہے۔ دیواروں پر پیچیدہ اور پوشیدہ رہنماؤں اور بیماریوں کے بارے

میں تفصیلات اکثر یوں لکھی ہوتی ہیں کہ کچھ پتہ نہیں چلتا' کونسی تفصیل کس کی ہے۔ کہتے ہیں تاریخ کا مطالعہ بندے کو خودکشی سے روکتا ہے جبکہ دیوار کا مطالعہ بندے کو مطالعے سے روکتا ہے۔ پہلے حکمران تاریخ جاننے کے ٹیوٹر رکھتے' اب کیلنڈر رکھتے ہیں اور آئینہ دیکھنے کے لئے دیواریں دیکھتے ہیں۔ کہتے ہیں ہمارے ایک سابق حکمران تصویری نمائش کے افتتاح پر گئے اور وہاں ایک تصویر دیکھ کر کہنے لگے' اس کی ایک آنکھ چھوٹی کس نے بنائی؟ تو مصور نے کہا "یہ تو دیوار پر آئینہ لگا ہے۔" ایک ایسے بااثر آدمی نے اپنی بے اثر کتاب دیتے ہوئے کہا "اسے پڑھ کر آپ کو پتہ چلے گا کہ میرا تعلق کتنے بڑے خاندان سے ہے۔ بہرحال کتابوں سے پہلے حکمران یہ سب دیواروں پر کنندہ کروایا کرتے تھے۔ آج سیاستدان ان دیواروں کو اشتہار بنائے ہوئے ہیں۔ انہیں کہاں کہیں کوئی دیوار صاف نظر آتی ہے' اپنی مقبولیت میں کمی صاف نظر آتی ہے۔ سو حکومت نے شروع میں ہر سرکاری دیوار پر یہ لکھوا دیا کہ اس دیوار پر لکھنا منع ہے۔ حکومتوں کے آرڈر ایسے ہی ہوتے ہیں جیسا کہ جرمنی میں گندے پانی کے استعمال سے ٹائیفائیڈ کی وبا پھیلی تو وہاں ایک اعلیٰ فوجی حکام نے یہ آرڈر جاری کیا "تمام برف کی ڈلیاں استعمال کرنے سے پہلے اچھی طرح ابالی جائیں۔"

دیوار پر قدیم ترین اشتہار جو تقریباً تین ہزار سال پہلے تحریر کیا گیا وہ تھا "پوری ایک اشرفی اس شخص کے لئے جو شیم نامی بھگوڑے کو پکڑ کر لائے گا۔" دیواروں کے بڑے استعمال ہیں' خاص طور پر بڑی دیواروں کے۔ جنگ عظیم دوم کے دنوں میں صدر انجمن احمقاں ملک نبی بخش نے اخبارات کو جنگ بندی کی یہ تجویز پیش کی تھی کہ دیوار چین ایک ہزار پانچ سو میل لمبی بیکار پڑی ہے' اگر اس کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کر فلاں فلاں ملکوں کے درمیان حائل کر دیئے جائیں تو دنیا میں جنگ کا نام نہ رہے۔ کوئٹہ کے زلزلے کے بعد انجمن احمقاں نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ نئے مکان کی تعمیر کرتے وقت ان کی بنیادیں زمین سے ایک فٹ اونچی رکھی جائیں۔ پہلے دیواروں کے کان ہوتے تھے'

اب تو یہ بولتی بھی ہیں۔ ہوسٹل کی دیواریں جب آپ سننا چاہیں تو بہت موٹی ہوتی ہیں اور جب آپ سونا چاہیں تو بہت پتلی ہوتی ہیں البتہ ایوان اقتدار کی دیواریں اتنی پتلی ہوتی ہیں کہ ایک طرف کوئی ذہن بھی تبدیل کر رہا ہو تو دوسری طرف وہ بھی سنائی دیتا ہے۔ خالی بندہ اپنے آپ سے بھرا ہوتا ہے اور جہاں تک بھری دیوار کا تعلق ہے' اتنی وہ بھری نہیں ہوتی جتنا وہ بندہ بھرا ہوتا ہے جس کے گھر کی یہ دیوار ہوتی ہے۔

پینٹ کرنے سے دیوار کی عمر بڑھ جاتی ہے' شاید اسی لئے عورتیں لمبی عمر پاتی ہیں۔ اب جمہوریت کا دور ہے۔ کمیونزم اور جمہوریت میں یہ فرق ہے کہ کمیونزم میں بولتا کوئی نہیں اور جمہوریت میں سنتا کوئی نہیں۔ خود ہمارے لیڈر جس رفتار سے بولتے ہیں' اس سے سن نہیں سکتے۔ ایک سیاستدان کی تقریر میں ہم دیر سے پہنچے۔ ایک بندے سے پوچھا "یہ کب سے بول رہے ہیں؟" کہنے لگا "تب سے جب ابھی یہ ایک سال کے بھی نہیں تھے۔" یہ بھی سیاستدانوں کا ہی کمال ہے کہ وہ بول بھی رہے ہوتے ہیں اور کچھ کہہ بھی نہیں رہے ہوتے۔ جو میاں بیوی آپس میں لڑتے نہیں' ہمیں لگتا ہے وہ ایک دوسرے کو میاں بیوی سمجھتے ہی نہیں۔ ایسے ہی حکومت سے گلہ نہیں' گویا وہ حکومت کو مانتا ہی نہیں۔

امریکی کہتے ہیں انہیں جمہوریت نے یہ دیا کہ وہ ٹیکس ادا کرنے میں اپنی مرضی کے مالک ہیں یعنی چاہے تو کیش دیں یا پھر چیک یا پوسٹل آرڈر۔ ہمیں تو جمہوریت نے یہ دیا ہے کہ دیواروں کے ساتھ جو کر سکتے ہیں کریں' لیکن حکومت نے سب کئے کرائے پر پانی پھیرنا شروع کر دیا ہے وہ بھی چونے والا۔

○○○

• گروک بک

ہمارے بشیرا ٹیلر کا خیال تھا' آخر عمر میں الزبتھ ٹیلر بھی ٹیلرنگ ہی کرے گی مگر اس نے کتاب لکھنا شروع کر دی۔ موصوفہ خاوندوں سے بچنے کی ترکیبیں بتانے والی ایک کتاب مکمل کر رہی ہیں۔ یوں کک بک کے بعد ایک اور ترکیبیں بتانے والے کتاب گھروں میں آنے والی ہے۔ ویسے بھی خاوندوں کے معاملے میں الزبتھ کی رائے بہت اہم ہے کیونکہ جتنے ہسبنڈ انہوں نے ہنڈائے ہیں' اتنے تو ہماری عورتیں کپڑے نہیں ہنڈاتیں لیکن محترمہ کی یادداشت کا یہ عالم ہے کہ پچھلے دنوں انہوں نے اپنی طلاقوں کی جو تعداد بتائی' وہ ان کی شادیوں کی تعداد سے بھی زیادہ تھی۔ ان کا پہلا خاوند انہیں اپنی پون بہتر کہتا ہے۔ ہم نے انہیں اپنی آنکھوں سے چار مرتبہ جوان ہوتے دیکھا ہے مگر سٹیھانے کے بعد بھی انہیں بوڑھی ہونا نہیں آیا۔ ان سے اب بھی پوچھو' سب سے بہتر Age کون سی ہے تو کہیں گے Marri-Age ------ ڈیٹ آف برتھ پوچھو تو کہتی ہیں "مجھے یاد نہیں کیونکہ جب میں پیدا ہوئی تھی تب میں بہت چھوٹی تھی۔" ان کی ایک دوست نے بتایا کہ میری الزبتھ سے جب پہلی ملاقات ہوئی تب میری اور اس کی عمر ایک جتنی تھی۔ الزبتھ شادی کر رہی ہو تو یہی لگتا ہے کہ شادی کے سین کی ریہرسل کر رہی ہیں۔ ریہرسل کے بغیر تو اس نے کبھی فلمی شادی کا سین اوکے نہیں کیا۔

اس کی ہر شادی پر دوست جو کارڈ بھیجتے ہیں ان پر لکھا ہوتا ہے' آپ کو یہ خوشی کا دن مبارک ہو۔ اللہ آپ کی زندگی میں خوشی کے ایسے دن روز روز لائے۔ کہتی ہے' میں نے ہمیشہ لو میرج کی۔ حالانکہ اگر وہ اس سے شادی کرتی جس سے اسے لو ہے تو اس حساب سے وہ خود ہی اپنا خاوند ہوتی۔ اپنے ایک خاوند کے بارے میں وہ یہ دعا مانگتی سنی گئی کہ اس کی شوگر اتنی ہائی ہو جائے کہ اس کی باتوں میں آنے لگے۔

بہرحال میاں بیوی دونوں اداکار ہوں تو طلاق کے بعد انہیں ایک چیز ففٹی ففٹی ملتی ہے اور وہ ہے پبلسٹی۔ ویسے بھی آج کل اپنی غلطیاں چھپانے کا جو سب سے بہتر طریقہ ہے' وہ ہے آپ بیتی لکھنا۔ یوں اگر وہ لکھنا چاہ رہی ہے تو اسے ادیب بننے سے روکنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ اس کی کتاب چھاپ دی جائے۔ شادی وہ حادثہ ہے جس پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں اتنی تو جنگ عظیم دوم پر نہیں لکھی گئیں۔ ایک دانشور کے بقول شادی پہلے یہ ہوتی تھی کہ باپ بیٹی کا ہاتھ داماد کے ہاتھ میں دیتا تھا' اب باپ بیٹی کا ہاتھ اپنی جیب سے نکال کر داماد کی جیب میں ڈالتا ہے۔ شادی کب کرنا چاہیے؟ یہ تو کوئی کنوارہ ہی بتا سکتا ہے جب کہ شادی کب نہیں کرنا چاہیے' یہ شادی شدہ بتا سکتا ہے۔

اچھی بیوی وہ ہوتی ہے جو خاوند کے ساتھ وہ سلوک نہ کرے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے جبکہ اچھا خاوند وہ ہوتا ہے جو ہونے والا ہو۔ بڑی عورت کے خاوند بڑے ہوتے ہیں۔ آسٹریلیا کے پرائم منسٹر باب ہاک جو ہمارے سابق پرائم منسٹر شیخ رشید کے Tongue Twins ہیں' انہوں نے اپنی کتاب میں مارگریٹ تھیچر کے بارے میں لکھا کہ میں نے ایسی لیڈر نہیں دیکھی جو گفتگو میں لوگوں کو اتنا ٹوکتی ہے کہ بندہ خود کو پرائم منسٹر نہیں' خاوند سسمجھنے لگتا ہے۔ بہرحال عورتوں کی ملکوں پر حکمرانی کرتے دیکھ کر اگر کسی کو حیرانی ہوتی ہے تو وہ کنوارہ ہی ہو سکتا ہے۔

مرد جتنا خیال اپنے بالوں کا رکھتا ہے' اتنا اپنی بیوی کا رکھے تو کبھی طلاق نہ ہو۔ لیکن اب تو شادی کی انگوٹھیاں پہلے سے زیادہ ہلکی اور پتلی پسند کی جاتی ہیں۔ پرانے زمانے میں بڑی موٹی اور بھاری بھاری ہوتی تھیں' ساری زندگی جو چلنا ہوتیں۔ ایک وکیل کے بقول عورتیں طلاق لینے کے لئے جتنے جتن کرتی ہیں' اتنے جتن پہلے کر لیں تو طلاق لینے کی ضرورت ہی نہ پڑے لیکن خود اس کی بیوی کہتی ہے' میں نے اس سے صرف اس لئے شادی کی تھی کہ مجھے اجنبیوں اور ہمسائیوں سے لڑنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ ہم نے وکیل

صاحب سے پوچھا' آپ کی بیوی سارا دن آپ سے کس بات پر لڑتی جھگڑتی رہتی ہے؟ کہا "مجھے نہیں پتا' وہ بتاتی ہی نہیں۔"

URDU4U.COM

صاحب! بیوی کو شادی حق شفعہ اور حق شبہ کے علاوہ دیتی ہی کیا ہے؟ شادی وہ کام ہے جسے آسان سمجھنا بڑا مشکل ہے البتہ مشکل سمجھنا آسان ہے۔ نیا خاوند اور نئی گاڑی پہلے سال بغیر کسی خرابی کے چلتی ہے اور دوسرے سال خرابی کے بغیر چل ہی نہیں سکتی۔ جس خاتون میں کوئی کمی ہو' اس کے ساتھ ہمارے ہاں بڑی زیادتی ہوتی ہے اور جس مرد میں کوئی کمی ہو' اس کے ساتھ اس کے اپنے ہاں بڑی زیادتی ہوتی ہے۔

مغرب کی ایک سروے رپورٹ کے مطابق وہاں کی آدھی شادیوں کا انجام طلاق پر ہوتا ہے' باقی آدھیوں کا انجام کیا ہوتا ہے یہ نہیں بتایا گیا۔ ایک ڈاکٹر کسی میڈیکو لیگل کیس کے سلسلے میں عدالت میں پیش ہوا۔ عدالت نے کہا' آپ یہ نہ کہیں کہ آپ کبھی غلطی نہیں کر سکتے۔ ڈاکٹر نے کہا "میں یہ کب کہہ رہا ہوں' میں نے کبھی غلطی نہیں کی۔" عدالت نے پوچھا "اچھا آپ بتائیں کہ آپ نے کب کب غلطی کی؟" وہ لمحے کے لئے رکا اور بولا "جناب میں نے تین شادیاں کی ہیں۔" یہ حال مردوں کا ہی نہیں' ایک اداکار کہنے لگی۔ "میں خاوند کی وجہ سے پہاڑ پر گرمیاں گزرانے نہ جا سکی۔"

پوچھا "کیوں؟"

بولی "میں چھٹیاں گزارنے پہاڑ پر جانا چاہتی تھی مگر میرا خاوند ------"

"کیا وہ وہاں نہیں جانا چاہتا؟"

کہا "نہیں! مسئلہ یہ تھا کہ وہ بھی وہاں ہی جانا چاہتا تھا۔"

یہی وہ اداکار ہے جس نے کہا تھا میں نے خاوند کو طلاق دے دی ہے اس لئے مجھے گھر کے کام کاج کے لئے ایک نوکر چاہیے۔

ایک صحافی سے ہم نے خوشگوار ازدواجی زندگی کا راز پوچھا تو اس نے کہا "میں اور میری بیوی روز شام کو سیر کرنے جاتے ہیں۔" ہم نے کہا "بہت خوب! مگر کہاں؟" بولا "میں

تو باغ جناح جاتا ہوں' اس کا پتا نہیں۔"

ایک اداکار سے ہم نے خوشگوار ازدواجی زندگی کا راز پوچھا تو بولا "ہماری خوشگوار ازدواجی زندگی کا راز یہ ہے کہ میری گھریلو بیوی کو اس راز کا پتہ نہیں۔" ہمارے جاننے والے ایک ڈاکٹر نے اپنی ازدواجی زندگی کا راز یہ بتایا کہ چار بچوں کے بعد میری وائف مجھے مڈ وائف لگنے لگی ہے۔ مغرب اور ہمارے ہاں اتنا فرق ہے کہ یہاں جب دن ہوتا ہے' وہاں رات۔ ہمارے ایک دوست نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی کہ وہ چھ ماہ میں اس سے ایک لفظ نہیں بولی۔ یہ سن کر اس کا ایک امریکی دوست بولا "وہ چھ ماہ تمہیں ایک لفظ نہ بولی' اتنی اچھی بیوی کو تم نے طلاق کیوں دے دی؟" پہلے کہتے تھے خوبصورت وہ ہے جو صبح منہ دھونے سے پہلے بھی خوبصورت لگے۔ اب تو خوبصورت وہ ہے جو منہ دھونے کے بعد بھی خوبصورت لگے۔ اگر عورت نہ ہوتی تو مردوں کے پاس کچھ نہ ہوتا' سوائے ایک اضافی پسلی کے۔

خاوند کے لئے بیوی کو سمجھنا کوئی مشکل نہیں بشرطیکہ وہ دوسرے کی ہو۔ اچھی بیوی بننے کے لئے اچھی اداکارہ ہونا بہت ضروری ہے۔ بیوی خاوند کے لطیفوں پر اس لئے نہیں ہنستی کہ وہ اچھے ہوتے ہیں' اس لئے ہنستی ہے کہ وہ اچھی ہوتی ہے۔ لیکن الزبتھ کی رائے اکثر رینا رائے ثابت ہوئی۔ اس نے اپنی ایک سہیلی کو کہا کہ تمہارا دولہا جارج واشنگٹن کی طرح ہو گا۔ واقعی لوگوں نے اس کا دولہا دیکھا' وہ وگ پہنتا تھا۔ پتہ نہیں الزبتھ کی یہ بک کسی کی کیا رہنمائی کرتی ہے اگر وہ کچھ رہنمائی کر سکتی ہوتی تو مصنفہ کی نہ کرتی۔ ہم سمجھتے ہیں نئے جیون ساتھی کی تلاش سے لے کر خوشگوار ازدواجی زندگی تک جس بک کی رہنمائی کی قدم قدم پر ضرورت پڑتی ہے وہ بک پہلے سے موجود ہے۔ یہی وہ بک ہے جس کی وجہ سے بیشتر شادیاں کامیابی سے چل رہی ہیں اور وہ ہے چیک بک۔

• وزیر جنگ

اطہر مسعود ان لوگوں میں سے ہیں جن سے پہلی ملاقات میں ہی آپ کو محبت ہو جاتی ہے جسے کم کرنے کے لئے ان سے کئی بار ملنا پڑتا ہے۔ ایسی شکل و صورت والے بندے کا سکینڈل نہ ہونا اس کے لئے بڑی رسوائی کی بات ہے۔ وہ صحافی ہیں اور صحافی سے تو بندہ شرط بھی یہ لگاتا ہے کہ اگر میں ہار گیا تو تمہیں سات دن تک کھانا کھلاؤں گا اور اگر تم ہار گئے تو تم سات دن تک اپنے گھر سے کھانا کھاؤ گے لیکن روزنامہ جنگ کے ایگزیکٹو ایڈیٹر اطہر مسعود صاحب جس گھرانے سے ہیں' وہاں کا ماحول اتنا ادبی و علمی تھا کہ بچے کا بڑے ہو کر صحافی بننے کا سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ بچپن میں ہر کسی میں بڑی بڑی خوبیاں ہوتی ہیں۔ جو اس وقت تک رہتی ہیں جب تک وہ بڑا نہ ہو جائے۔ ویسے آج کل اگر کوئی بچہ بات بات پر لڑے' دوسرے کو گالی اور الزام دے' مائیک دیکھتے ہی اسے چھیننے کو دوڑے تو محلہ والوں کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ بڑا ہو کر ضرور ایم پی اے یا ایم این اے بنے گا۔ اطہر صاحب بچپن میں اتنے تیز تھے کہ ایک دفعہ سیڑھی کے اوپر والے ڈنڈے پر کھڑے تھے کہ ان کے ہاتھ سے چونی گر پڑی۔ جب یہ نیچے اترے تو چونی ان کے سر پر آ گری۔ ان کے والد چاہتے تھے ملک کی تعمیر میں حصہ لیں' شاید اسی لئے وہ انہیں انجینئر بنانا چاہتے تھے کیونکہ آج کل انجینئر ہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ تعمیر میں حصہ لے رہے ہیں۔ ٹیچر انہیں کلاس سے نکال دیتا کہ تم جاؤ' تمہیں تو پہلے ہی سب آتا ہے۔ انہوں نے روزنامہ جنگ میں دس سالوں میں پندرہ سال کام کیا۔

ان کے اتنا بڑا جرنلسٹ بننے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ ایم اے جرنلزم نہیں ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں جرنلزم میں ان کی عزت بڑے بھائی اظہر سہیل کی وجہ سے ہے۔ ان کا تو پتہ نہیں محلے میں ہماری عزت اپنے چھوٹے بھائی کی وجہ سے ہے۔ محلے والے

اس کی حرکتوں سے اتنا تنگ ہیں کہ اب ہمیں اچھا سمجھنے لگے ہیں۔ اخبار کے لئے اطہر صاحب نے جو سب سے پہلی تحریر لکھی' وہ استعفیٰ تھا جو انہوں نے "چٹان" کے لئے لکھا۔ ان دنوں کسی سے "چٹان" کا مطلب پوچھا تو جواب ملتا "شورش کاشمیری" ------

URDU4U.COM

اطہر مسعود صاحب نے شورش مرحوم سے یہ سیکھا کہ کیا نہیں لکھنا چاہیے' کیا لکھنا چاہیے۔ یہ قمر اجنالوی صاحب سے سیکھا۔ اجنالوی صاحب اس معاملے میں اتنے سخت تھے کہ اگر کوئی غلطی کرتا تو اسے اپنا پورا ناول پڑھواتے۔ اطہر صاحب نے رپورٹنگ مصر اور اسرائیل کی جنگ کی خبریں سن کر شروع کی اور آج وہ جس مقام پر ہیں' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جنگوں کے کتنے دور رس نتائج نکلتے ہیں۔ وہ امن پسند نہیں "جنگ پسند" ہیں۔ انہیں جنگ اچھی نہیں لگتی' جنگ اچھا لگتا ہے۔ اس کی ترقی پر وہ جامے بلکہ پاجامے میں پھولے نہیں سماتے۔ ہم نے ایک دوست سے ان کے لباس کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا "پہن لیتے ہیں" ویسے موسم کے حساب سے لباس پہنتے ہیں یعنی گرمیوں میں گرم اور سردیوں میں سرد۔ گرمیوں میں تھری پیس سوٹ انہیں سوٹ کرتا ہے۔ مصطفیٰ کھر صاحب کو تو اس موسم میں ہم نے فور پیس میں دیکھا ہے۔ جی ہاں تھری پیس میں وہ ملبوس ہوتے ہیں اور ایک پیس ساتھ ہوتا۔ اطہر صاحب کا لباس صحافیانہ نہیں ہوتا۔ ہمارے ایک جاننے والے درزی نے بتایا کہ صحافی سوٹ وہ ہوتا ہے جس میں جیب نہیں ہوتی' وہ اس لئے کہ انہوں نے کونسا اپنی جیب میں کبھی ہاتھ ڈالنا ہوتا ہے۔

اطہر مسعود صاحب کا مشغلہ گلے کے لئے ٹائیاں جمع کرنا ہے۔ پرانی ٹائیوں کو یہ کہہ کر دوسرے کو دے دیتے ہیں کہ یہ مجھے تنگ ہو گئی ہے۔ انہیں آٹھ دس ہزار شعر یاد ہیں مگر شرافت دیکھئے کہ کسی اکیلے بندے کو دیکھ کر "شعر کوبی" کے لئے بڑھتے۔ ایسی میٹھی شخصیت کہ روز ملنے پر ذیابیطس ہونے کا ڈر رہتا ہے۔ طبیعت ایسی ہے جیسی ہماری ہے اور ہماری طبیعت ایسی ہے کہ نیلی چھتری والے سے اس لئے "نیلی" نہیں مانگتے کہ پھر اس کے پاس صرف "چھتری" ہی رہ جائے گی۔ شروع میں جس کے ساتھ

زیادتی کرتے' بعد میں اس سے معافی مانگ لیتے۔ سو جس کی بے عزتی کرتے' رج کے کرتے اس لئے کہ بعد میں معافی تو مانگ ہی لینا ہے۔ پھر وہ وقت آیا کہ سارا دن پچھلے دن کی معافیاں مانگتے رہتے۔ نئی بے عزتی کرنے کا وقت ہی نہ ملتا۔ تب سے غصے میں آ کر انہوں نے دوسروں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیا ہے۔ اب جسے بے عزت وقت کرنا ہو' اس کی زیادہ عزت کرنے لگتے ہیں۔ ریسلنگ دیکھنے کا شوق ہے' اس کے لئے اکثر ٹی وی پر کشتیاں دیکھتے ہیں۔ کبھی کبھی اسمبلی میں بھی چلے جاتے ہیں۔ یہ ان لوگوں سے زیادہ اچھے ہیں جو ان سے کم اچھے ہیں۔ لکھنے والے صحافی نہیں' پڑھنے والے صحافی ہیں۔ ڈائجسٹ تو منٹوں میں ڈائجسٹ کر جاتے ہیں۔

سرخی لگانے کے فن میں ماہر ہیں۔ اس کے انہیں کئی طریقے آتے ہیں۔ ہمیں تو بس ایک ہی طریقہ آتا ہے' وہ ہے سرخی ہونٹوں پر مل لی جائے۔ دفتر آ کر سٹاف سے یوں محبت سے ملتے ہیں کہ ان کو شک ہونے لگتا ہے کہ کہیں اطہر صاحب کو نوکری سے نکال تو نہیں دیا گیا۔ زمانہ بدلا' پہلے بلی راستہ کاٹ جاتی تو لوگ پلٹ آتے۔ اب ٹی اینڈ ٹی والے راستہ کاٹ جائیں تو لوگ واپس پلٹ آتے ہیں۔ بڑے لوگوں کو مرنے کے بعد عزت ملتی ہے اس لئے جسے مرنے سے پہلے عزت مل جائے اس کا بڑا ہونا مشکوک ہو جاتا ہے۔ ہمارے ادیب شاعر تو عزت حاصل کرنے کے لئے یہ تک کرنے کو تیار ہیں کہ کچھ دنوں کے لئے مر کے ہی دیکھ لیں۔ بہرحال حکومت نے اطہر مسعود صاحب کو زندگی میں ہی عزت دی اور تمغہ برائے حسن کارکردگی دیا۔ اللہ نے انہیں پہلے ہی تمغہ حسن برائے کارکردگی دے رکھا ہے۔ اطہر مسعود ان صحافیوں میں سے ہیں جن کے لئے عزت کا باعث یہ ہے کہ حکومت اور لوگوں نے انہیں پہچانا جبکہ ہمارے بیشتر صحافیوں کی عزت اسی وجہ سے ہے کہ لوگوں نے ابھی تک انہیں پہچانا نہیں۔

○○○

• دروغ بر گردن دروغہ

آسکر وائلڈ نے کہا تھا تاریخ کو Rewrite کرنا چاہیے۔ دروغ بر گردن دروغہ چیئرمین قومی کمیشن برائے تاریخ و ثقافت' تاریخ کو Reright کرنا چاہتے ہیں۔ تاریخ سے ہمیں خود اتنی دلچسپی ہے کہ ہم تو ہر کسی سے یہی پوچھتے رہتے ہیں۔ "آج کیا تاریخ ہے؟" ہمارے والد صاحب کو بھی ہماری تاریخ سے اتنی دلچسپی تھی کہ تاریخ کی کلاس میں سب سے پہلے پہنچتے تا کہ آخری بنچ پر جگہ مل سکے۔ ہمارے تاریخ کے ٹیچر سے جو والد صاحب کے بھی تاریخ کے ٹیچر رہ چکے ہیں' والد صاحب نے پوچھا "ہمارا بیٹا تاریخ میں کیسا ہے؟" تو ٹیچر نے کہا "آپ کو تو پتہ ہے تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔" ویسے کہتے ہیں تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے اور مورخ ایک دوسرے کو دہراتے ہیں۔ تاریخ مرتب کرنے والے کے مراتب سے ہم آگاہ ہیں۔ وہ تو ایک ایسا کام بھی کر سکتا ہے جو کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ وہ ماضی کو بدل سکتا ہے۔ کہتے ہیں شاعر بھی دراصل تاریخ لکھتے ہیں۔ ہم خود ایک ایسے شاعر کو جانتے ہیں' وہ جب غزل لکھتے ہیں تو اس کے ایک کونے میں تاریخ ضرور لکھتے ہیں۔ موصوف نے علم و فضل کا یہ عالم ہے کہ ایک خاتون انہیں ہر خط کے شروع میں 786 لکھتی۔ آخر ایک دن انہوں نے اسے لکھ ہی دیا کہ آپ ہر بار فون نمبر تو لکھ دیتی ہیں مگر یہ نمبر نہیں ملتا۔ یہ تو ہم بھی مانتے ہیں کہ نئی نسل کو تاریخ پڑھانا اچھے مستقبل کے لئے ضروری ہے۔ جی ہاں! تاریخ پڑھانے والے اساتذہ کے اچھے مستقبل کے لئے ورنہ تو وہ بیروزگار ہو جائیں گے۔ اب تو قومی کمیشن برائے تاریخ و ثقافت' تاریخ رقم کرنے والوں کو بھی رقم دے گا اور پھر "نذر ثانی" شدہ ایڈیشن بھی شائع کیا کرے گا۔

اپنے بزرگوں کی تاریخ پڑھ کر یہ پتہ لگا کہ وہ ہر وقت شادی اور جنگ کے لئے پا بہ رکاب رہتے تھے۔ سچی بات ہے ہم کئی سالوں سے ایک ہی تاریخ پڑھ پڑھ کر بور ہو

گئے تھے۔ سو خوشی ہوئی کہ چیئرمین قومی کمیشن برائے تاریخ و ثقافت فخر زمان صاحب نئی تاریخ لکھوانے لگے ہیں۔ ہم فخر زمان کو تب سے جانتے ہیں جب وہ ٹی وی اسکرین کی بجائے اپنے گھر میں مقیم ہوا کرتے تھے۔ ایسی شخصیت ہیں کہ ان کے چہرے پر بھی جمہوریت نظر آتی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ تاریخ بھی جمہوری انداز سے لکھوائیں گے' اندازے سے نہیں۔ جمہوری تاریخ کا ذکر خواجہ معین الدین نے اپنے ایک ڈرامے میں یوں کیا ہے۔ ایک استاد شاگردوں سے پوچھتا ہے "جو کہتے ہیں بابر ہمایوں کا بیٹا تھا' وہ ہاتھ کھڑا کریں۔" چار طالب علموں ہاتھ کھڑا کرتے ہیں۔ استاد پھر پوچھتا ہے "جو کہتے ہیں اکبر ہمایوں کا بیٹا تھا' وہ ہاتھ کھڑا کریں۔" تین طالب علم ہاتھ کھڑا کرتے ہیں تو استاد کہتا ہے' پس جمہوریت کی رو سے ثابت ہوا کہ بابر ہمایوں کا بیٹا تھا۔ اب تو جمہوریت کی تعریفیں یوں بھی ہونے لگی ہیں۔

Government off the peoples government far from the peoples and government to buy the peoples is democracy.

تاریخ سے ہم نے یہی سبق سیکھا کہ تاریخ سے کسی نے سبق نہیں سیکھا۔ ہماری ہسٹری تو چند لوگوں کی لائف ہسٹری ہے۔ یہ آٹو موبائل اور آٹو بائیو گرافی کا دور ہے۔ ہمیں یاد ہے ایک سیاستدان نے جو ہسٹری شیٹر ہے' اپنی ذاتی ہسٹری چھپوانے کے لئے ایک ادیب کو بیس ہزار دیئے۔ ادیب نے یہ نہ پوچھا کہ اچھی ہسٹری لکھنا ہے یا سچی۔ یوں اس نے جو لکھا اسے پڑھ کر اس سیاستدان نے اسے اور بیس ہزار دیئے اور کہا کہ اس مسودے کو ضائع کر دو' یہ چھاپنے کے نہیں چھپانے کے قابل ہے۔ انتھولی فرانس بھی کہتا ہے

تاریخ کی جس کتاب میں کوئی جھوٹ نہیں' وہ بڑی تھکا دینے والی اور بور ہوتی ہے۔ ہم نے تو ازبکستان میں تاریخ کی کتابوں کو فکشن کے سیکشن میں دیکھا۔ تاریخ لکھنا تخلیقی کام ہے جیسے کچھ لوگ کہتے ہیں ضیاء آمریت کا دور ختم کرکے جونیجو مرحوم پاکستان میں جمہوریت لائے۔ کچھ یہ سہرا محترمہ بے نظیر بھٹو کے سر باندھتے ہیں لیکن بقول شخصے پاکستان میں جمہوریت جونیجو لائے' نہ بے نظیر' جمہوریت تو C-130 لایا۔ ٹھیک ہی تو ہے ہمارے ہاں حکمران انتقال اقتدار کو اپنا ذاتی انتقال ہی خیال کرتے ہیں۔ ہسٹری نہ ہوئی ہسٹریا ہو گیا۔ ہمیں اپنی تاریخ کے ہر موڑ پر پرامید قومی ہیرو ہی دکھائی دیتے ہیں۔ فخر زمان صاحب کی تاریخ سے ہمیں یہ امید ہے کہ اس میں کوئی ہیروئین بھی دکھائی دے گی۔

اسلام آباد دارالخلافہ ہے۔ اسی لئے یہاں بڑے بڑے خلیفہ پائے جاتے ہیں۔ یہی چند لوگ تاریخ بنانے میں حصہ لیتے ہیں۔ باقی عوام تو اپنے اپنے کاموں میں لگے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں آج کی تاریخ اخبار رقم کر رہے ہیں۔ واقعی یہ تاریخ ان کی پیشانی پر درج ہوتی ہے جو روز بدلتی ہے جیسے نپولین بونا پاٹ کو فرانس سے باہر رہنے کے دوران جب یہ علم ہوا کہ فرانس میں داخلی بغاوت سر اٹھا چکی ہے اور اس کی جگہ کوئی دوسرا حکمران بن بیٹھا ہے تو نپولین نے اپنی فوج کو فرانس واپسی کا حکم دیا۔ جب نپولین کی واپسی کی خبر مشہور ہوئی تو فرانس کے اخبارات نے اس روز خبر کو اس سرخی کے ساتھ شائع کیا۔ "وحشی درندہ پھر فرانس کی طرف بڑھ رہا ہے۔" جب نپولین فرانس کی سرحدوں کے قریب پہنچا تو اخبار نے یہ سرخی لگائی "قاتل فرانس کی طرف آ رہا ہے۔" نپولین جب فرانس میں داخل ہو چکا تو اخباروں کی سرخی تھی "نپولین بونا پاٹ فرانس میں داخل ہو چکا ہے۔" اور جب نپولین پیرس سے چند میل کے فاصلے پر رہ گیا تو اخبارات نے اس خبر کو اس شہ سرخی کے ساتھ شائع کیا "عالی مرتبت' جہاں پناہ' شہنشاہ فرانس کل پیرس کا دورہ کر رہے ہیں۔"

کسی سیانے کی بات ہے' اب آپ کو کیا بتائیں جس سیانے کی بات یاد رہتی ہے' اس کا نام یاد نہیں رہتا۔ جس کا نام یاد رہتا ہے' اس کی بات یاد نہیں رہتی۔ بہرحال کسی سیانے کی بات ہے کہ کسی قوم کی تاریخ ان تین کتابوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایک اس قوم کے اعمال کی کتاب' دوسری اس قوم کے فکر و نظر پر مشتمل کتاب اور تیسری اس قوم کے آرٹ پر لکھی کتاب۔ ان تین کتابوں میں کسی ایک کی اس وقت تک سمجھ نہیں آتی جب تک دوسری دو کو بھی نہ پڑھا جائے لیکن ان تینوں کتابوں میں سب سے معتبر تیسری ہی ہوتی ہے۔

○○○

• واہ آرڈی نینس فیکٹری

ہم سمجھتے ہیں قرضہ لینا ایک غیر ذمہ دارانہ فعل ہے۔ اس سے غیر ذمہ دارانہ فعل اگر کوئی ہے تو وہ ہے قرض واپس کرنا لیکن صدر پاکستان جناب فاروق لغاری صاحب نے قومیائے گئے بینکوں کے ترمیمی آرڈی نینس 74ء کے تحت قرض نہ لوٹانے والوں کو سینٹ کے انتخاب سے بھی باہر کر دیا ہے۔ یہی نہیں امیدوار کی اس امید پر بھی وار کیا ہے کہ وہ اپنا بینک بیلنس چھپا سکے گا۔ کئی آردی نینسوں کے اجراء کے باعث گوہر ایوب صاحب کے نزدیک ایوان صدر "فاروق آرڈی نینس فیکٹری" بن گیا ہے۔ ویسے ہمارا ملک صدر ضیاء کے دور میں ہی اس انڈسٹری میں اتنا آگے تھا کہ ہمارے آگے اگر کچھ ہوتا تو وہ آرڈی نینس ہی ہوتا تھا۔ حدود آرڈی نینس سے محدود آرڈی نینس تک ہر مال ملتا تھا۔ اس حساب سے تو ہم ایوان صدر کو "واہ آرڈی نینس فیکٹری" بلکہ واہ واہ آرڈی نینس فیکٹری کہہ سکتے ہیں۔

ہمارے ہاں اتنے آرڈی نینس کیوں جاری ہوتے ہیں' یہ پتہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے ہمارے ایک دوست نے کہا "یار مجھے سمجھ نہیں آتی گوجرانوالہ میں اتنے بٹ کیوں ہوتے ہیں؟ پھر ایک دن خود ہی کہنے لگا' مجھے پتہ چل گیا ہے اور اس نے ہمیں گوجرانوالہ کے قریب فیکٹری کا بورڈ دکھایا جس پر لکھا تھا "بٹ مینوفیکچرنگ انڈسٹری"

ہم طنز و مزاح نگار ہیں اور طنز و مزاح نگار کا یہ مسئلہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کی سنجیدہ بات کو مزاح سمجھتے ہیں اور اس کی مزاحیہ باتوں کو سنجیدگی سے لیتے ہیں۔ طنز نگار فکر تونسوی کہتے ہیں' لوگ میری ہر بات کو دوسری پر طنز سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ تو میرے چہرے کو بھی اپنے چہروں پر طنز سمجھتے ہیں۔ بہرحال ہم سمجھتے ہیں مرد سے اس کا بینک بیلنس اور عورت سے عمر پوچھنا بد ذوقی ہے۔ ہو سکتا ہے نوابزادہ نصر اللہ صاحب اسے بے پردگی بھی قرار دیں کیونکہ ایک اطلاع کے مطابق ان کا بینک بیلنس

پانچ روپے ہے۔ بینک نے اسے کیسے بیلنس کیا ہوا ہے' اس کا تو ہمیں پتہ نہیں۔ اپنا بھی یہی حال ہے کہ ہم بینک والوں سے کہیں کہ وہ ہمارا بیلنس چیک کریں تو وہ ہمیں دھکا دے کر ہی بتا سکتے ہیں کہ ہم بیلنس ہیں یا نہیں۔ اگرچہ نوابزادہ صاحب جب اپچی سن میں پڑھتے تھے تو گھر جو خط لکھتے' وہ پڑھنے کے لئے ڈکشنری اور چیک بک کنسلٹ کرنا پڑتی۔ اب نوابزادہ صاحب کے بینک میں اتنا "زر" شاید اس لئے ہو کہ وہ شاعر بندے ہیں۔ ہمارے ایک تاجر گوجرانوالہ سے لاہور ویگن پر آتے جاتے ہیں اور راستے میں شاعری کی کتابیں پڑھتے یا ہم سفروں کو شعر سناتے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کیش لے جانے کا سب سے محفوظ طریقہ یہی ہے' جیب کترے شاعر سمجھ کر توجہ نہیں دیتے۔ ویسے آج کل شاعری میں بھی آمد کم اور آمدن زیادہ ہو رہی ہے۔ سنا ہے ایک دفعہ حفیظ جالندھری صاحب نے انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں نظم سنائی تو جلسے میں پونے تین سو روپے چندہ اکٹھا ہوا۔ دو سو روپے چندہ ایسے شخص نے دیا جو بہرہ تھا۔ بہرے اور بے بہرے بھی نوابزادہ صاحب کی شاعری سن کر اتنا خوش ہوتے ہیں کہ ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ شاعری بھی فنون "لطیفہ" میں سے ہے۔ ان کی شاعری میں زلف و رخسار کا ذکر نہیں ہوتا۔ جب صدر ضیاء الحق کی مانگ کی بڑی مانگ تھی تب بھی نواب صاحب کی مانگ کچھ اور ہی تھی۔ ان کے آم لیڈر اس محبت سے چوستے ہیں کہ ہمیں آم کی جمع عوام لگتی ہے۔ اگرچہ نواب صاحب اپنے پلے کے حساب سے پانچ روپوی دیں لیکن کوئی ہزاروی اور لکھوی ان کے پلے کا نہیں۔

غریب ایک طرح کے ہوتے ہیں اور امیر ہر طرح کے۔ غریب کے بچے اور امیر کے رشتے دار بہت ہوتے ہیں' ہمارے غریب کیا کرتے ہیں۔ ان کے بچوں کی تعداد سے تو لگتا ہے' وہ یہی کرتے ہیں مگر بینک ڈکشنری میں غریب وہ ہوتا ہے جسے بینک ادھار نہ دے اور جو بینکوں کا کروڑوں کا مقروض ہو' وہ امیر کہلاتا ہے۔ آج کل مہنگائی کی وجہ سے کار ہونا اور بیکار ہونا کوئی سفید پوش افورڈ نہیں کر سکتا اور سفید پوش ہونا

کوئی سیاستدان افورڈ نہیں کر سکتا کیونکہ دولت وہ زبان ہے جس میں سیاستدان سب سے اچھی تقریر کر سکتا ہے۔ اگرچہ بینک آپ کو تب رقم دیتے ہیں جب آپ ثابت کر دیں کہ آپ کو اس کی ضرورت نہیں اور جو بینک سے تھوڑی رقم لیتے ہیں' وہ بینک کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں اور جو زیادہ رقم لیتے ہیں' بینک ان کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔ لیڈر بینک سے قرضہ لیتے ہیں تا کہ ووٹ بینک بنا سکیں اور ووٹ بینک اس لئے بناتے ہیں تا کہ اور قرضہ لے سکیں کیونکہ قرضہ ان پر فرض ہے۔

انقلاب فرانس کے بعد ایک لیڈر نے کہا' میرے پاس آج جو کچھ ہے' وہ سب آپ غریبوں کی وجہ سے ہے۔ مجمع میں سے ایک شخص نے اٹھ کر کہا "آپ ٹھیک کہتے ہیں' میں نے اپنی کچھ چیزیں پہچان بھی لی ہیں۔" پیسے کا مسئلہ ہو تو پائے کے لیڈر بھی پائی کے لیڈر نکلتے ہیں۔ پنڈت نہرو جب پرائم منسٹر تھا تو وہ ارکان اسمبلی سے اتنا تنگ آیا کہ اس نے ان کی تنخواہ میں اضافے کا فیصلہ کر لیا۔ پہلے تنخواہ چار سو روپے تھے' اس نے بڑھا کر چار سو بیس کر دی۔

ہمارے ہاں امیر بننے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے' چار بندے اکٹھے کرکے مذہبی جماعت بنائیں اور اس کے امیر بن جائیں۔ لکھ پتی بننے کی تو ہمارے پاس بھی کئی تراکیب ہیں' بس اس کے لئے ضروری ہے کہ بندہ پہلے کروڑ پتی ہو۔ پچھلے دنوں ایک امریکی سیاستدان نے کتاب لکھی "غریبی ختم کرنے کے جدید طریقے" آپ پوچھیں گے' اس کتاب سے کسی کی غریبی ختم ہوئی؟ جی ہاں یہ کتاب اتنی بکی کہ آج اس کا مصنف لکھ پتی ہے۔

ہم اپنے لیڈروں سے یہ تو نہیں کہتے کہ "قومی بینک میں جمع کرانے کی بجائے بیوگان و مساکین کے پیٹ میں جمع کر کہ یہاں سے کوئی چوری کر سکتا ہے نہ ضائع" کیونکہ وہ پہلے کون سے بینکوں میں جمع کراتے ہیں البتہ قومی غیرت کا سودا نہیں کرتے اس لئے کبھی ادھار لینا ہو تو کسی غیر بینک کی طرف نہیں جائیں گے' قومی بینک سے ہی

لیں گے۔ ہمیں لگتا ہے یہ آرڈی نینس بینکوں کی حالت بہتر بنانے کے لئے ہے کیونکہ قومیائے بینک ایسے کومے میں ہیں کہ انہیں کومیائے بینک کہہ سکتے ہیں۔ تازہ سروے رپورٹ کے مطابق 47ء سے آج تک بینکوں سے ڈاکوؤں نے جتنی رقم لوٹی ہے' یہ اس کا دس فیصد بھی نہیں جو سیاستدانوں نے لی اور لوٹائی نہیں۔

URDU4U.COM

○○○

• SIN - SOR BOARD

دنیا میں جو شپ بہت مشہور ہوئے ہیں' ان میں برطانیہ کا الزبتھ شپ سپین کا آرمیڈا شپ اور پاکستانی سنسر شپ اہم ہے۔ ضیاء دور میں تو ایک وقت ایسا بھی آیا جب لفظ سنسر بھی سنسر ہونے لگا۔ فلم سنسر شپ نے تو اتنا بور کیا ہے کہ ہمیں تو یہ بورڈ' بور ہی کا کوئی صیغہ لگتا ہے۔ اس لئے پچھلے دنوں جب ایک سفارشی کو فلم سنسر بورڈ کا ممبر بنایا گیا تو دوستوں نے کہا' اس زیادتی پر احتجاج کرنا چاہیے تو ہم نے کہا' اگر وہ ممبر خود اس پر احتجاج نہیں کرتا تو پھر ہم کیوں کریں کیونکہ ہمیں تو جہاں ان ممبران پر یہ رشک آتا ہے کہ فلم کے وہ حصے جو ہمارے دیکھنے والے ہوتے ہیں' انہیں وہ دیکھ جاتے ہیں بلکہ کاٹ کر لے جاتے ہیں' وہاں ان پر رحم بھی آتا ہے کہ انہیں پوری فلم دیکھنا پڑتی ہے اور ہماری فلمیں ایسی ہیں کہ ہم نے ایک ممتاز فزیشن سے پوچھا "سر درد دیکھنے میں کیسا ہوتا ہے؟" تو اس نے کہا "ہماری فلموں جیسا" ------ لیکن اسمبلی میں ایک سوال کے جواب میں وفاقی وزیر میر افضل خان صاحب نے کہا ہے کہ سنسر بورڈ میں صرف اہل علم کو ہی نمائندگی دی جائے گی۔ اگرچہ ابھی تک یہ پتہ نہیں چلا کہ یہ فیصلہ فلم والوں کو ٹھیک کرنے کے لئے گیا گیا ہے یا اہل علم کو "ٹھیک" کرنے کے لئے البتہ یہ پتا ہے کہ فلم انڈسٹری میں اعلیٰ تعلیم یافتہ اداکارہ سے مراد یہ ہوتا ہے کہ اس نے میٹرک کیا ہوا ہے۔ پھر امریکی مزاح نگار راجر وولز کا ارشاد بھی ریکارڈ پر ہے۔ وہ کہتا ہے فلم انڈسٹری کو صرف ایک چیز تباہ کر سکتی ہے' وہ ہے تعلیم۔ سنسر والے فلم کا وہ حصہ جو اچھا ہوتا ہے' اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ جو اچھا نہیں ہوتا' صرف اسے اچھی طرح دیکھتے ہیں۔ فحاشی کیا ہے؟ جارج برنارڈشا تو کہتا ہے' فحاشی ہر کتاب میں ڈھونڈی جا سکتی ہے' صرف ایک کتاب جس میں فحاشی نہیں' وہ ہے ٹیلیفون ڈائریکٹری۔ یہ بات پرانی ہو گئی اب تو دنیا کی آدھی فحش باتیں اسی کتاب کے نمبروں

پر ہوتی ہیں۔ ہم نے ایک عالم سے پوچھا "فحاشی کی تعریف کریں۔" تو انہوں نے ڈانٹتے ہوئے کہا کہ ایسا زمانہ کبھی نہ آئے گا جب ہمارے ہاں فحاشی کی بھی تعریفیں ہوں گی۔ بہرحال سابقہ سنسر بورڈ کے ایک ممبر نے ہمیں فلم میں فحش سین کی یہ پہچان بتائی کہ یہ وہ ہوتا ہے جسے دوبارہ دیکھنے کو دل چاہے۔

URDU4U.COM

ہمارا فلمی معیار کتنا بلند ہے؟

اداکارہ بابرہ شریف نے کہا "چار فٹ 11 انچ"

ہمارے فلمسازوں نے اتنی فلمیں نہیں بنائیں جتنا فلموں نے انہیں بنایا ہے۔ ہماری ایک فلم بھارت کی تین چار فلموں کے برابر ہوتی ہے کیونکہ بھارت کی تین چار فلموں کی کہانی مل کر کہیں ہماری ایک فلم کی کہانی بنتی ہے۔ ہماری ہر فلم میں ہیرو انتقام لے رہا ہوتا ہے اور لگتا ہے دیکھنے والوں سے انتقام لے رہا ہے کیونکہ اکثر فلمیں کیمرے سے شوٹ نہیں کی جاتیں' کلاشنکوف سے شوٹ ہوتی ہیں۔ چھوٹی اسکرین اور بڑی اسکرین میں یہ فرق ہے کہ چھوٹی سکرین کی خامیاں بڑی اسکرین میں اتنے گنا بڑھ جاتی ہیں۔ ٹی وی اور ریڈیو میں یہ فرق ہے کہ ریڈیو پر آپ بور پروگرام نہیں دیکھتے' سنتے ہیں۔ ہمارا ٹی وی ترقی کر رہا ہے اور اگر اسی طرح ترقی کرتا رہا تو چند سالوں میں وہی معیار حاصل کر لے گا جو آغاز کے وقت تھا۔ ٹی وی ڈرامہ جس می ملک کے سب سے بڑے اداکار حصہ لیتے ہیں' اسے خبرنامہ کہتے ہیں۔ ہر جگہ سنسر شپ ہونے کے باوجود کہنے والے پھر بھی بات کہہ جاتے ہیں۔ جیسے کسی بات پر اکبر الہ آبادی نے عدالت میں کہہ دیا "کون سالا ایسا کہتا ہے؟" ایک وکیل نے کہا "یہ توہین عدالت ہے' انہوں نے گالی دی ہے' انہیں سزا ملنا چاہیے۔" تو اکبر الہ آبادی نے کہا "میں نے تو کہا ہے' کون سا Law ایسا کہتا ہے۔"

ہم سمجھتے ہیں سنسر بورڈ جمہوری دور کا آئینہ دار ہونا چاہیے۔ سنسر بورڈ میں علماء بھی ہونے چاہئیں' آخر ہمارے ہاں نوے فیصد لوگ فلم نہیں دیکھتے' پھر بھی بہت سے لوگ

فلم دیکھتے ہیں مگر ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ ان کی نمائندگی بھی تو ہونا چاہیے۔ سنا ہے پہلی بار جب علماء کو فلمی سنسر بورڈ میں شامل کیا گیا تو وہ فلم دیکھ کر حیران رہ گئے کہ تصویریں بھی چلتی پھرتی اور بولتی ہیں۔ یہی نہیں مختلف مکتبہ فکر کے علماء کو تین گھنٹے ایک دوسرے کے پاس بیٹھنے کا موقع مل جائے گا۔ ہم تو کہتے ہیں سنسر بورڈ میں درزی بھی ہونا چاہیے کہ اس سے اچھی قینچی کون چلا سکتا ہے۔ ویسے اگر درزی فلم یونٹ میں ممبر ہو تو سنسر کی ضرورت ہی نہ رہے۔ ابن انشاء تو کہتے ہیں "جاٹ حضرات بھی ایک فلم کا نام بدلوا چکے ہیں۔ وہ جو "جٹی" تھی آخر "چٹی" بن کر ریلیز ہوئی۔ آئندہ بھی غلطی کا احتمال ہے' لہٰذا لازم ہے کہ ایک جاٹ بھی سنسر کے وقت کھاٹ ڈالے سنسر بورڈ میں مستقل بیٹھا ہو' جہاں کوئی بات خلاف مزاج پائی' وہیں اس نے فلم پروڈیوسر کے دھول جمائی۔"

ہمارے ہاں حکومت تفریح دینے کے لئے ٹی وی نشریات کا دورانیہ بڑھا رہی ہے جب کہ کہتے ہیں ہنگری کی حکومت نے عوام کو تفریح کے لئے بڑا اہم قدم اٹھایا ہے جس وجہ سے ہر پیر کی شب' سڑکوں پر رونق' کلبوں میں ہجوم' تھیٹروں میں رش' آرٹ کی نمائش اور پارٹیاں ہوتی ہیں۔ یہ صرف پیر کے روز ہوتا ہے۔ لوگ سکھ کا سانس لیتے ہیں۔ اس روز میلے کی وجہ محض یہ ہے کہ پیر کو ہنگری ٹی وی کی سکرین تاریک ہوتی ہے' اس روز ٹی وی کی چھٹی ہوتی ہے۔ ہماری فلموں میں بھی تفریح دوگنی ہو سکتی ہے بس ان کا دورانیہ تین گھنٹے کی بجائے ڈیڑھ گھنٹہ کر دیا جائے۔ جہاں تک صاف ستھری معیاری فلم کا تعلق ہے تو جیسے انتظار حسین نے انور سجاد کے بارے میں لکھا کہ انور سجاد افسانہ اب بھی لکھ رہے ہیں' اگرچہ وہ مختصر سے مختصر ہوتا جا رہا ہے۔ یاروں کو اندیشہ ہے کہ ایک روز انور سجاد خالی کاغذ لے کر آئیں گے اور کہیں گے' یہ افسانہ میں نے لکھا ہے اور مداحوں کے لئے یہ انور سجاد کا سب سے اچھا افسانہ ہو گا۔ ایسے ہی ہمارے ہاں سب سے صاف ستھری فلم وہی ہو گی جس کا فیتہ شوٹ نہیں کیا گیا

ہو گا۔

○◯○

• چار کا ٹولہ

چار کے ٹولے میں یہی بات مشترک ہے کہ سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ان چاروں میں اس قدر اتفاق ہے کہ بس اتفاق ہی سے اکٹھے ہوتے ہیں۔ ان میں علی اکبر عباس' نذیر ناجی سے چھوٹا' علی اصغر عباس سے بڑا اور رضا سہیل سے بہت بڑا ہے۔ چاروں بھائیوں نے والد سے سوائے ذہانت کے کچھ نہیں لیا اور دیا بھی کچھ نہیں۔ سب نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کام دکھایا۔ علی اکبر ایک بار الیکشن ہارا تو علی اصغر دو بار اور رضا سہیل مزید اور بار۔ ان میں نذیر ناجی کا تعلق بائیں بازو' علی اکبر کا دائیں بازو سے جبکہ علی اصغر عباس دائیں بائیں ہو جاتا ہے تاہم رضا سہیل کا تعلق بازوؤں سے نہیں بانہوں سے ہے۔

رضا سہیل نر بچہ ہے۔ علی اصغیر نرا بچہ ہے اور نذیر ناجی بوڑھا بچہ ہے۔ جبکہ علی اکبر عباس کا ابھی پتہ نہیں چلا وہ بچہ ہے' جوان ہے یا بوڑھا۔ وہ ہر عمر کے لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ جس عمر کے لوگوں کے ساتھ بیٹھتا ہے۔ انہی کی عمر کا لگتا ہے۔ علی اکبر کا پیٹ عمر اور سائز میں علی اصغر سے بڑا ہے جبکہ نذیر ناجی اور رضا سہیل پیٹ کے ہلکے ہیں۔

نذیر ناجی اس قدر مذہبی ہے کہ جو بھی غلام مصطفیٰ نظر آئے وہ کہیں کا بھی ہو اسی کے پیچھے چلنے لگتا ہے۔ اندر سے بھی ویسا ہی ہے۔ اس کا غصہ خالص ہوتا ہے یعنی بلا وجہ صرف اس وقت غصے میں نہیں ہوتا جب دوسرا غصہ میں ہو۔ جو اس کی عزت کرنا چاہیں اس سے ملنا بند کر دیتے ہیں اور جس سے یہ تعلق ختم کرنا چاہے اسے روز ملنے لگتا ہے۔

رفیق ڈوگر کی طرح لٹھ بردار صحافی ہے' مگر ڈوگر لٹھ قارئین کے سر میں مارتا ہے جبکہ یہ موضوع کے سر میں۔ منو بھائی شخصیات پر اچھے کالم لکھتا ہے۔ وہ آپ پر بھی اچھا

کالم لکھ سکتا ہے۔ اور یہ آپ پر منحصر ہے کہ وہ اچھا کالم کب لکھے' کیونکہ وہ اچھا کالم صرف مرحومین پر لکھتا ہے۔ لیکن نذیر ناجی کالم لکھنے کے لیے کسی کے مرنے کا انتظار نہیں کرتا۔ یہ کام اس کا کالم خود ہی کر لیتا ہے۔ اس نے زندگی ایسے گزاری کہ اس پر زیادہ سے زیادہ چار حروف ہی کہہ سکتے ہیں مگر اس کے کالموں پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ اس نے خود اپنے آپ کو پالا یوں وہ اپنی ہی صحبت میں رہ کر خراب ہو گیا۔ ناجی ہمیشہ ناں جی ہی میں رہا کبھی ہاں جی نہ ہوا۔ اس کی شخصیت کا پازیٹو پہلو یہ ہے کہ اس کے خون کا گروپ O+ ہے۔

وہ خود تو سعادت مند بیٹا نہ بن سکا مگر اس کے بچوں نے اسے سعادت مند باپ ضرور بنا دیا۔ کہتے ہیں جوانی میں آدمی سوچتا سمجھتا نہیں' عمر ڈھلتی ہے تو سوچتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں اور بڑھاپے میں یہ سمجھتا کہ سوچنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ نذیر ناجی بیک وقت ان تینوں مقاموں پر مقیم ہے۔

علی اکبر عباس چار کے ٹولے میں دو نمبر ہے۔ اس کے لیے دوسروں کو بے عزت کرنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا اپنی عزت کرانا۔ تخلیقی آدمی ہے اس کی تمام چیزیں اوریجنل ہوتی ہیں یہاں تک غلطیاں بھی۔ مگر وہ کبھی غلط کام نہیں کرتا' کیونکہ غلطی کے بعد کہے گا میں نے تو تجربہ کیا تھا تا کہ جو اصل کام کرنا چاہتا ہوں اس میں غلطی نہ ہو۔ غصہ پی جاتا ہے مگر اسے پیتے وقت منہ ایسا ہی بناتا ہے جیسا ایک شریف آدمی حرام چیز پیتے وقت بنا سکتا ہے۔ شہرت ایسی کہ منہ بھی دھو رہا ہو تو لوگ کہتے ہیں' وضو کر رہا ہے۔

اس قدر گرم جوشی سے ملتا ہے کہ بندے کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ بھی حلقہ ارباب ذوق کی الیکشن کمپین پر نکلا ہے۔ نمایاں ہونے کا شوق ہے۔ اس کا اندازہ اس کے دوستوں کو دیکھ کر ہو جاتا ہے۔ ان کی عمریں بھی ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے ساتھ ٹی ہاؤس میں داخل ہو تو بندہ سمجھتا ہے کوئی سکول ماسٹر لڑکوں کو شاعر دکھانے لایا ہے۔ وہ اسے دوست نہیں بلکہ علی بھائی کہتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ دوست تو بندہ

اپنی مرضی سے بناتا ہے۔ یہ بھی انہیں اپنے چھوٹے بھائی ہی سمجھتا ہے۔ یعنی جب دل چاہے بلا وجہ ڈانٹ لیتا ہے۔ ساری زندگی اگر وہ کسی سے لڑا ہے تو یقین کر لیں الیکشن ہی لڑا ہو گا۔ وہ تو دشمن سے بھی ملنے جائے تو جیب میں صرف پستول کا لائسنس ہی لے کر جائے گا۔ کسی کو آنکھ نہیں دکھاتا' بلکہ اسے تو خود بھی اپنی آنکھیں ڈھونڈ کر دیکھنا پڑتی ہیں۔

جن لوگوں نے کئی برس پہلے علی اکبر عباس کی کتاب "بر آب نیل" پڑھی وہ کہتے ہیں "در نگاہ سے" پہلی کتاب کی نسبت جلدی سمجھ میں آ جاتی ہے۔ جس کی وجہ مجھے تو یہ لگتی ہے کہ وہ لوگ اتنے برسوں میں سیانے اور سمجھ دار ہو گئے ہیں۔ علی اکبر عباس نے اپنی تازہ کتاب میں شامل کرنے کے لیے غزلوں اور نظموں کا انتخاب امجد طفیل کی سربراہی میں ایک پانچ رکنی کمیٹی کے سپرد کیا اور جو غزلیں کمیٹی کی سمجھ میں آ گئیں وہ اس نے رکھ لیں اور باقی کتاب میں شامل کر لیں۔

اس کی شاعری ادب کے لیے ہی نہیں صحت کے لیے بھی مفید ہے۔ اس کے بعض مصرعے پڑھ کر تو بندے کی وہی حالت ہوتی ہے جو سو میٹر کی ریس جیتنے کے بعد۔ مثلاً اس کا ایک مصرع ہے۔

"گونگوں بہروں کی بستی میں پیدا ہونے والے بچے بولنا سیکھیں گے"

حالانکہ مصرع اتنا لمبا ہے کہ مصرع ختم ہونے سے پہلے ہی پیدا ہونے والے بچے بولنا سیکھ لیتے ہیں۔ شعر چھپ کر لکھتا ہے۔ حالانکہ اکثر شاعروں کو یہ کچھ شعر لکھنے کے بعد کرنا پڑتا ہے۔ کہتے ہیں اس کے سر کے بال آدھے سفید ہیں مگر مجھے آج تک اس کا پتہ نہیں چلا کیونکہ جب وہ دوستوں سے ہنسی مذاق کرتا ہے تو اس کے سارے بال سیاہ ہوتے ہیں اور جب کوئی پیارا مصیبت میں ہو تو اس کا سارے کا سارا سر سفید ہوتا ہے۔

وہ اپنی تعریف کے لیے کس کا محتاج نہیں خود ہی کر لیتا ہے' یوں بھی اس کی شاعری پر سب سے معتبر رائے اسی کی ہو سکتی ہے کہ اس سے زیادہ تو اسے کسی نے نہیں

پڑھا۔

علی اصغر عباس چھوٹے میاں ہے۔ یاد رہے چھوٹے میاں Small Husband کو نہیں کہتے۔ تاہم یہ ہفتے میں چھ دن شوہر اور ایک دن شاعر ہوتا ہے۔ لیڈری کا شوق ہے اور اس میں ہمیشہ سب سے آگے رہا۔ اتنا آگے کہ دور دور تک اس کے پیچھے کوئی نہیں ہوتا۔ شکل و صورت ایسی کہ اپنے بھائیوں میں بیٹھا ہو تو خوبصورت لگتا ہے۔ شاید اسی لیے وہ اس کے پاس نہیں بیٹھتے۔ ہنستے ہوئے یوں لگتا ہے جیسے یکدم پھولے غبارے سے ہوا نکل جائے۔ اسے ہنسنے کے لیے کسی بات کی نہیں بس ایک شخص کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کے ہاتھ پر ہاتھ مار سکے۔

چھوٹی عمر کے لڑکوں کے پاس بیٹھ کر اسے وہی خوشی ہوتی ہے جو بڑی عمر کے لڑکوں کو اس کے پاس بیٹھ کر ہوتی ہے۔ پکے رشتے بناتا ہے اسی لیے دوستوں سے زیادہ دشمن بناتا ہے کیونکہ آج کل یہی سب سے پکا رشتہ ہے۔ دوستوں سے یوں ملتا ہے کہ دیکھنے والے چھڑانے کو دوڑتے ہیں۔ دوستوں کی خامیوں کی بجائے ان کی خوبیاں تلاش کرتا ہے۔ اس کے دوست ہیں بھی ایسے کہ ان کی خوبیاں واقعی تلاش کرنا پڑتی ہیں۔ دوسروں کے بارے میں وہی رائے رکھتا ہے جو لوگ اس کے بارے میں رکھتے ہیں۔ دوستوں میں پانچ منٹ سے زیادہ مہذب نہیں بیٹھ سکتا ہے۔ اور دشمنوں میں پانچ منٹ سے زیادہ بیٹھ نہیں سکتا۔ بہت اچھا مقرر ہے۔ اس لیے ایک آدمی سے بھی یوں بات کرتا ہے جیسے اجتماع سے خطاب کر رہا ہو۔

رضا سہیل کی حرکات نذیر ناجی کی اور سکنات علی اکبر کی ہیں۔ بچوں سے اس قدر پیار کرتا ہے کہ جس بچے کو اٹھا لے اس کا باپ اپنی بیوی کو شک سے دیکھنے لگتا ہے۔ کوئی حرام چیز نہیں پیتا اسی لیے غصہ نہیں پیتا۔ ہر وقت اپنی ملازمت کا استعفیٰ ساتھ رکھتا ہے۔ کہ کہیں کبھی غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ غلطی سنگین بھی ہو سکتی ہے' اس لیے بھرا ہو نکاح نامہ بھی ساتھ رکھتا ہے۔

کہتا ہے کسی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے ملنے کے بعد آپ بھی مان جائیں

گے۔ وہ جرنلزم کا ونڈر بوائے ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو آگ لینے جاتے ہیں اور پیغمبری لے کر لوٹتے ہیں۔ بات دل میں نہیں دماغ میں رکھتا ہے بلکہ وہ تو رہتا بھی میں ہی ہے۔

URDU4U.COM

کپڑے دھونے کا شوق ہے اکثر کپڑے آدمی سمیت دھو ڈالتا ہے۔ اچھا لباس پہنتا ہے' یعنی وہ لباس جو اسے اچھا لگے۔ دوسروں کو چاہے وہ لباس بھی نہ لگے۔ گفتگو صحافیوں والی کرتا ہے یعنی اس میں لفظ کم اور دھمکیاں زیادہ ہوتی ہیں۔ عورتوں کے تمام کام اور مردوں کے کام تمام کرتا ہے۔ لڑکیوں سے دوستی وہاں سے شروع کرتا ہے جہاں سے دوسرے چھوڑ دیتے ہیں۔ اس لیے پتہ نہیں چلتا شروع کر رہا ہے یا ختم کر رہا ہے۔

اگر آپ اس کے دوست ہیں تو خوش قسمت ہیں کیونکہ وہ دوستوں سے کوئی توقع نہیں رکھتا اور اگر وہ آپ کا دوست ہے تو آپ بد قسمت ہیں کیونکہ وہ کسی توقع پر پورا نہیں اترتا۔

عزیز علوی وطن کے معروف افسانہ نگار ہیں ان کے دو افسانوی مجموعے "ساحل بیٹھ گئے" اور "لندن میں پھول" شائع ہو کر اہل ادب سے داد وصول کر چکے ہیں۔ "سردی اور الاؤ" ان کا تیسرا افسانوی مجموعہ ہے جس میں ان کے فنی سفر کے نشان واضح نظر آتے ہیں عزیز علوی نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا' بھالا اور برتا ہے۔

(Sardi)

زندگی کو قریب سے مت دیکھ
زندگی شعلہ ہے جوالا ہے

لوریوں کی طرح دنیا کے ہر ملک خطے اور معاشرے میں کہانیاں اور ہر دور میں سنی' لکھی اور پڑھی جاتی رہی ہیں۔ آج کے اس دور جدید میں افسانہ ادب کی یا ک مقبول عام

صنف ہے جو کہ اس زمانے کی معروف زندگی اور تیز تر رفتار کے ساتھ زیادہ ہم آہنگ ہے۔ خوصاً اپنے اختصار کی بدولت مختصر کہانی ترقی کرتے کرتے جدید افساہ بننے تک بہت سی تبدیلیوں سے روشناس ہو چکی ہے۔ آج افسانہ پلاٹ کے موضوعات اور رومان کی خوش رنگ کیفیتوں سے نکل کر' دور جدید کے تلخ و ترش معاشی حالات واقعات' اخلاقی اقدار کے انہام اور بنیادی نظریات سے دوری کے خلاؤں میں بھٹکی مخلوق کی بے مقصد زندگی کی درد ناک تصاویر۔ تقدیر کے جبر اور انسانوں کی باہمی متصادم متضاد رویوں کی تصویر کشی کرنے تک پہنچ گیا ہے۔ بلکہ افسانے کے بنیادی ترکیبی عناصر یعنی روایتی پلاٹ کے ساتھ ساتھ اس کے نکتہ عروج یعنی کلائمکس کی بھی کوئی مجبوری نہیں رہی۔ لیکن وقت کی تنگی اور انسانی زندگی کو در پیش مسائل کی کثرت ابھی تک افسانے سے صرف ایک چیز جو نہیں چھین سکی وہ ہے اس کا کہانی پن۔ اور یہی اس صنف ادب کے وجود کا امتیاز ہے۔

عزیز علوی کو کسی سی تشبیہ دینا اس کی فن کی توہین ہو گی۔ نہ تو اس کے ہاں انتظار حسین کی قدامت پسندی ہے۔ اور نہ ہی احمد ندیم قاسمی جیسی ندرت تنوع اور کثرت اور نہ ہی اشفاق احمد جیسا تصوف کا رنگ جو ہر افسانے کو جوگیا رنگ سے شرابور کر کے اسے ابہام و دوام کا حسن امتزاج عطا کرتا ہو۔ اور نہ ہی آپا بانو قدسیہ ایسی پختہ کار بنت کہ ہر تحریر کو منی ایچر نثر پارہ بنا کر لازوال کر دے۔ بلکہ اکثر قدیم افسانہ نگاروں کا سار چاؤ۔ بہاؤ اور سبھاؤ بھی اس کے ہاں عنقا ہے اور کیوں نہ ہو۔ وقت کے ساتھ ساتھ زندگی اور ادب کے پل کے نیچے سے کتنا پانی گزر گیا ہے۔ زبان کی لطافتوں' محاورے کی نزاکتوں اور تراکیب کی بندشوں کو حوادث زمانہ سے کیوں کرمحفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ اور اگر ایسا کیا بھی جا سکتا تو انہیں ممیوں کی طرح حنوط کر کے صرف عجائب گھروں میں سجایا جاتا جس کا روز مرہ کی ہر لحہ اور ہر آن بدلتی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

یوں بھی کسی ادیب یا فنکار کے مقبول اور کامیاب ہونے کے لئے اس کے اندر کسی بڑے

قلمکار یا فنکار سی مماثلت ضروری نہیں ہوتی۔ جیسے گلاب گل داؤدی یا گوبھی کے پھولوں کے ہوتے ہوئے بھی موتیا' چنبیلی' جوہی اور ہار سنگار کی کلیاں اپنی الگ بہار دکھاتی ہیں۔ ان کا اپنا رنگ' اپنی خوشبو چمن کی زینت بڑھاتے ہیں۔ اسی طرح عزیز علوی پر بھی کسی بڑے افسناہ نگار کی چھاپ نہیں لگائی جا سکتی۔ یہ اس کی کمی نہیں بلکہ اس کے فن کی خوبی ہے۔ اس کا اپنا ایک منفرد انداز ہے۔ اس کے اپنے نظریات ہیں اور اس کے اپنے موضوعات ہیں۔ اس کے اسلوب میں ایک بے ساختگی ہے۔ سادگی ہے۔ پرکاری ہے اور تاثیر ہے؟ وہ قدیم جدید افسانے کے سنگھ پر ایک نمایاں ادبی مقام پر الگ کھڑا اپنی بہار دکھا رہا ہے۔ اسے مزید نمایاں ہونیکے لئے دوسرے شخص کے ادبی تشخیص عکاس خود اس کی کہانیاں ہیں۔ جو اس امر کا روشن ثبوت ہیں کہ آج کے معروف ترین دور میں انسانوں کے پاس اچھے ادب کے مطالعے کے لئے چند لمحات موجود ہیں۔ ان لمحات کا غنیمت جانیں کہ یہی اچھے ادب اور اچھے انسانوں کی تخلیق کی ضامن ہیں۔

زیر نظر افسانوی مجموعے میں شامل "سردی اور الاؤ" کی طلسماتی فضا' "دوسرے امجد خان" کے حسن اتفاقات "میری نمانہ جنانہ" کی خود بینی بلکہ خود احتسابی' الجھن' کا المناک انجام اور ہیروئن کو اس کا قبل از قت ادراک۔ "پھر لندن میں" کی روداد سفر۔ "سرداراں" کی بے بسی' غربت اور بے چارگی۔ "میرا سوہنا شہر" کے نظارے۔ فطرت کی فیاضیوں اور انسانی کج رویوں کا اندھناک ملاپ۔ سبھی پڑھنے کی چیزیں ہیں۔ "انوکھی کہانی" میں کثرت موضوعات کے باوجود مثالیکہانی یا موضوع کی تلاش۔ چینی کہانی "افسانہ وصال" اور جرمن کہانی "ملاقات" ان کہانیوں کو پڑھیں تو آپ خود عزیز علوی کے فن کے لئے ذائقے الگ خوشبو اور تانہ احساس سی طلف اندوز ہوں گے۔ انہیں پڑھے بغیر نہ تو آپ عزیز علوی سے یا اس کے ادبی مقام سے پوری طرح آگاہ ہو سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی دوسرا شخص آپ کو اس سے متعارف کرا سکتا ہے۔

• انوکھی کہانی

میں کئی دنوں سے سوچ رہا ہوں کہ ایک انوکھی کہانی لکھوں جو کسی مشہور رسالے میں شائع ہو اور پڑھنے والے اس سے خوب محفوظ ہو سکیں۔ میرے جاننے والے مجھے مبارکباد دیں اورن ہ جاننے والے خطوط لکھ کر داد دیں۔ مگر میں اس کہانی کا پلاٹ ابھی تک نہیں سوچ سکا۔ میرے ذہن کو جیسے زنگ لگ گیا ہے۔ میری لکھنے والی میز پر کاغذ کئی دنوں سے بالکل کورے پڑے ہیں۔ ساتھ ہی میرا قلم بھی رکھا ہے۔ ہو سکتا ہے اسکی سیاہی بھی خشک ہو گئی ہو کیونکہ میں نے ابھی تک اس سے ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ بہت زور دینے کے باوجود ہن کچھ سوچنے کی طرف مائل ہی نہیں ہوتا۔ شاید اس کی زمین بنجر ہو گئی ہے۔ میں نے پہلے بے شمار کہانیاں لکھی ہیں مگر ان کے پلاٹ از خود مجھے سوجھتے رہے ہیں۔ لیکن نجانے آج کل مجھے کیا ہو گیا ہے۔ اس کیفیت میں کہانی کیسے لکھ سکتا ہوں۔ کہانی بھی ایسی جو بالکل انوکھی ہو۔

شام کے قریب دفتر سے واپس آ کر جب میں اپنے کمرے میں داخل ہو تا ہوں تو کمرے کے اندر اندھیرا پھیل رہا ہوتا ہے۔ چیزیں دھندلی دھندلی سی نظر آتی ہیں۔ میں میز کے قریب رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ جاتا ہوں اور لمبی سی سانس لے کر ادھر ادھر دیکھنے لگتا ہوں۔ اس وقت میرا ذہن خالی ہوتا ہے۔ مگر چاہنے کے باوجود کچھ سوچنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتا۔ جب باہر گلی میں چلنے والی ہوا کا کوئی بدمست جھونکا کھڑکی سے اندر آ کر پردے میں ہلکی سی سرسراہٹ پیدا کرتا ہے تو مجھے یوں گمان ہوتا ہے جیسے مخروطی انگلیوں والا کوئی مر مریں ہاتھ اس پردے کے پیچھے سے مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں سوچنے لگتا ہوں کیوں نہ اس مر مریں ہاتھ کی کہانی لکھوں اور بتاؤں کہ اس ہاتھ کے ساتھ اس پیکر کا مر مریں جسم بھیکیسے پگھل جاتا ہے۔

لیکن اگلے ہی لمحے ہوا کا وہی جھونکا کمرے میں لٹکی ہوئی کسی تصویر یا کیلنڈر سے ٹکرا کر ٹک ٹک کی آواز پیدا کرتا ہے تو یوں لگتا ہے جیسے مجھے وارننگ دے رہا ہو کہ خبردار مخروطی انگلیوں یا کسی حنائی ہاتھ کے متعلق بھول کر بھی نہ سوچنا۔ دل کا سکون کھو کر گلی گلی حزنیہ گیت گاتے پھرو گے۔ تم ہر گز رانجھا' قیس یا پنوں نہیں بن سکتے اور نہ ہی وہ حنائی ہاتھ کسی ہیر' لیلی یا سسی کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ اپنے آپ میں رہو اور باز آ جاؤ اس خیال سے۔ کسی غیر مرئی پیکر کو اپنی کہانی کا پلاٹ نہ بنانا۔

میں دل برداشتہ ہو کر اٹھتا ہوں اور کمرے کی لائیٹ جلا دیتا ہوں کہ اندھیرا گہرا ہو رہا ہوتا ہے۔ پھر یکایک خیال آتا ہے کیوں نہ اندھیرے کی کہانی لکھوں۔ دل کے اندھیرے کی۔ قسمت کے اندھیرے کی۔ اندھیری راتوں اور اندھیری گردی کی۔ میں نے اس موضوع پر کبھی کوئی اچھوتی کہانی نہیں پڑھی۔ مگر کیا لکھوں۔ جب اندھیرے میں کچھ نظر ہی نہیں آتا تو کس چیز کے بارے میں لکھا جائے۔ کوئی ادب پارہ تخلیق کرنے کے لئے گہرا مشاہدہ بھی تو بہت ضرور ہے۔ فرضی کہانیاں بھی کبھی دوام پا سکی ہیں۔

میرے کمرے سے باہر ایک کشادہ مگر کچی سی گلی ہے۔ جس میں ہر طرف دھول اڑتی رہتی ہے۔ کبھی کبھی نالی کے گندے پانی سے کیچڑ بھی ہو جاتا ہے۔ جبکوئی کار اس گلی سے گزرتی ہے تو گرد کا ایک طوفان کمرے کے اندر آ جاتا ہے۔ ہر چیز پر مٹی کی تہہ جم جاتی ہے۔ جسے ہر رات سونے سے پہلے مجھے صاف کرنا پڑتا ہے۔ یا پھر کوئی گاڑی کیچڑ کی چھینٹوں سے میری دیوار پر مختلف ملکوں کے نقشے بنا جاتی ہے۔ ارد گرد رہنے والے لوگ بتاتے ہیں کہ دن کے وقت محلے والوں کے درجنوں بچے اس گلی میں ماربل۔ گلی ڈنڈا یا کرکٹ کھیلتے ہیں۔ کھڑکیوں' روشندانوں کے شیشے توڑتے ہیں اور خوب اودھم مچاتے ہیں۔ اونچی اونچی آوازوں میں ایک دوسرے کے اندرون خانہ کے راز افشا کرتے ہیں۔ اور ایسے ایسے مغلظات بکتے ہیں کہ سننے والا شرما جاتا ہے۔ جب محلے کا کوئی باسی انہیں جھڑکتا ہے تو وقتی طور پر وہ بھاگ جاتے ہیں لیکن تھوڑی ہی دیر بعد پھر

آ برابر جمان ہوتے ہیں۔ یہ لکن میٹی دن بھر جاری رہتی ہے۔ لیکن یہ ہنگامہ میں نے اپنی آنکھوں سے کبھی نہیں دیکھا۔ میں صبح ہوتے ہی دفتر چلا جاتا ہوں اور شام سے پہلے واپس نہیں لوٹتا۔ جبکہ یہ گھمسان میرے آنے سے پہلے ہی ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ میں مانتا ہوں بچے سب کو پیارے ہوتے ہیں۔ ہر شادی شدہ جوڑے کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے صحن میں بچوں کے قہقہے گونجیں۔ جو گھرانے اس نعمت سے محروم ہوتے ہیں وہ بچے کے لی دن رات دعائیں مانگتے ہیں۔ تعویز دھاگے لیتے ہیں۔ مزاروں پر حاضریاں دیتی ہیں۔ کیا کیا جتن نہیں کرتے۔ پھر جب اللہ ان کی سن لیتا ہے اور انہیں بچے کی معصوم مسکراہٹیں نصیب ہوتی ہیں تو سجدہ شکر بجا لاتے ہیں۔ یہی بچہ جب اپنے قدموں پر چلنے لگتا ہے تو اسے ابہر گلی میں دھکیل دیتے ہیں کہ جا بیٹا ت وبھی آوارہ بلو نگڑوں کی طرح گلی میں گھوم پھر۔ گند گی میں کھیل اور دوسرے گھروں میں رہنے والوں کا سکون اور چین غارت کر۔ والدین یہ نہیں سوچتے کہ انکا کام صرف بچے پیدا کرنا ہی نہیں بلکہ ان کی پیدائش کے ساتھ ہی ان کی ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہی۔ ان پر لازم ہو جاتا ہے کہ بچے کی اچھی تربیت کریں۔ اسے تمزی سکھا کر مہذب شہری بنائیں۔ لیکناس کام کے لے والدین کے پاس شاید وقت ہی نہیں ہوتا۔ یا وہ اس کی اہمیت یا ضرورت نہیں سمجھتے۔ وہ کبھی یہ معلوم کرنے کی تکلیف نہیں کرتے کہ بچہ گھر کی دہلیز پار کرنے کے بعد کیا کرتا ہے یا کیا سیکھ رہا ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ پہلا بچہ پیدا ہونے کے بعد وہ دوسرے بچے کا خواب دیکھنے لگتے ہیں۔ پھر جب انکی آنکھیں کھلتی ہیں تو گھر میں بچوں کی لائن لگ چکی ہوتی ہے۔ مگر اس وقت بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ پعھر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ ان کے گھر میں افلاس دندنانے لگتا ہے۔ باپ کسب معاش کی تگ و دو میں مضحل ہو جاتا ہے اور ماں ذہنی پریشانیوں سے نڈھال ہو جاتی ہے۔ میاں بیوی کے درمیاں چپقلش شروع ہو جاتی ہے۔ صبح شام جھگڑا ہونے لگتا ہے۔ ان ڈھیر سارے بچوں کے لئے روٹی' کپڑے اور تعلیم کا مسئلہ پہاڑی جانا ہے۔

جس کا حل ان کی بساط سے باہر ہوتا ہے۔ مختلف افکار زندگی کے لئے مستقل روگ بن کر رہ جاتے ہیں۔ انکا اپنا گھر تو جہنم بن ہی جاتا ہے دوسرے محلے والوں کا بھی ناک میں دم آ جاتا ہے یہ صورت حال بڑی ہی درد ناک ہوتی ہے۔ جی تو چاہتا ہے اس موضوع کو اپنی کہانی کا مرکز بناؤں لیکن پھر سوچتا ہوں کہ اپنے آپ کو بیل کے سامنے کیوں کھڑا کروں کہ آ مجھے مار۔ میرے اڑوس پڑوس کا مسئلہ ہے۔ پڑوسیوں سے الجھنا بہت بری بات ہے۔ اس کے علاوہ میں بھی اپنی کہانی کو دنگا فساد کا میدان نہیں بنا سکتا۔ میں تو ایسی کہانی لکھنا چاہتا ہوں۔ جو خوشی کا سر چشمہ ہو۔

یہ خیال جھٹک کر میں واپس کمرے کے ماحول میں آ جاتا ہوں۔ سامنے والی دیوار پر میرے بڑے بھائی اور نازیہ کی الگ الگ تصویریں ساتھ ساتھ لٹک رہی ہیں۔ دونوں کی اکٹھی تصویر نہیں بن سکی تھی۔ کیونکہ وہ اس دنیا میں اکٹھے نہیں ہو سکے تھے۔ میرا بھائی اور نازیہ دونوں کلاس فیلو تھے۔ انہیں ایک دوسرے سے گہری محبت تھی۔ وہ ذہنی طور پر فیصلہ کر چکے تھے کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد فوراً شادی کر لیں گے۔ نازیہ اور ہمارے والدین بھی اس بات پر تقریباً راضی ہو چکے تھے۔ صرف م ناسب وقت کا انتظار ہو رہا تھا۔ کہ اچانک بھائی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ اور وہ ہم سب کو سوگوار چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد نازیہ بھی اس صدمے کی تاب نہ لاتے ہوئے رخصتر ہو گئی اور بھائی سے جا ملی۔ ہم سب کو یقین ہے کہ وہ دونوں اب اس جہان میں یک جان ہو کر ابدی زندگی سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔ اسی ل ئے سامنے والی دیوار پر لٹکی ہوئی تصاویر میں نازیہ اور بھائی اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ لئے میری طرف دیکھ رہے ہیں گویا کہہ رہے ہیں۔ دیکھ سچی محبت کبھی ناکام نہیں ہوتی۔ دنیاوی عوامل اس کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتے۔ ان تصاویر کو دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ ان کی لازوال محبت کی کہانی لکھوں۔ لیکن نہیں۔ میں اتنی دردناک کہانی نہیں لکھ سکتا جسی پڑھ کر نازیہ اور بھائی کی آنکھیں اشکبار ہو جائیں۔ میں تو انہیں ہمیشہ

مسکراتے دیکھنا چاہتا ہوں۔ مسکراہٹ ہی تو دلی مسرتوں کی غماض ہوتی ہے۔

اس کے ساتھ ہی میرا ذہن مجھے کمرے سے باہر لے آتا ہے۔ گلی میں چند گھر چھوڑ کر آگے شیدے کا مکان ہے۔ وہاں سے شیدے اور اس کی بیوی جیراں کے لڑنے کی اونچی اونچی آوازیں میرے کانمیں آ رہی ہیں۔ شیدا پکوڑوں کی ریڑھی لگاتا ہے۔ اس کے گھر میں صرف وہ اور اس کی بیوی رہتے ہیں۔ اولاد کی نعمت سے محروم ہیں۔ شیدا سارا دن ریڑھی لگاتا ہے۔ مگر رات گہری ہونے سے پہلے گھر آ جاتا ہے۔ شاید اولاد سے محروم ہونے کے احساس نے اسے نشئی بنا دیا ہے۔ گھر لوٹنے سے پہلے وہ اپنی کمائی کا بیشتر حصہ شراب پینے میں ضائع کر آتا ہے۔ اسی ابت پر گھر آ کر اس کی بیوی کے ساتھ لڑائی ہوتی ہے۔ اور اس کی بیوی اکثر اس کے ہاتھ سے مار بھی کھاتی ہے۔ جیراں بھی لڑائی میں کسی طرح کم نہیں۔ سارا دن فارغ ہونے کی وجہ سے اپنی پڑوسنوں سے خوب اور روزانہ لڑائی کرتی ہے۔ محلے کے چند لوگوں نے ایک دفعہ انہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن میاں بیوی دونوں نے مل کر سر عام ان لوگوں کو ایسے مرصع اور مغلظ القاب سے نواز تھا کہ باقی محلے والوں نے کانوں میں انگلیاں دے لی تھیں۔ اس کے بعد کسی نے بھی انہیں سمجھانے یا ان کے معاملات میں دخل دیںے کی کوشش نہیں کی۔ تب سے ان دونوں کو باہمی جھگڑے کے لئے کھلا میدان مل گیا ہے۔ اب محلے والے بھی عادی ہو چکے ہیں۔ جس رات ان کے گھر جھگڑا نہیں ہوتا محلے والے سمجھتے ہیں کہ شاید آج شیدے نے پی نہیں یا شاید جیراں یہاں نہیں ہے۔ پی کر آنا شیدے کا روز کا معمول ہے۔ شراب پینا جرم ہے۔ پھر پی کر دنگا فساد کرنا قابل مواخذہ بھی ہے۔ لیکن پولیس کا کوئی آدمی ادھر نہیں آیا۔ شاید اس گلی پر قانون کا اطلاق نہیں ہوتا۔ یا شاید کوئی اور وجہ ہو۔ یہ سلسلہ کئی سالوں سے یونہی چل رہا ہے اور اسلسلہ کا کوئی ایسا پہلو نہیں جو لوگوں سے مخفی ہو یا جو میری کہانی کا موضوع بن سکتا ہو۔

میرے دائیں والے مکان میں غلام حیدر رہتا ہے۔ دبلے پتلے مگر لانبے جسم والا غلام حیدر۔

ایک قریبی بازار میں سائیکل مرمت کرنے کی کان کا مالک ہے۔ روکھی سوکھی پر گزارہ کر رہا ہے۔ اس کی کوئی نرینہ اولاد نہیں۔ صرف تین جوان بیٹیاں ہیں جو کئی سالوں سے اپنے شہزادوں کا انتظار کر رہی ہیں۔ اب تو ان کے سروں میں کہیں کہیں سفید بال بھی جھلکنے ہیں۔ لیکن ابھی تک کوہ قاف سے انکے شہزادے نہیں آئے۔ غلام حیدر جس عسرت میں دن گزار رہا ہے۔ وہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ لیکن ہے بڑا خود دار۔ سالوں سے میرا پڑوسی ہے مگر اسنے مجھ سے کبھی کوئی سوال نہیں کیا اور نہ ہی اپنی غربت کا دکھڑا رویا ہے۔ روکھی سوکھی فقیرا ٹھنڈا پانی پی کر زندہ مثال ہے۔ ہال گھریلو ضروریات اور تنگی کا بوجھ اس کی بیوی ضرور محسوس کرتی ہے۔ پرانی وضع کی سیدھی سادھی ملنسار قسم کی عورت ہے۔ محلے کی تمام عورتوں سے اس کے بڑے خوشگوار تعلقات ہیں۔ پڑوسی ہونے کے ناطے مجھے اپنا بھائی سمجھتی ہے۔ کبھی کبھار مجھ سے تھوڑا بہت ادھار لے جاتی ہے مگر جلد ہی لوٹا دیتی ہے۔ حساب کے معاملہ بڑی ایماندار ہے۔ غربت کی وجہ سے اپنی بیٹیوں کی تعلیم کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکی۔ اسی غربت اور جہالت کے باعث آج تک اسکی بیٹیوں کے لئے کوی پیغام نہیں آیا۔ تینوں بیٹیاں سارا دن ماں کا ہاتھ بٹانے میں مصروف رہتی ہیں۔ تھوڑا بہت سلائی کڑھائی کا کام کر لیتی ہیں۔ انہوں نے ایک بکری پال رکھی ہے۔ جسے فرد خانہ کی حیثیت حاصل ہے۔ کیونکہ وہ انکے لئے دودھ مہیا کرتی ہے جسے وہ چائے بنانے اور اکثر روٹی بھگو کر کھانے میں استعمال کرتی ہیں۔ اس گھر کو دیکھ کر میرے دل میں خیال آتا ہے۔ کہ یہ میرے محلے کی نہیں بلکہ ہر گاؤں اور ہر شہر کی کہانی ہے۔ ایسے گھروں کی بچیاں اگر ہاتھ پیلے کر کے اپنے اپنے گھروں کو نہ جا سکیں تو وہ چپ چاپ اللہ میاں کے پاس چلی جاتی ہیں۔ جاتی دفعہ اپنے پیچھے کوئی داستان یا قابل تقلید بات نہیں چھوڑ جاتیں۔ یہ عام سی کہانی پہلے ہی سب کو معلوم ہے۔ اسے قلمبند کرنے سے کوئی انوکھی کہانی تخلیق میں ہو سکتی۔

میرے مکان کی پشت پر قریشی صاحب کی ایک عظیم الشان حویلی ہے جس کا دروازہ دوسری گلی میں کھلتا ہے۔ یہ عمارت حویلی کم ایک بڑے پالزہ سے مشابہہ ہے۔ دراصل قیام پاکستان سے اس حویلی کی جگہ چار الگ الگ مکان تھے۔ جن کے ہندو مالک بھی الگ الگ تھے۔ پاکستان بنتے ہی ہندو بھارت بھاگ گئے اور یہ مکان متروکہ جائیداد قرار پا کر محکمہ بحالیات کے زیر تحویل آ گئے۔ بعد میں اس محکمنہ نے یہ مکانات چار الگ الگ لوگوں کو الاٹ کر دیئے۔ ان چار الاٹیوں میں ایک الاٹی قریشی صاحب کا والد تھا۔ اسے ملنے والا مکان دو کمروں ایک غسلخانہ۔ اور ایک باورچی خانہ پر مشتمل تھا۔ باقی تین مکانوں میں سے ہر مکان رقبہ اور گنجائش اس مکان سے زیادہ تھے۔ قریشی صاحبکا والد محکمہ پولیس میں حوالدار تھا۔ جب وہ اس مکان میں رہائش پذیر ہونے کے لئے آیا تو اس کا کل اثاثہ ایک گدھا گاڑی پر لدا ہوا تھا..... جس میں تین چار پائیاں..... ایک کپڑوں کی پیٹی..... دو آہنی صندوق چند بستر اور برتنوں کا ایک کھوکھا تھا..... آدمی تو وہ درمیانہ درجے سے بھی کم حیثیت کا تھا مگر اس کی طبعیت بڑی اکھڑ تھی..... آتے ہی اس نے پڑوسیوں کے خلاف محاذ کھول دیا..... وہ انھیں اپنی درشتگی اور بدکلامی سے مرعوب کرنا چاہتا تھا..... لوگ بھی اس سے دور رہنے لگے تھے..... اسکا کنبہ بیوی اور چند بچوں پر مشتمل تھا..... گزارا مشکل ہی ہو رہا تھا کیونکہ ان دنوں اوپر والی آمدنی کا رواج شروع نہیں ہوا تھا اس کے بچوں مین بڑے لڑکے کا نام عبدالحمید تھا جو گھر میں اورباہر حمید کہلاتا تھا اپنی ذات قریشی بتاتے تھے یہ لڑکا چونکہ میٹرک تک پڑھا ہوا تھا اس لئے اسے' آتے ہی ایک سرکاری محکمہ میں ملازمت مل گئی حمید ابھی اپنے باپ کی طرح متکبر غصیلہ اور کینہ پرور تھا اس کے ملازم ہونی سے گھر کی آمدنی میں اضافہ ہوا اور انکی گزر اوقات قدرے آسان ہو گئی پاکستان بننے کے بعد کا وقت بڑا عجیب وقت تھا حمید نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا لوگ کہتے ہیں اس نے محکمہ کے مال میں وسیع پیمانے پر خورد برد کی اور لوگوں شے حق الخدمت بھی وصال کر

کے خوب پیسہ کمایا ساتھ ہی اس کی شادی ہو گئی اس دوران اس کا باپ فوت ہو گیا تب سے اس کا نام عبدالحمید ہو گیا پھر کیا تھا عبدالحید نے نئے کل پرزے نکالنے شروع کر دیے اور باقی تین مکانوں کے مکینوں کو ناجائز تنگ کرنا شروع کر دیا وہ بہت غریب لوگ تھے آخر اس کی چیز دستیاں اس حد تک بڑھ گئیں کہ ان بے چاروں نے اپنی عزت بچانے کی خاطر یکے بعد دیگرے یہ مکان چھوڑ دیے عبدالحمید کے پاس ناجائز دولت کی کمی نہ تھی اس نے یہ تینوں مکان چپ چاپ کوڑیوں کے بھاؤ خرید لیے اس طرح وہ چاروں مکانوں کا واحد مالک بن گیا۔ پھر اس نے آہستہ آہستہ پرانی عمارت گرا کر نئی عمارت تعمیر کر لی۔ نچلی منزل کے ایک تہائی حصہ پر جو گلی کے ساتھ ملحقہ اس نے کئی دکانیں بنائیں۔ ساتھ والے بقیہ حصے پر اپنی رہائش گاہ اوپر والی منزل میں دو رہائشی فلیٹ بنائے۔ دکانیں اور اوپر والے فلیٹ کرائے پر چڑھا دیئے اور نچلی منزل کے دوسرے حصہ میں خود سکونت اختیار کر لی۔ اس طرح اس کے ٹھاٹھ میں اور اضافہ ہو گیا۔ اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے عبدالحمید سے قریشی صاحب بن گیا۔ پھر ریٹائر ہونے پر اس نے پراپرٹی ڈیلر کا کام شروع کر دیا۔ اور وہ اس ضرب المثل کا زندہ ثبوت بن گیا کہ۔ مایا تیرے تین نام پر۔ پرسو۔ پرسا۔ پرس رام۔ سروس کے دوران اس پر کئی مرتبہ رشوت خوری کے مقدمات بنے لیکن ہر دفعہ وہ کسی نہ کسی طرح ان سے صاف بچ گیا۔ ریٹائرمنٹ تک وہ کئی جوں کا باپ بن چکا تھا۔ لیکن اس نے ان کی تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ نتیجتاً اس کے لڑکے آوارہ گردی کا شکار ہو کر غلط سوسائٹی میں شامل ہو گئے۔ دروغ برگردن راوی وہ منشیات کا دھندہ بھی کرنے لگے۔ محلے داروں کا بھی قریشی صاحب کے ساتھ کوئی میل جول نہ تھا اور نہ ہی کسی قسم کی ہمدردی۔ وہ ہمیشہ خود نمائی اور خود فریبی کا شکار رہا۔ شنید ہے کہ اپنے لڑکوں کی وجہسے آجکل کافی ذہنی پریشانیوں کا شکار ہے۔ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جیسی کمائی ہے اس نے اپنی اولاد کی پرورش کی اسے دیکھتے ہوئے نیک فعل کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے۔ روز مکافات ایک دن آ

کر ہی رہتا ہے۔ ایک نہ ایک رنگ میں فطرت اپنے اصولوں کی خلاف ورزی کرنے والے کو کبھی نہیں بخشتی۔ میرا دل کہتا ہے کہ ایسے لوگ سوسائٹی کے ماتھے پر بدنما داغ ہوتے ہیں۔ انہیں کوئی غیرت یا حیا نہیں ہوتی۔ انکی کہانی لکھ کر ایسے بد نام عناصر کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ اسے بھی وہ اپنی عزت افزائی سمجھیں گے۔

اس گلی میں آگے تقریباً درمیان میں ایک محل نما عمارت ہے۔ پری کی طرح پر پھیلائے ہوئے جگمگ جگمگ کرتا دو منزلہ مکان۔ یہ ایک سر کردہ سیاہی لیڈر کا مکان ہے جسے سب چوہدری صاحب کہتے ہیں۔ ان کی رہائش تو یہاں شہر میں ہے مگر پیچھے گاؤن میں کئی مربعہ زمین کے مالک ہیں جن پر بے شمار مزارعے کام کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ گاؤں کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ یہاں بھی وہ بڑے ٹھکے کے ساتھ رہتے ہیں۔ تین چار گاڑیاں ہر وقت دروازے کے سامنےیک کھڑی رہتی ہیں۔ ملنے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ رات گئے تک بڑی گہما گہمی ہوتی ہے۔ علاقہ کے بڑے افسران بھی اکثر حاضری دینے آتے رہتے ہیں۔ محلے دار ہوتے ہوئے بھی محلّہ کے معاملات سے بالکل لا تعلق اور بالا تر رہتے ہیں محلے سے کوئی ملنے والا چلا بھی جائے تو شاذ ہی ملاقات ہوتی ہے۔ جب پجارو میں بیٹھ کر باہر جاتی ہیں تو ان کے ساتھ دو مسلح باڈی گارڈ بھی ہوتے ہیں۔ سیاسی وابستگی بدلنے میں بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ چڑھتی سورج کو سلام کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ اقتدار میں کوئی بھی سیاسی پارٹی ہو اس مینعہدہ حاصل کرنا باعث افتخار سمجھتے ہیں۔ پارٹی کا جلسہ ہو تو اصول پرستی اور انسانی حقوق پر دھواں دار تقریر کرتے ہیں۔ مگر جب عمل کا مظاہرہ کرنے کا وقت آئے تو عذر لنگ پیش کرتے ہیں۔ کچھ جعرصہ جوا جب انہوں نے چوتھی بار سایسی وابستگی تبدیل کی تو ان کی پہلی پارٹی کے کارکنوں نے ان کے مکان کا گھیراؤ کیا اور ان کے خلاف نعرے لگائے۔ لیکن مقامی انتظامیہ بڑی سرعت کے ساتھ حرکت میں آئی اور اس مجمعے کو ڈنڈے کے زور سے منتشر کر دیا۔ سیاست میں ایسی قلابازیاں اور آنکھ مچولیاں چلتی ہی رہتی ہیں۔ لیکن وقت کا پہیہ کبھی نہیں رکتا۔ میں تو ایک عام سا امن پسند آدمی ہوں مجھے سیاست سے کیا سروکار۔

میں بھلا سیاست کو اپنی کہانی کا موضوع کیسے بنا سکتا ہوں۔ میرا بھی گھر بار ہے۔ میں اپنے آپ کو داؤ پر کیوں لگاؤں؟

URDU4U.COM

میرے بائیں والے مکان میں مرزا محمد علی رہتے ہیں۔ مرزا صاحب پچھتّر اسی سال کی عمر کے نہایت وضع دار اور شریف آدمی ہیں۔ سفید لباس پہنتے ہیں جس پر ان کی سفید داڑھی بڑی زیب دیتی ہے۔ محکمہ تعلیم سے وابستہ رہے قریباً بیس سال قبل بطور ہیڈ ماسٹر ریٹائرڈ ہوئے۔ پابندی کے ساتھ قریبی مسجد میں پانچوں وقت کی نماز ادا کرتے ہیں۔ تقریباً سارا موسم گرما گھر کے اندر اپنے ایئرکنڈیشڈ کمرے میں گزارتے ہیں۔ البتہ موسم سرما میں اکثر اوقات باہر گلی میں کرسی ڈال کر دھوپ سینکتے ہیں اور حقہ پیتے ہیں۔ ہر آنے جانے والے کو بڑے اخلاق سے ملتے ہیں۔ گاہے بگاہے شام کو میرے گھر بھی آ جاتے ہیں۔ خوب باتیں کرتے ہیں۔ میں ان کی علمی صلاحیتوں اور تجربوں سے خوب خوب فیض یاب ہوتا ہوں۔ ان کی بیگم کچھ عرصہ ہوا فوت ہو چکی ہے۔ صرف ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے۔ انہوں نے دونوں کو اعلیٰ تعلیم دلائی ہے۔ لڑکا تو تعلیم سے فارغ ہوتے ہی بیرون ملک چلا گیا۔ وہیں ملازمت کر لی اور وہیں کسی پاکستانی لڑکی سے شادی کر لی۔ دوسرے تیسرے سال والد اور بہن سے ملنے مہینہ بھر کے لئے آتا ہے۔ ہاں ہر ماہ باقاعدگی سے پیسے بھیجتا رہتا ہے۔ اپنی پینشن اور یہ رقم ملا کر ان کا بڑی اچھی طرح گزارا ہو رہا ہے۔ بیٹی بھی تعلیم مکمل کر کے ایک مقامی تعلیمی ادارے سے وابستہ ہے۔ والد کی خوب خدمت کرتی ہے۔ جب مکتب سے فارغ ہو کر گھر آئی ہے تو باورچی خانہ سنبھالتی ہے۔ اور شام کے قریب گلی محلے کے بہت سے بچوں کو شوقیہ پڑھاتی ہے۔ تمام محلے والے اسے بڑی عزت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اور اسے آپا جی کہتے ہیں۔ اس کے رشتہ کے لئے کئی بار اچھے پیغام آ چکے ہیں مگر اس نے ہر دفعہ انکار کر دیا ہے۔ وہ کہتی ہے اگر میں چلی گئی تو میرے ضعیف والد کی کون دیکھ بھال کرے گا۔ اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ تعلیم ہی میرا اوڑھنا بچھونا ہے۔ اور مقصد حیات ہے۔ میں

تعلیم کا پیشہ ایک عبادت سمجھتی ہوں۔ جہاں تک ممکن ہو سکا میں اس کی روشنی پھیلاؤں گی۔ مرزا صاحب نے اس کی تنخواہ سے کبھی ایک پیسہ بھی نہیں لیا وہ اپنی تنخواہ سے اپنی ضروریات پورے کرتی ہے۔ اور اہل محلّہ اور ان کے بچوں کی حتے الامکان امداد کرتی ہے۔ ان کا کردار ایک عملی اور مثالی کردار ہے۔ جس پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے۔ اسے بطور محض ایک کہانی پیش کرنا نہ صرف نہ مناسب ہے بلکہ مجھے بھی زیب نہیں دیتا۔

مرزا صاحب اور غلام حیدر کے مکانوں سے آگے اور بہت سے گھر ہیں۔ جن میں مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے لوگ رہتے ہیں۔ زیادہ تر دکان دار اور ملازمت پیشہ لوگ ہیں۔ ان گھروں میں بے شمار لوگ رہتے ہیں۔ اور انہی گھروں سے فوج در فوج بچے کھیلنے نکلتے ہیں۔ زیادہ تر اچھے لوگ ہیں ماسوائے دو تین گھروں کے جن کی شہرت اتنی اچھی نہیں ہے۔ شنید ہے ان گھروں کے سامنے کاریں آتی جاتی رہتی ہیں۔ مجھے ان چند گھروں کے متعلق کھول لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ میرا ان کے متعلق کچھ لکھنا بھی مناسب نہیں۔

ادھر سے گھوم پھر کر میرا ہن اپنی گلی کے سامنے والے مکان کی طرف جاتا ہے۔ یہ ایک عام قسم کا رہائشی مکان ہے۔ مگر میں جب سے آیا ہوں اسے خالی ہی دیکھا ہے۔ اس کے باہر لگا ہوا تالا بھی اب زنگ آلود ہو چکا ہے۔ میرے سامنے کوئی کرایہ دار اسے دیکھنے بھی نہیں آیا۔ کہتے ہیں کہ یہ آسیب زدہ ہے۔ بہت عرصہ پہلے اس میں کرایہ دار رہتا تھا۔ کسی سرکاری دفتر میں درمیانے درجہ کا ملازم تھا سارا کنبہ اس ملازم۔ اس کی بیوی اور دو چھوٹے بچوں پر مشتمل تھا۔ محلے والے بتاتے ہیں میاں بیوی کو اکثر گھر کے کمروں سے گانے بجانے کی آوازیں آتی تھیں۔ چند مرتبہ کوی شکل بھی نظر آ کر غائب ہو جاتی تھی لیکن گھر والوں نے ان فوق العقل واقعات پر کبھی توجہ نہیں دی تھی۔ اگر یہ کوئی حقیقت بھی تھی تو ان کا گزارہ بڑے سکون سے ہو رہا تھا۔ ایک

دفعہ یہ ہوا ان کے گھر کچھ مہمان آئے جنہوں نے کئی دن تک قیام کیا بڑے غلیظ قسم کے مہمان تھے۔ انہیں اپنے جسم اورل باس کی صفائی کا قطعاً کوئی خیال نہ تھا ان کے بچے انتہائی بد تمیز اور مار دھاڑ کرنے والے تھے۔ جتنے دن رہے آپس میں لڑتے جھگڑتے اور دھینگا مشتی کرتے رہے۔ گھر کا کوئی کونا نہ تھا جو ان کی دسترس سے محفوظ رہا ہو۔ جاتے جاتے یہ لوگ کہہ گئے کہ جلد ہی دوبارہ آئیں گے اور زیادہ دن ان کے ہاں قیام کریں گے۔ ان کے جانے کے دوسرے ہی دن کرایہ دار کی بیوی نے ایک شکل دیکھی جو اسے کہ رہی تھی کہ آپ لوگ یہ مکان خالی کر کے فوراً چلے جائیں۔ ورنہ نقصان اٹھائیں گے۔ میاں بیوی نے یہ بات بھی پہلے والے واقعات کی طرح آئی گئی کر دی۔ مکان چھوڑنے کے متعلق سوچنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی مگر ایک ہفتہ گزرنے کے بعد جب ان کی چھوٹی بچی اچانک چھت سے نیچے صحن میں آ گری اور فوت ہو گئی تو انہوں ن ے بغیر کسی مزید تاخیر کے مکان خالی کر دیا۔ اس وقعہ کی خبر آگ کی طرح پھیل گئی اور پھر کسی کرایہ دار نے ادھر آنے کی جرات نہ کی تب سے یہ مکان بالکل خالی پڑا تھا اب تو موسموں کے تغیر سے بری طرح متاثر ہو رہا ہے۔ مالک مکان نے بھی غالبًا اسے قابل توجہ نہیں سمجھا اندر کی حالت تو میں نے نہیں دیکھی مگر باہر سے دیواریں بری طرح سے شکستہ ہو گئی ہیں۔ جگہ جگہ پلستر اکھڑ چکا ہے۔ اور دیواروں کی اینٹیں بھی سیم زدہ ہو چکی ہیں۔ دیکھنے سے ہی لگتا ہے کہ واقعی آسیب زدہ مکان ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ یہ کہانی جب پہلے ہی سے زباں زد خلائق ہے تو اسے لکھ کر لوگوں کو مزید خوف زدہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ یہ معاملہ بھی میرے عین سامنے والے مکان کا ہے۔ میں لوگوں کے سوالات کا نشانہ کیوں بنوں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے تو کچھ بھی نہیں دیکھا پھر میں اس کا ہال لکھ کر اس مکان میں رہنے والی ان دیکھی مخلوق کو اپنی طرف متوجہ نہیں کرنا چاہتا۔ وہ کچھ ہیں یہ نہیں ہیں میں ایک اچھے پڑوسی کی طرح سکون سے رہنا چاہتا ہوں۔

پھر پھرا کر میرا ذہن اپنے دفتر کی طرف جاتا ہے۔ دفتر کیا ہے اچھی خاصی مچھلی مارکیٹ ہے۔ جہاں ہر وقت افراتفری کا عالم رہتا ہے۔ یوں لگتا ہے یہاں ڈسپلن یا قانون جیسی کوئی چیز نہیں ہے ہر کوئی اپنی اپنی ڈفلی بجانے میں مصروف ہے۔ میزوں پر فائلوں کے ڈھیرف لگے رہتے ہیں۔ ح اجت مندوں کا حجم غفیر رہتا ہے۔ لیکن کسی کا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ انہیں ہر مرتبہ وعدہ فردا پر ٹرخا دیا جاتا ہے۔ چپڑاسی بادشاہ تو کسی خاطر میں لاتے ہی نہیں۔ افسر ماتحت سب ہی ایک عجیب سی دوڑ میں شامل ہیں۔ معقول تنخواہیں وافر آسائشیں اور بے شمار مراعت مل رہی ہیں۔ لیکن کام صفر کے برابر ہے۔ اس دفتر میں بک بک کرنے کے بعد گھر واپس آ کر بھی اس کے بارے میں سوچنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر اپنے دفتر کے بارے میں کچھ لکھوں تو اپنی ہی پست سے پردہ اٹھانے کے مترادف ہے۔ یہ کاروباری ماحول کسی انوکھی کہانی کو تو جنم نہیں دے سکتا۔

اپنے قرب و جوار میں بسنے والے ان لوگوں کے بعد میرے اپنے عزیز و اقارب اور یار دوست ہی رہ جاتے ہیں مگر یہ سب لوگ بھی دوسرے لوگوں کے ایسے ہی رشتے داروں جیسے ہیں۔ کیونکہ ہم سب ایک ہی دور اور ایک ہی معاشرے کے افراد ہیں۔ ان میں بہت اچھے۔ تھوڑے اچھے۔ برے بہت برے۔ سادہ لوح۔ مکار۔ غرضیکہ ہر قسم کے لوگ شامل ہیں۔ جن کے چلن کے متعلق نت نئی کہانیاں ہم اخبارات اور رسائل میں پڑھتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ ازل سے ابد تک ایک جیسے ہی رہیں گے۔ ان میں نئے خصائل پیدا ہونے کی کوئی گنجائش نہیں اور نہ ہی کسی انوکھی کہانی کو جنم دینے کے اہل ہیں۔

ان مشاہدات سے دلبرداشتہ ہو کر میں کرسی سے اٹھ کر بستر پر لیٹ جاتا ہوں تا کہ ذہنی دباؤ سے کچھ سکون مل سکے۔ بستر پر لیٹتے ہی نہ جانے کیوں مجھے اس سوکھے اور ٹنڈ منڈ درخت کا خیال آ جاتا ہے۔ جو میری گلی کی آخری نکڑ پر مدتوں سے بنا کھڑا ہے اور میں اپنے ملنے والوں کو میرا گھر ڈھونڈنے کے لئے جس کا حوالہ دیتا رہتا ہوں۔ مجھے یہاں آئے ہوئے قریباً چار سال ہو چکے ہیں۔ اور میں اس درخت کو ایسے ہی دیکھ رہا ہوں۔ ذرہ بھر تبدیلی نہیں آئی اس میں۔ لمبا سا سیاہ تنا۔ لمبی لمبی سوکھی ہوئی شاخیں۔

ہو سکتا ہے یہ کبھی سر سبز و شاداب رہا ہو۔ اس کی شاخوں پر ہرے پتے اور خوشنما پھول ہوتے ہیں۔ لوگ اس کی گھنی چھاؤں میں چارپائیاں ڈال کر بیٹھے ہوں۔ مگر اب تو یہ بالکل اجڑا اجڑا۔ تنہا تنہا۔ اداس کھڑا انتظار کر رہا ہے کہ کب ہوا کا کوئی تند جھونکا آ کر اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکے۔ لوگ اس کی شاخیں اور تنا کاٹ کر لے جائیں۔ کسی چھت میں ڈالیں یا چولہے میں جلائیں۔ اور اس طرح اس کا وجود ختم ہو جائے۔

یہ سوچتے سوچتے میری آنکھیں سخت بوجھل ہو جاتی ہیں۔ اور نہ جانے کس وقت گہری نیند سو جاتا ہوں۔ صبح آنکھ کھلتے ہی مجھی سب سے پہلے یہ خیال آتا ہے کہ میں نے ایک انوکھی کہانی لکھنی ہے۔ جو کسی مشہور رسالے میں شائع ہو کر میرا تعارف بن سکے۔ کل تک تو کوئی موضوع میرے ذہن میں نہیں آیا۔ لیکن آج دفتر سے واپس آ کر ضرور لکھنے کی کوشش کروں گا۔

ایک انوکھی کہانی' ایک زندہ جاوید شاہکار۔

○○○

• سردی اور الاؤ

یہ ان دنوں کی بات ہے جب پاکستان نیا نیا بنا تھا۔ آبادی کا انخلا پورے زور پر تھا۔ لٹے پٹے مسلمان کے قافلوں پر قافلے مشرقی پنجاب سے پیدل بیل گاڑیوں اور ریل کے ذریعہ روزانہ واہگہ کے راستے لاہور پہنچ رہے تھے۔ ہندوؤں کی بربریت اور ظلم کی منہ بولتی تصویریں میرے والد صاحب بھی جو جالندھر میں محکمہ تعلیم سے وابستہ تھے۔ ہم سب کو بخیریت لاہور لانے میں کامیاب ہو گئے۔ البتہ اپنی عمر بھر کی کمائی اور اثاثے ان درندوں کی نذر کر آئے لاہور پہنچ کر جب انہں نے اپنے محکمہ کے صدر دفتر سے رابطہ قائم کیا تو معلوم ہوا کہ ان کے سرگودھا تبادلہ کے احکامات تو موسم گرما کی تعطیلات سے قبل ہی یہاں سے بھجوائے جا چکے تھے۔ غالبًا ہندو ہیڈ ماسٹر نے اپنے تعصب اور خبث باطن کی بنا پر دبا لیے تھے۔ یہ معلوم ہوتے ہی والد صاحب گھر کے تمام افراد کو لے کر سرگودھا چلے گے تا کہ وہاں جا کر اپنی رپورٹ دیں اور سر چھپانے کے لئے کوئی چھت ڈھونڈیں۔ میں لاہور میں ہی رک گیا میں اسی سال اپنی تعلیم مکمل کر کے فاغ ہوا تھا اور کسی روز گار کی تلاش میں تھا لیکن ان دنون ملازمت حاصل کرنا بھی جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ بے شمار دفاتر کے دروازوں پر دستک دی مگر کوئی دروازہ نہ کھلا کیونکہ ان دنوں ہر جگہ اور ہر دفتر کا نظام درہم برہم اورالجھا ہوا تھا بڑی تگ و دو کے بعد ایک پرائیوٹ ادارے میں گزارے موافق ملازمت مل گئی اچھا یہ ہوا کہ اسی ادارے کے ملکیتی ایک کوارٹر میں رہائش بھی مل گئی اور اس کے ساتھ ملحقہ مشترکہ میس کھانے کا بندوبست بھی ہو گیا۔ یوں مجھے ایک طرح کا سکون حاصل ہو گیا کوارٹر کے جس کمرے میں مجھے جگہ ملی وہ کافی کشادہ تھا اور وہاں پہلے ہی دور لڑکے رہتے تھے اشفاق اور کفیل میری عمر کے سیدھے سادھے سے۔ ان کے چہرے ہنس مکھ تھے لیکن

پریشانی کے آثار نمایاں تھے وہ بھی میری ہی طرح بھارت سے ہجرت کر کے آئے تھے ان کے گھر والے پناہ ڈھونڈنے اگلے شہروں میں جا چکے تھے مگر یہ دونوں بھی کسب معاش کی جستجو میں لاہور رک گئے تھے۔ چند روز قبل ہی انہیں اس ادارے میں جگہ ملی تھی دونوں طبعیت اور بول چال کے بہت اچھے تھے۔ ہماری داستانیں اور دکھ بھی ایک ہی جیسے تھے اور اس مشترکہ رشتے نے ہمیں بہت جلد ایک دوسرے کے اتنا قریب کر دیا تھا جیسے ہم آپس میں بھائی بھائی ہوں۔

ہم دن بھر دفتر میں اکھٹے کام کرتے اور شام کو اکٹھے ہی کوارٹر واپس آ جاتے نہا دھو کر کپڑے تبدیل کرتے کھانا جو ہمارے آنے سے پہلے ہی تیار ہو چکا ہوتا تھا کھا کر فارغ ہو جاتے اس فراغت سے لے کر سونے کے وقت تک ایک لمبا وقفہ ہوتا تھا جسے کاٹنے کے لئے ہمارے پاس کوئی خاص پروگرام یا شغلہ نہیں ہوتا تھا بس کسی نہ کسی طرح وقت گزار کر سو جاتے تھے کچھ عرصہ تو یونہی گزرتا رہا لیکن ہم اسے محض تضیع اوقات سمجھتے ہوئے مطمئن نہیں تھے ہم چاہتے تھے کہ یہ وقت کسی اچھے مصرف میں لایا جائے لاہور ہم تینوں کے لئے بالکل نیا شہر تھا ہم اس کی وسعتوں سے بالکل بے خبر تھے کبھی کبھی تو یوں محسوس ہونے لگتا جیسے ہم پتھر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی طرح کسی ان دیکھے تالاب میں رکھ دیے گئے ہوں یا کسی بہتے ہوئے دھارے میں ٹوٹے ہوئے پتوں کی طرح ہچکولے کھا رہے ہوں۔ ہم نے سر جوڑ کر کئی دنون تک سوچا کہ یہ وقت کیسے استعمال کیا جائے۔ پھر یکایک احساس ہوا کہ یہ وقفہ تو ہمارے لئے ایک نعمت ثابت ہو سکتا ہے۔ کیوں نہ اسے سیر و تفریح اور لاہور سے واقفیت حاصل کرنے میں صرفک یا جائے۔ پھر کیا تھا اسی دن سے ہم نے کھانے سے فارغ ہوتے ہی شہر کی سیاحت کو اپنا معمول بنا لیا۔ اپنی اپنی سائیکلوں پر سوار ہو کر بہت دیر تک سڑکوں۔ پارکوں۔ اور مختلف علاقوں میں گھومتے پھرتے اور رات گیارہ بجے کے قریب واپس آ کر اپنے اپنے بستر پر دراز ہو جاتے یہ آوارہ گردی ہمارے لئے بہت ہی مفید ثابت ہوئی ہم لاہور کی بیشتر آبادیوں محلوں اور علاقوں سے واقف ہو گئے۔ لاہور تو بڑا ہی وسیع شہر

نکلا۔ ہماری سوچوں اور توقعات سے بھی بڑا۔ آہستہ آہستہ ہمارے اس معمول نے یہ صورت اختیار کر لی کہ جن راتوں میں چاندنی نہیں ہوتی تھی ہم لاہور کی جگمگ کرتی سڑکوں پر اندرون شہر گھومتے مگر جن راتوں میں چاندنی ہوتی ہم شحر سے نکل کر اس کے مضافات اور دیگر دور دور کے قابل دید مقامات پر چلے جاتے۔ پھر وہ وقت بھی آ گیا ہم اندروں اور بیرون لاہور کے چپہ چپہ سے واقف ہو گئے۔ یہاں تک کہ دفتر میں ہماری طرح کے نووارد ملازمین میں سے جب کوئی کسی جگہ کے متعلق پوچھتا تو ہم تفصیل کے ساتھ اس جگہ کا محل وقوع۔ وہاں تک پہنچنے کا راستہ اور وہاں کی خصوصیات تفصیل کے ساتھ بتا دیتے تھے۔ اسی لئے دفتر کے سارے لوگ ہمیں لاہور کی گائیڈ بک کہنے لگے تھے۔

وقت گزرتا رہا ور کام کے ساتھ ساتھ ہماری سیر و تفریح کا سلسلہ زور شور سے جاری رہا۔ ان سیروں کا مزا اس وقت اور بھی زیادہ ہو جاتا جب کسی کھلی اور خوبصورت سی جگہ پر بیٹھ کر اشفاق ہمیں اپنے گاؤں سے محفوظ کرتا ظالم کی آواز بڑی سریلی تھی اسے اساتذہ اور جاوید سر کردہ شعراء کا چیدہ چیدہ کلام زبانی یاد تھا بلکہ خود بھی کبھی کبھی طبع آزمائی کر لیتا تھا وہ جب بھی جذبات میں ڈوب کر کوئی چزی گاتا لطف آ جاتا ابھی اس کے ابتدائی شباب کے دن تھے ابھی اس کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی اسے نوکری ملنے پر تھوڑا بہت سکون اورب ے فکری بھی حاصل ہو گئی تھی اس کی سب سے پسندیدہ نظم ساحرلدھیانوی کی وہ نظم تھی جس میں اس نے اپنی محبوبہ کو کہیں اور ملنے کی تلقین کی تھی "میری محبوب کہیں اورملا کر مجھ سے" اس کی وجہ یہ بتایا کرتا تھا کہ میں اپنی ہونے والی محبوبہ کو لاہور کے اس چھوٹے سے کوارٹر میں نہیں ملنا چاہتا۔ یہ بھی کوئی محبت کرنے یا ملنے کی جگہ ہے۔

غالبًا آخر نومبر یا شروع دسمبر کا کوئی دن تھا میٹھی میٹھی سردی کا آغاز ہو چکا تھا اس رات جب چودھیں کا چاند آسماں پر ابھرا اور اس نے چاندنی ہر طرف بکھیر دی تو ہم نے یکایک پروگرام بنایا کہ آج دریائے راوی پر چلیں اور وہاں کشتی میں دریا کی سیر

کریں ہم نے اپنی اپنی سائکلیں نکالیں اور دوسرے ہی لمحے سڑک پر رواں دواں تھے سردی کچھ زیادہ ہی تیز ہو گئی تھی مگر ہمارے عزم کے راستے میں حائل نہ ہو سکی راوی کے پل پر جب ہم نیچے دریا میں اترنے لگے تو وہاں ڈیوٹی پر متعین پولیس والے نے ہمیں روک لیا اور اپنی جرح شروع کر دی کون ہو کہاں سے آئے ہو؟ رات کے وقت تمہیں کیا کام ہے؟ ہم نے اسے اپنے پروگرام سے آگاہ کیا تو وہ کہنے لگا آوارہ لڑکو دریا کیس یر کا یہ کونسا وقت ہے وہ بھی ایسے موسم میں اس وقت تمہیں کون سیر کرائے گا ہم نے اسے یقین دلایا کہ ہمارا مقصد صرف سیر و تفریح ہے اجتماعی خود کشی کا کوئی ارادہ نہیں اور نہ ہی کسی تخریب کاری کا پروگرام ہے اس کا رویہ ہمارے ساتھ کافی مشفقانہ تھا تھوڑے بحث و مباحثہ کے بعد افہام و تفہیم ہو گئی اس نے ہمین نیچے جانے کی اجازت دے دی اس تاکید کے ساتھ کہ اگر ہمیں کشتی نہ ملی تو فور واپس آ جائیں گے آج کل تو راوی میں بے شمار کشتیاں چتی ہیں لیکن ان دنوں صرف دو کشتیاں تھیں جو دن بھر سطح آ پر لوگوں کو سیر کراتیں مگر شام ہوتے ہی ملاح انہیں کنارے کے کسی درخت سے باندھ کر اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے ہم خوش قسمت نکلے نیچے اترتے ہی ایک ملاح نظر آ گیا جو بندھی ہوئی کشتی کے پاس ہی کنارے پر آگ جلائے حقہ پینے میں مصروف تھا ہمن ے اس کے اس ہی اپنی سائکلیں کھڑے کر دیں اور اسے سیر کرانے کے لئے کہا ہمیں قدرے حیرت سے دیکھتے ہوئے اس نے اپنی اکھڑ زبان میں کہا "بے وقوفو! تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے رات کے اس وقت اور اس سردی میں سیر کرنے کا مشورہ تمہیں کس احمق نے دیا جاؤ جا کر اپنے بستروں میں آرام کرو لیکن ہمارے اصرار اور معقول معاوضے کی پیش کش نے اسے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا اس نے چھوٹے سے الاؤ پر پتھر رکھا اور حقہ ایک طرف کرتے ہوئے ہمیں کشتی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ لیکن ساتھ ہی کہنے لگا کہ میں تمہیں کامران کی بارہ دری سے آگے نہیں لے جاؤں گا ہم اس کی بات مان گئے ان دنوں ادریا میں کافی پانی تھا

جس پر کشتی سانی سے چل سکتی تھی چاند کی کرنوں میں پانی کی لہریں جھلمل کر رہی تھی۔ کشتی آہستہ آہستہ آگے بڑھتی ہوئی دریا کے وسط میں پہنچی تو اشفاق نے اپنی مخصوص لے میں فیص احمد فیص کی نظم چھیڑ دی آج کی رات ساز درد نہ چھیڑ ماحول سرد موسم اور اشفاق کی سریلی آواز نے ایک سماں باندھ دیا پھر بھی بارہ دری تک پہنچتے پہنچتے سردی سے ہمارے دانت بجنے لگے اور لباس پتلا ہونیکی وجہ سے جسم کانپنے لگا اس وقت ہمیں اپنی حماقت کا احساس ہوا ملاح بھی کانپتے ہوئے لہجے میں کہنے لگا برخورداروا! آ گیا نہ اب مزا تمہین ماں کے لال گھر سے سیر کرنے نکلے تھے اب بری طرح کانپ رہے ہیں آئندہ ایسے موسم میں ایسی حماقت نہ کرنا ملاح کی ڈانٹ پر ابھی ہم شرمندہ بھی نہ ہونے پائے تھے کہ یکایک بارہ دری سی تھوڑا آگے مغربی کنارے پر بیلے میں آگ کا یاک بڑا الاؤ جلتا نظر آیا اسے دیکھتے ہی میرے منہ سے نکلا کہ آؤ تھوڑی دیر الاؤ پر جاک ر اپنا جسم گرم کرتے ہیں ہر چند ملاح کے ساتھ بارہ دری سے آگے نہ جانے کا معاہدہ تھا لیکن اس کی حالت بھی ہمارے جیسی ہی تھی فوراً راضی ہو گیا کشتی کھیتے ہوئے ہم الاؤ کے قریب کنارے سے جا لگے کشتی ایک درخت سے باندھ دی اور اور ملکر الاؤ کی طرف چل دیے جو سوگز سے زیادہ دور نہیں تھا قریب جا کر دیکھا یہ الاؤ ایک چھوٹے سے ڈیرے پر جل رہا تھا جہاں تین چار کمروں پر مشتمل ایک مکان تھا ایک بوڑھا آگ کے قریب چارپائی پر بیٹھا آگ سینک رہا تھا قریب ہی دوسری چارپائی پر ایک بچہ سو رہا تھا اس سے فوریا آگے ایک گائے کھونٹے سے بندھی چارا کھا رہی تھی اور کمرون کے قریب ایکمرد اور ایک عورتب ھی اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے الاؤ کی تیز روشنی میں ہمیں یہ سب کچھ نظر آ رہا تھا ہم نے قریب پہنچ کر بڑے میاں کو سلام کیا اور آگ تاپنے کی اجازت چاہی برے میاں نے ہمیں گھور کر دیکھا آگ کی روشنی میں اس کی آنکھوںم یںایک عجیب سی چمک جھلک رہی تھی وہ پوچھنے لگا ارے لڑکو! تم اس وقت ادھر کیا کر رہے ہو جب ہم نے اسے اپنے مہم جوئی کے شوق سے

آگاہ کیا تو وہ زور سے ہنسا پھر ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اس کی اجازت غنیمت سمجھ کر ہم آگ کے قریب زمین پر بیٹھ گی آگک ی خوشگوار تپش جب ہم تک پہنچی تو ہم نے اطمینان کا سانس لیا۔ پہلے ہم نے ہاتھ گرم کیے پھر جوتی اتار کر پاؤں بھی آگیک ر دیے یہ آگ میسر آنے پرمجھے اس بڑھیا کی بات یاد آ گئی جس نے ایسی ہی سردی میں آگ تاپتے ہوئے کہا تھا کہ اللہ میرا تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے تو نے مجھے اس جہان میں آگ دی ہے۔ اگلے جہاں میں بھی دینا ہم آگ تاپتے رہے اور بڑے میاں بڑی خاموشی سے ہماری طرف دیکھ کر مسکراتے رہے پھر دھیمے دھیمے لہجے میں ہمارے ساتھ باتیں کرنے لگے۔ انہوں نے ہمارے نام کام اور دیگر مشاغل کے بارے میں کئی سوال کیے جن کا ہم جواب دیتے رہے بڑے زندہ دل اور جہان دیدہ لگتے تھے تھوڑی دیر تک جب ہماری سردی کا اثر کم نہ ہوا تو انہوں نے رخ پچھلی طرف موڑتے ہوئے آواز دی بیٹا عبدالرحمان ادھر آؤ دیکھو ہمارے گھر سیاہ آئے ہیں ذرا آ کر ان کی شکلیں اور حالت دیکھو سردی میں ٹھٹھر رہے ہیں انہیں تھوڑی سی چائے پلاؤ بیٹے نے وہیں سے جواب دیا آتا ہوں باباف چائے کا نام سنتے ہی ہماری باچھیں کھل گئیں تھوڑی دیر میں عبدالرحمان ضروری برتن لے کر آ گیا علیک سلیک کے بعد وہ بھی ہمارے ساتھ زمین پر ہی بیٹھ گیا اور الاو پر چائے بنانا شروع کر دی اس دوران بڑے میاں کے ساتھ ہماری ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں جب چائے بن گئی تو عبدالرحمان نے چھوٹی چھوٹی پالیوں میں چائے ہمارے ہاتھوں میں تھما دی جسے ہم نے چسکیاں لے لے کر پیا۔

جب ہم چائے پی چکے تو بڑے میاں پھر ہم سے مخاطب ہوئے "لڑکو! تم جو اس وقت اس ویرانے میں آئے ہو کیا تمہیں کوئی احساس نہیں ہوتا؟

"کس چیز کا ڈر؟" کفیل نے پوچھا

"یہی جنگلی جانوروں کا"

"جنگلی جانور ادھر کہاں" اس دفعہ اشفاق بولا

"جنگلی جانور نہ سہی سانپ بچھو وغیرہ"

"اس موسم میں وہ باہر کیسے نکل سکتے ہیں"

"چلو کسی اور خطرناک چیز کا"

"نہیں ہم کسی سے نہیں ڈرتے" ہمارا متفقہ جواب تھا

URDU4U.COM

"دریا کے کنارے بیلوں میں کچھ اورب ھی تو ہو سکتا ہے"

"اگر ہو سکتا ہے تو پھر آپ ادھر کیوں رہتے ہیں

بڑے میاں تھوڑی دیر سوچ میں کھو گئے پھر کہنے لگے

"جن بھوت تو ہو سکتے ہیں"

"چن بھوت کوئی مخلوق نہیں محض واہمہ ہوتا ہے" کفیلن ے جواب دیا

"واہمہ!" بڑے میاں نے حیرت کا اظہار کیا

"جی ہاں محض واہمہ"

"واہمہ نہیں وہ حقیقتاً ایک مخلوق ہیں"

"ہوتی ہو گی مگر ہمیں اس سے کیا" اشفاق نے کہا۔

"ہوتی ہو گی نہیں ہے۔ تم نے قرآن شریف تو پڑھا ہو گا"

"جی ہاں پڑھا ہے"

"اس میں ان کا واضح ذکر ہے" بڑے میاں بولے

"سورہ جن میں تو انکا خصوصی ذکر ہے" عبدالرحمان نے بڑے میاں کی تائید کی

"ذکر ہے تو پھر کیا؟"

"تو پھر یہاں جن وغیرہ بھی ہو سکتے ہیں"

"چھوڑیں اس ذکر کو ہمیں ان سے کیا لینا ہے" کفیل نے قدرت برہمی سے کہا۔

"برخودار حقیقت کو کیسے جھٹلا سکتے ہو"

"بس کہ جو دیا۔ جن نہیں ہوتے"

اس مقام پر ہمارے درمیان اختلاف رائے ہو گیا کفیل اور اشفاق انکاری تھے جبکہ میں

اور عبدالرحمان ان کے وجود کے حق میں اب معاملہ برابر برابر ہو گیا تھا۔

"دیکھو ضد نہ کرو مان لو ان کا وجود معاملہ برابر ہونے کی صورت میں میرا ووٹ حتمی ہو گا" بڑے میاں نے اپنی رائے کا عندیہ دیا۔

URDU4U.COM

آپ اگر اس کے حق میں فیصلہ دے بھی دیں تو ہماری صحت پر کیا اثر ہو گا؟ مخالف اپنی ضد پر اڑے رہے بڑے میاں کی مسکراہٹ اور تیز ہو گئی اور ان کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔ "اب بھی یہ فضول ضد چھوڑ دو اور ان کی حقیقت مان لو"

"نہیں نہیں ہم نہیں مانتے"

نہیں مانتے؟" بڑے میاں کا لہجہ درشت ہو گیا

"نہیں نہیں"

"ایک دفعہ پھر سوچ لو"

"نہیں نہیں"

"اگر نہیں مانتے تو"

پیشتر اس کے کہ بڑے میاں کا فقرہ مکمل ہوا اور ہماری طرف سے کوئی جواب دے وہاں سے ہر چیز غائب ہو چکی تھی نہ وہاں ڈیرہ تھا نہ الاؤ نہ بڑے میاں نہ ان کے گھر والے نہ گائے نہ چارپائیاں ہمارے چاروں طف ایک ویرانہ تھا صرف ہم چاروں حیران ششدر بیٹھے تھے ہر طرف سرد ہوا بین کر رہی تھی آسمان پر چمکتے ہوے چاند کی چاندنی نے ماحول کو بالکل آسیب زدہ کر بنا رکھا تھا مجھے تو ایک جھر جھری سی آ گئی اپنے جوتی وہیں چھوڑ کر ہم کشتی کی طرف بھاگے اٹھے آگے آگے ہم تینوں تھے اور ہمارے پیچھے ملاح گھسٹتا آ رہا تھا کشتی میں بیٹھنے تک ہمیں اپنے پیچھے قہقہوں کی اونچی اونچی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ہم دبک کر کشتی میں بیٹھ گے ماتھے پر پسینے کے قطرے جھلک رہے تھے ملاح نے چپو سنبھالتے ہی ہمیں صلواتیں سنان شروع کر دیں کمبختو تم نے تو آج مروا ہی دیا تھا کتنا منع کیا تھا تمہیں مگر تم سورماؤں نے ایک نہ مانی اب لے لو مزا شکر کرو کسی کی گردن نہیں توڑی گئی

واپس کنارے پر آ کر جب ہم ملاح کو پیسے دے رہے تھے تو ہمی وہیں سے دور اس بیلے میں دوبارہ الاؤ جلتا ہوا نظر یا لیکن ہمن ے ننگے پاؤں دوڑ کر اپنی اپنی سائکلیں اٹھائیں اور وہاں سے بھاگ اٹھے خدا خدا کر کے اپنے کوارٹر میں داخل ہوئے تو کمرے والا گھڑیال بارہ بجا رہا تھا اس کی آوازیں لگتی تھیں جیسے ہمارے پیچھے آنے والا کوئی شخص ہمارے دروازے پر دستکیں دے رہا ہے آتے ہی ہم اپنے بستروں پر لیٹ گئے لیکن رات بھر نیند نہ آئی رہ رہ کر ڈراؤنے خیال آتے رہے بڑے میاں کا چہرہ انکا تحکمانہ انداز گفتگو اور بعد کا سارا واقعہ ذہن میں گھومتا رہا

صبح ہوئی تو میرا جسم ٹوٹ رہا تھا مگر کفیل اور اشفاق دونوں بخار کی شدت سے کراہ رہے تھے۔

○○○

• دوسرا امجد خان

مجھے قبرستان میں جا کر قبروں کے کتبے پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ یہ میرا شوق ہی نہیں بلکہ میری کمزوری بھی ہے۔ اکثر میں خود بھی سوچتا ہوں کہ دنیا میں دیگر مشاغل کی کیا کمی ہے جو میں اس شوق خاص کا اسیر بن کر رہ گیا ہوں۔ لیکن نہ تو مجھے کبھی سمجھ میں آیا اور نہ ہی میرے دل نے اس شوق کی وجہ بتائی ہے۔ جب بھی اپنے بڑوں بزرگوں عزیزوں دوستوں کی قبروں پر فاتحہ پڑھنے جاتا ہوں تو قبرستان کا ایک چکر لگا کر ادھر ادھر نصب شدہ کتبے ضرور پڑھتا ہوں جنہیں پڑھ کر مجھے ایک عجیب سا سکون ملتا ہے۔ میں ویسے تو سب اہل قبور کے لئے دعا کرتا ہوں لیکن جب کسی علیحدہ نوعیت کا کتبہ نظر پڑتا ہے تو میرے قدم خودبخود رک جاتے ہیں۔ اور میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیتا ہوں اس شوق کے میں نے کئی فائدے محسوس کیے ہیں اول یہ کہ نئے نئے اور اچھے اچھے اشعار پڑھنے کے لئے ملتے ہیں دوئم پتہ چلتا ہے کہ مرنے والے کے سوگوار اسے کیا دعا دیتے ہیں سوئم مجھے تھوڑا بہت اندازہ ہو جاتا ہے کہ مرنے والے کا کونسا خصوصی پہلو تھا جو سگواروں کو بہت پسند تھا بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ مرنے والے کی زندگی کا یہی خصوص پہلو مجھے کچھ نہ کچھ لکھنے پر اکساتا ہے اگر ممکن ہوتا تو میں ہر مرنے والے کے لواحقین سے ضرور درخواست کرتا کہ وہ جب جدا ہونے والے کی قبر پر کتبہ نصب کریں تو خیال رکھیں کہ کتبے کی تحریر مرنے والے کی کسی خاص اچھائی کی ترجمانی کرتی ہو۔

ایک طویل عرصہ تک ملک سے باہر رہنے کے بعد واپس آ کر جب میں اپنے والدین کی قبروں پر فاتحہ پڑھنے کے لئے گیا تو مجھے قریب ہی دو نئی پہلو بہ پہلو قبریں نظر آئیں جو میری غیر موجودگی کے دوران بنی تھیں ایک ہی جیسی سنگ مرمر سے تراشی ہوئیں کھلے ہوئے پھولوں کی مانند حسین اور تازہ ان کے سرہانے نصب کردہ کتبے بھی ایک ہی

جیسے اجلے اجلے اور روشن روشن تھے ایک پرانا نام امجد خان اور دوسری پر صوفیا خانم لکھا ہوا تھا۔ کتبوں کی باقی تحریر بتا رہی تھی کہ دونوں میاں بیوی تھے مجھے رشک آنے لگا کہ زندگی میں ایک ساتھ رہنے کے بعد بھی انہوں نے ایک دوسرے سے جدا رہنا گوارانہ کیا اور اپنی آخری آرام گاہیں بھی پہلو بہ پہلو بنوائیں اللہ انہیں کروٹ کروٹ چین نصیب کرے میرے دل نے یہ معلوم کرنے کی قطعاً خواہش نہ کی کہ یہ دونوں خوش نصیب کون تھے؟ کہاں رہتے تھے؟ یا وہ کن حالات میں مرتے وقت بھی ایک ساتھ رہے؟

URDU4U.COM

ہاں مگر ان دونوں قبروں نے میرے دل میں اپنے ایک جگری دوست اور اس کی محبوبہ کی یاد تازہ کر دی میری دوست کا نام بھی امجد خان تھا اور اس کی محبوبہ کا نام صوفیا خانم میرا عزیز دوست جب ناگہانی موت کا شکار ہو کر دفن ہوا تھا تو اس کے مرقد بھی ہو بہو ایسا ہی سنگ مر مر کا مزار بنایا گیا تھا اور ایسا ہی کتبہ نصب فکیا گیا تھا لیکن یہ تو آج سے کم و بیش پچپن سال پہلے کا واقعہ ہے۔ اور وہ اس شہر میں رہتا تھا جو اب واہگہ کے اس پار ہے ۱۹۴۷ء میں ہندوستان سے ہجرت کے وقت تک میں متواتر اسکی قبر پر جا کر فاتحہ پڑھتا رہا تھا پھر جب میں واہگہ سے اس پار آگیا تو یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ قیام پاکستان سے قریباً آٹھ سال بعد مجھے پھر اس شہر میں جانے کا اتفاق ہوا تو میں خاص طور پر اس کی قبر پر فاتحہ پڑھنے گیا مگر افسوس وہ قبرستان اجڑ چکا تھا تمام کتبے بھی غائب ہو چکے تھے یوں لگتا تھا جیسے ساری قبروں پر ہل چلا دیا گیا ہو۔ قبروں کے نشانات بالکل مفقود تھے جیسے یہاں کبھی تھیں ہی نہیں۔ دوست کی قبر کا تعین بھی ناممکن تھا۔ یونہی انداز ایک جگہ کھڑے ہو کر بوجھل دل کے ساتھ فاتحہ پڑھی اور چند آنسوؤں کے پھول چڑھا کر واپس آ گیا اس دن کے بعد آج تک جب بھی دل میں اس کی یاد ابھرتی ہے میں یہیں اس سے بہت دور بیٹھ کر اس کے حق میں دعا کر لیتا ہوں امجد تو میری آنکھوں کے سامنے جدا ہوا اور اسے میرے سامنے ہی دفن کر دیا گیا تھا لیکن مجھے آج تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کی صوفیا کس شہر میں

گئی اور اس کا کیا حال ہوا بہر حال میں صوفیا کیلئے بھی ہمیشہ دعا کرتا رہتا ہوں اور اسے یاد کرتا رہتا ہوں اللہ تعالی امجد اور صوفیا دونوں پر اپنی رحمت کرے۔

URDU4U.COM

امجد اور صوفیا کے ساتھ میرے اس خلوص پیار محبت اور گہری وابستگی کی وجہ یہ ہے کہ دونو میرے شہر اور میرے محلے میں میرے گھر کے قریب ہی رہتے تھے امجد کا مکان توم یرا مکان چھوڑ کر دو گھر آگے تھا البتہ صوفیا ہماری گلی میں ذرا دور رہتی تھی وہ عمر میں مجھ سے توڑا بڑا تھا اور دو جماعتیں سینئر تھا ہم ایک ہی سال اور بعد میں ایک ہی کالج میں پڑھے میرا پڑوسی اور ہم مکتب ہونے کی وجہ سے میری اس کے ساتھ گہری دوستی تھی۔ اس کے علاوہ میں اس کا ہم راز بھی تھا وہ مجھے اور میں اسے اپنا بھائی سمجھتے تھے کچھ ایسے ہی مراسم ہم دونوں کے گھر والوں میں بھی تھے۔ صوفیا اس کے رشتے جدار تھی قریبی تو نہیں مگر اتنے دور کی بھی نہیں۔ وہ بھی تھوڑی چھوٹی ہونے کی وجہسے امجد سے دو کلاسیں پیچھے تھی۔ یعنی میری ہی طرح یہ الگ بات تھی کہ ہم لڑکوں کے سکول اور بعد میں لڑکوں کے کالج میں پڑھے جبکہ صوفیا لڑکیوں کی سکول اور کالج میں۔

پڑھائی کے سالوں کے دوران ہی امجد اور صوفیا کے آپس میں محبت ہو گئی۔ جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور گہری ہوتی گئی۔ میں ان کی محبت کا اکلوتا ہم راز تھا۔ امجد اپنی ہر بات مجھے بتا دیا کرتا تھا اور اسی طرح صوفیا بھی مجھ پر بہت اعتماد کرتی تھی۔ اس لئے میں اس کے احساسات اور کیفیات سے بھی بخوبی واقف تھا۔ وہ مشکل اوقات میں مجھ سے ہی مشورہ کیا کرتی تھی۔ اس کے گھر والے میرے اور امجد کے باہمی تعلقات اور دوستی کو دیکھتے ہوئے مجھے بھی اپنے ہی گھر کا فرد سمجھتے تھے۔ امجد اور صوفیا چونکہ رشتے دار تھے اس لئے ایک دوسرے کے گھر بغیر کسی جھجک یا روک ٹوک کے آیا جایا کرتے تھے۔ حتے کہ دونوں کے اکھٹے باہر سیر کرنے یا شاپنگ کے لے جانے پر کوئی قدغن نہیں تھی۔ دونوں کے والدین کی بھی خواہش تھی کہ تعلیم مکمل ہونے پر دونوں کی آپس

میں شادی کر دی جائے۔ گو ابھی اس بارے میں حتمی اعلان نہیں ہوا تھا تاہم وہ اپنے دلوں میں یہ طرے کر چکے تھے۔ یہ بات امجد اور صوفیا کو بھی معلوم تھی اس لئے وہ اطمینان کے ساتھ اس سنہری لمحے کا انتظار کر رہے تھے۔

URDU4U.COM

ایک دن امجد نے مجھے بتایا کہ اس کی صوفیا کے ساتھ تفصیلی بات ہوئی ہے وہ صرف یہ چاہتی ہے کہ میں تعلیم سے فارغ ہوتے ہی ائر فورس میں کمیشن لے کر پائلٹ بنوں۔ تاکہ روزگار کا سلسلہ بھی شادی سے پہلے ہی باعزت طور پر حل ہو جائے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ میں نے بھی اس سے وعدہ کیا ہے کہ انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔

میں ابھی سکول میں تھا اور امجد کالج میں کہ دوسری جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ یہ جنگ میرے کالج کے آخری سالوں تک جاری رہی۔ جنگی ضروریات اور جنگ میں ہونے والے نقصانات پورا کرنے کے لئے دوسرے دفاعی محکموں کی طرح ائرفورس میں بھی بھرتی کے دروازے کھل گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تعلیم سے فارغ ہوتے ہی امجد نے کمیشن کے لئے اپلائی کر دیا۔ ضروری محکمانہ مراحل سے گزر کر امجد کامیاب ہو گیا۔ جس دن اسے منتخب ہو جانے کی اطلاع ملی وہ دن امجد اور صوفیا کے لئے عید کا دن تھا۔ صوفیا کے تو مارے خوشی کے آنسو بھی نکل آئے تھے۔ دونوں کے گھر والے بھی بے حد خوش تھے امجد کے ٹریننگ پر جانے سے پہلے دونوں گھروں نے مشترکہ طور پر ایک شاندار دعوت کا اہتمام کیا جس میں مجھے خصوصی طور پر بلایا گیا تھا اس دعوت کے دورا دونوں کی منگنی کا باقاعدہ اعلان کر دیا گیا۔

امجد اپنی ٹریننگ کے لئے چلا گیا۔ ٹریننگ مکمل ہونے پر اس کی پوسٹنگ آگرہ ہو گئی۔ یہ درمیانی طویل عرصہ امجد اور صوفیا دونوں کے لئے کافی بے چینی کا دور تھا۔ جوں جوں ختم ہونے کے قریب آتا گیا ان دونوں کے بے چینی بھی بڑھتی گئی تھی کیونکہ ان کی امیدوں اور آرزوؤں کے بر آنے کا دن اب بالکل قریب تھا۔ اس عرصہ کے دوران امجد دو تین دفعہ ہم سب سے ملنے کے لئے بھی آیا تھا اسی دوران صوفیا کی تعلیم بھی

مکمل ہو گئی۔ اب وہ گھر پر رہ کر ہی خوش آئند خواب دیکھتی تھی۔ اور خیال ہی خیال میں گھروندے بناتی تھی۔ اسے امجد کے خط آتے رہتے تھے۔ جو مجھے ضرور پڑھاتی تھی ہاں اپنے ان خطوط کا مضمون چھپائے رکھتی تھی جو وہ جواب میں لکھتی تھی اب انہیں صرف اور صرف اس دن کا انتظار تھا جب انہوں نے ایک ہو جانا تھا۔

URDU4U.COM

ایک روز میں جب صوفیا کی خیرت معلوم کرنے اس کے گھر گیا تو اس نے بڑی مسرت کے ساتھ امجد کا وہ خط دکھایا جو اسے اسی روز ملا تھا۔ اس خط کا متن مجھے آج بھی یاد ہے جو کچھ یوں تھا۔

"تم نے جنگی نمائش کے انعقاد کی خبر سن لی ہو گی یہ نمائش ہندوسان کی تاریخ میں ایک مثالی نمائش ہو گی پورے ہندوستان سے چیدہ چیدہ سپاہی ملاح اور ہوا باز حصہ لیں گے تمہیں یہ سن کر خوشی ہو گی کہ ہوائی فوج کی نمائندگی میرے حصہ آئی ہے۔ کتنی بڑی عزت ہے یہ۔ میرے اعلی افسر مجھے بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس نمائش کا فوراً بعد مجھے ترقی مل جائے گی۔ اس نمائش میں شریک ہونے کے لئے میں یہاں سے سات ستمبر کی صبح روانہ ہوں گا۔ اور اسی روز قریباً گیارہ بجے تمہارے شہر کے اوپر سے گزروں گا۔ آگے جانے سے پہلے میں ایک بار تمہارے گھر کے اوپر چکر ضرور لگاؤں گا۔ میرے جہاز کی نشانی یہ ہو گی کہ میں دور مشرق سے بہت نیچی اڑان میں گزروں گا۔ مجھے امید ہے اس روز گیارہ بجے کے قریب تم اپنے گھر کی چھت پر موجود رہو گی۔ اور مجھے ہاتھ ہلا کر بائی بائی کہو گی۔ میں بھی اوپر جہاز میں بیٹھا اپنا ہاتھ ہلا کر تمہیں ہیلو ہیلو کروں گا۔"

صوفیا نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں بھی اس دن ٹھیک ساڑھے دس بجے اس کے گھر

آ جاؤں تا کہ ہم دونوں اوپر چھت پر جا کر اکٹھا امجد کا استقبال کریں۔
حسب وعدہ میں ساڑھے دس بجے صوفیا کے گھر جا پہنچا۔ وہ بالکل تیار تھی اس نے بتایا
URDU4U.COM
کہ وہ نو بجے ہی تیار ہو گئی تھی اس نے سرخ رنگ کا شوخ لباس پہن رکھا تھا۔ جو یقیناً امجد کو دور سے ہی نظر آ سکتا تھا۔ مکمل سنگھار کے ساتھ ساتھ اس نے کپڑوں پر خوشبو کے غالباً کچے انڈیل رکھے تھے۔ پھر ہم دونوں گھر کی چھت پر آ گئے اور امجد کے جہاز کا انتظار کرنے لگے۔ اس ہونے والی فضائی ملاقات کی مجھے بڑی خوشی تھی۔ لیکن صوفیا کچھ زیادہ ہی بے تاب تھی۔ وہ ٹک کر کرسی پر نہیں بیٹھ رہی تھی بار بار اٹھ کر ٹہلنے لگتی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آسمان کی طرف دیکھنے لگتی۔ اس کے دل کی جو کیفیت تھی وہ اس کے گالوں کی لالی اور آنکھوں کی چمک سے صاف عیاں تھی۔
تھوڑی دیر بعد گھوں گھوں کی آواز ہمارے کانوں میں پڑنے لگی میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا شاید یہی کیفیت صوفیا کے دل کی بھی تھی۔ پھر پہلے افق پر ایک نقطہ سا نمو دار ہوا۔ جو لحظہ لحظہ بڑا ہو کر جہاز کی شکل اختیار کر گیا۔ میں نے دیکھا صوفیا ٹکٹکی باندھ کر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ جب جہاز نے شہر کا چکر لگایا تو وہ خوشی سے چلا اٹھی وہ دیکھو امجد کا جہاز آ گیا ہے۔ پھر اس نے اپنے دوپٹے کو ایک کونے سے پکڑ کر اسے ہوا میں لہرانا شروع کر دیا۔ مشرقی سمت آ کر جب جہاز نے اونچائی سے غوطہ لگایا اورن زدیک آ کر بہت نیچا ہو گیا تو صوفیا جلدی سے پیچھے طرف ہٹ کر دیوار سے لگ گئی۔ جہاز گھر کے عین اوپر سے گزرنے لگا تو اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر زور زور سے ہلائے اور چیخ چیخ کر بائی بائی کہنے لگی۔ ہمیں صاف نظر آ رہا تھا کہ امجد بھی جہاز کی کھڑکی سے نیچے دیکھ کر ہاتھ ہلا رہا تھا۔ جس چھت پر ہم کھڑے تھے وہ شدت سے لرز رہی تھی اگلے ہی لمحے جہاز چھت سے گزر کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اور صوفیا کھوئی کھوئی نظروں سے خلاء میں گھورنے لگی پھر اچانک ایک زور کا دھماکہ ہا اتنے زور کا کہ ہم دونوں کے دل دہل گئے۔ ہم بھاگے بھاگے تیسری منزل

والی ممٹی پر گئے اور جدھر جہاز گیا تھا نظریں دوڑانے لگے ہم نے دیکھا کہ محلے کی نکڑ سے آگے والی مسجد کا بلند منار گرا ہوا تھا اور مسجد کے عقب سے سیاہ دھوئیں کے بادل اٹھ رہے تھے۔ جہاز کا کہیں نشان تک نہ تھا اور نہ ہی گھوں گھوں کی آواز آ رہی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر صوفیا بے ہوش ہو کر گئی۔ چہرے کی رنگ سفید ہو گئی اور سارا جسم بے حس ہو گیا۔ میں نے اس کے گھر والوں کو فوراً اوپر آنے کے لئے آواز دی ان کی مدد سے صوفیا کو اٹھا کر نیچے لائے اور اسے اس کے کمرے میں بستر پر لٹا دیا میں دوڑ کر قریبی ڈاکٹر کو بلا لایا۔ ڈاکٹر کی سر توڑ کوشش سے کافی دیر بعد صوفیا کو ہوش آیا اور اس نے آنکھیں کھولیں اس کی آنکھوں میں اتنی وحشت تھی کہ میں دیکھنے کی تاب نہ لا سکا۔ ہوش میں آتے ہی وہ بے تحاشہ چلائی "امی امجد!امجد!امی اس کا جہاز کہان گیا؟ مسجد کے پیچھے سے دھواں کیوں اٹھ رہا ہے؟ مسجد کا بلند مینار کہاں ہے؟ امی امجد کدھر ہے؟"

اگلے روز امجد کی میت سرکاری طور پر اس کے گھر پہنچائی گئی ائر فورس کے کچھ افسر اور جوانوں کا ایک دستہ ساتھ آئے تھے۔ اسی شام امجد کو پورے اعزاز کے ساتھ سپرد خاک کر دیا گیا۔ صوفیا کی ابتر حالت اور ذہنی کیفیت کے پیش نظر اسے امجد کی میت اور جنازہ کی خبر نہ دی گئی۔ اس کے برعکس خصوصی حفاظت کے ساتھ اسے کمرے میں بند رکھا گیا۔ اس سانحہ کے بعد میں ہر روز فاتحہ پڑھنے کے لئے اس کی قبر پر جاتا رہا۔ اس دوران اس کی قبر سنگ مرمر سے پکی بنوا دی گئی اور اس کے سرہانے ایک بڑا ہی خوبصورت کتبہ نصب کر دیا گیا۔

اس کی پکی قبر اور اس پر نصب کردہ کتبہ بالکل ایسا ہی تھا جیسا آج میں نے اپنے والدین کی قبروں کے قریب اس نئی قبر پر دیکھا۔ اللہ میرے امجد خان اور اس نئی قبر والے امجد خان دونوں کو اپنی رحمتوں سے نوازے اور دونوں کو جنت میں اعلی مقام عطا کرے میں آئندہ اس قبر پر آ کر ان کی مغفرت کے لئے دعا کرتا رہوں گا۔ اس کے علاوہ میں اپنی دعاؤں میں اس صوفیا خانم اور اس صوفیا خانم کو بھی نہیں بھولوں گا۔

اس حادثہ سے قریباً ماہ بعد پاکستان معرض وجود میں آ گیا اور اس وقت کی خونی فضا کو دیکھتے ہوئے میرے گھر والے اس طرف آ گئے۔ محلّہ چھوڑنے سے پہلے جب میں آخریبار صوفیا کو الوداع کہنے ان کے گھر گیا تو وہ لوگ بھی وہاں سے نکل جانے کی تیاری کر رہے تھے مگر صوفیا صحن میں ایک چارپائی پر گم سم بیٹھی ہوئی تھی۔ ماحول سے بالکل بے خبر اور لا تعلقی سی۔ اس کی نظریں کبھی دیواروں پر اور کبھی اوپر آسمان کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اس نے میری طرف بھی دیکھا مگر اس نے نہ مجھے پہچانا اور نہ ہی کوئی بات کی۔ اس کی آنکھوں سے وحشت ابل رہی تھی اور اس کی زبان بالکل بند تھی میں زیداہ دیر تک وہاں رکنے کی ہمت نہ کر سکا۔ فوراً واپس آ گیا اور آتے ہی ہم لوگ ایک فوجی ٹرک میں بیٹھ کر رفیوجی کیمپ آ گئے پھر وہاں سے ایک صبر آزما اور دل شکن صورت حال سے گزرتے ہوئے واہگہ کے راستے اس طرف پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد آج تک علم نہیں ہو سکا کہ صوفیا اور اس کے گھر والوں پر کیا بیتی وہاں سے کیسے نکلے اور کہاں گئے۔ نکلے بھی یا دردنوں کی نذر ہو گئے یہ بھی خبر نہیں کہ صوفیا کہاں اور کس حال میں ہے۔

میں آئندہ ان نئی قبروں پر آ کر ان سب کے لئے دعا کروں گا اپنے دوست امجد خان اور اس دوسرے امجد خان اپنے دوست کی محبوبہ صوفی اخانم اور دوسری صوفیا خانم کی مغفرت کے لئے دعا اللہ تعالی ان سب کو اپنی رحمتوں سے نوازے۔

○○○

• کرسمس ناچ

مجھے ملازمت سے ریٹائرڈ ہوئے کم و بیش دس سال ہو چکے ہیں۔ اللہ کا بڑا کرم ہے کہ ریٹائرڈ ہونے سے قبل ہی میں اپنے بچوں کے فرائض سے سبکدوش ہو گیا تھا اور وہ سب اپنے اپنے گھروں میں خوش و خرم زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ریٹائرڈمنٹ کے بعد گھر میں صرف اورمیری بیوی یا یاک بوڑھی خاندانی خادمہ رہ گئے ہیں۔ سروس کے دوران جو تھوڑی بہت پونجی میں بچا سکا تھا وہ میں قومی بچت کی ایک سکیم میں لگا دی تھی۔ اسی کے ماہانہ منافع اور پنشن کی رقم ملا کر سکون سے دن گزر رہے ہیں۔ میں خود سارا دن فارغ ہوتا ہوں۔ زیادہ وقت مطالعہ میں یا جرائد کے لئے گاہے بہ گاہے کچھ لکھنے میں صرف ہوتا ہے۔ باوجود اس کے میرے پاس کافی وقت ہوتا ہے جسے گزرنے کے لئے میں کوئینہ کوئی بہانہ ڈھونڈ لیتا ہوں۔

چند روز ہوے میرے ذہن میں خبط سمایا کہ گھر کی مجموعی صفائی کی جائے کیونکہ اس طرف توجہ دیے کافی وقت گزر چکا تھا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی سوچا کہ ان چند پرانے صندوق کو بھی کھول کر دیکھ لیا جائے۔ جو عرصہ دراز سے مقفل پڑے ہوئے ہیں اور جنہیں کھولنے کی کبھی ضرورتپیش نہیں آئی۔ چنانچہ میں نے کئی دن اسی مصروفیت گزار دیے۔ ایک دن ایک ایسا صندوق بھی کھولا جس میں پرانے کاغذات مختلف تحریریں متفرق کاغذات بے ہنگم طریقہ سے ٹھونسے ہوئے تھے۔ ان کاغذات میں سے بہت سے تو میں نے پھاڑ دئے۔ باقی بھی کچھ ایسے ضروری نہیں تھے پھر بھی میں نے اسی طرح تہہ کر کے واپس رکھ دئے۔ باقی بھی کچھ ایسے ضروری نہیں تھے پھر بھی میں نے اسی تہہ کر کے واپس رکھ دئے۔ ان کاغذات میں ۱۹۵۲ء کی ایک پھٹی پرانی ڈائری بھی نکلی جسے کسی دوسرے وقت پڑھنے کے لئے میں نے نکال لیا۔

کئی دن بعد جب میں نے اس ساری صفائی سے فارغ ہوا تو میں نے وہ پرانی ڈائری اٹھائی

اور ورق گردانی شروع کر دی۔ پیشتر صفحات پر گھریلو اخراجات دھوبی کا حساب عزیزوں کی آمدورفت اور ان سے لین دین کی یاداشتیں خاندان میں پیدائش اور اموات کا ریکارڈ اور دیگر ایسے ہی امور کے کوائف درج تھے جو تقریباً ہر گھر میں ایک ہی جیسے ہوتے ہیں ڈائری کی تاریخوں میں تسلسل نہیں تھا کیونکہ جا بجا سے صفحات غائب تھے کچھ صفحے پھٹے ہوئے اور موسمی تغیرات سے مسنح شدہ تھے یونہی آہستہ آہستہ ورق الٹاتے ہوئے جب میں آخری مہینہ تک پہنچا تو وہاں ڈائری کی حالت نسبتاً درست تھی لیکن جونہی میں نے ان آخری صفحات کا معالعہ کیا تو ان میں مجھے ایک ایسے اندوہ ناک واقعہ کی یاد دفن ملی جو باوجود اندہناک ہونے کے وقت کے ساتھ میرے ذہن میں قریباً قریباً دب کر رہ گئی تھی۔ یہ یاد تازہ ہوتے ہی میرے ذہن میں ایک طوفان سا اٹھ کھڑا ہوا اور میرا سارا جسم لرز کر رہ گیا۔

اس واقعہ کا تعلق ان دنوں کے ساتھ تھا جب میرے والد ایک سرکاری محکمہ میں افسر تھے اور ہمیں شہر کی ایک سر سبز درختوں سے ڈھکی اور پر سکون سڑک پر سرکاری رہائش گاہ ملی ہوئی تھی۔ ہمارے ساتھ والی کوٹھی میں ایک برطانوی کنبہ رہتا تھا۔ گھر والا ایک انگریز تجارتی کمپنی کا سر براہ تھا۔ اس کی بیوی گھریلو قسم کی عورت تھی جو اپنی ملنساری مسکراہٹ بھرے چہرے اور پڑوسیوں سے اچھے تعلقات رکھنے کی وجہ سے کافی مشہور تھی ان کی صرف ایک ہی بچی تھی جس کا نام میریا تھا جب ہم اس کوٹھی میں آئے تھے تو اس وقت بچی کی عمر تقریباً بارہ سال تھی۔ بڑی چنچل ماں کی طرح ہنسمکھ صاف ستھری اور خوش لباس سکول کی کسی ابتدائی کلاس میں تھی آہستہ آہستہ جب میرے والد اور اس کنبہ کے سربراہ کا آپس میں تعارف اور میل جول شروع ہوا تو ہم بچوں کا بھی ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا شروع ہو گیا ان کی بچی اب فارغ اوقات میں اکثر ہمارے ہاں ہی چلی آتی اور میرے چھوٹے بھائی بہنوں اورمیرے ساتھ کھیلتی اس کی نت نئی شرارتیں ہم سب کو بہت اچھی لگتی تھیں اکثر اوقات تو ہم ایک دوسرے

سے خوب الجھ بھی پڑتے مگر یہ الجھاؤ کوئی تلخی یا ناراضگی پیدا کرنے کی بجائے ہماری دوستی میں مزید اضافہ کر دیتا الجھنے کے بعد جس کی بھی زیادتی ہوتی وہ کھلے دل سے کود ہی معافی مانگ لیتا اور معاملہ رفع دفع ہو جاتا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمارا ملنا جلنا جاری رہا جب میں سکول سے فارغ ہو کر کالج میں داخل ہوا تو اس وقت میریا سینئر کیمرج میں تھی گو ہم دونوں گھرانوں میں مذہبی تہذیبی اور معاشرتی طور پر بڑا فرق تھا پھر بھی یہ ساری چیزیں ہمارے ملنے جلنے میں کبھی حائل نہ ہوتی تھیں میریا کے والدین مجھے بڑا پیار کرتے تھے شاید اس لئے کہ انکی اپنی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔

وقت کا دھارا بڑے سکون سے بہتا رہا اور ہمارے میل جول میں بھی اضافہ ہوتا رہا حتے کہ دس سال کا عرصہ گزر گیا پھر میرے والد صاحب کا تبادلہ ایک دوسرے دور دراز شہر میں ہو گیا اور ہمارا گھرانہ اس شہر میں چلا گیا شروع کے ایک دو سال تو ہمارا رابطہ اور چند مرتبہ ملاقات بھی ہوئی پھر یہ سلسلہ بالکل منقطع ہو گیا اور آہستہ آہستہ ہم ایک دوسڑے سے بے خبر ہو کر رہ گئے۔

اسی دوران میں نے اپنی تعلیم مکمل کر لی اور مجھے فوج میں کمیشن مل گیا ٹریننگ کے بعد کے دس سال مختلف مقامات پر تعنیات ہوتا رہا پھر ایک کورس کے سلسلہ میں مجھے چار ماہ کے لئے ایک ایسے مقام پر جانا پڑا جہاں علیحدہ قسم کی کوئیس رکاری رہائش موجود نہیں تھی۔ اس لئے مجھے ایک ہوٹل نما ریسٹ ہاؤس میںٹ ھہرا دیا گیا جس میں میرے علاوہ کچھ اور لوگ بھی رہتے تھے اور یہ وقفوں وقفوں سے بدلتے رہتے تھے میرے اسی قیام کے دوران یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ جس کا ذکر اس پرانی ڈائری کے آخری صفحات پر میرے انے ہاتھوں سے لکھا ہوا تھا۔ یہ واقعہ کیسے ہوا اور کتنا اندوہناک تھا اس کی تفصیل اس ڈائری میں مختلف تاریخ پر یوں درج تھی:

۱۳ دسمبر

دفتر سے فارغ ہو کر آج جب میں سہ پہر ریسٹ ہاؤس پہنچا تو صدر دروازے سے داخل

ہوتے ہی ڈیوٹی کلرک نے مجھے بتایا کہ ایک خاتون مجھ سے ملنے آئی ہیں اور کافی دیر سے انتظار کر رہی ہیں۔

"کون ہیں اور کہاں ہیں؟" میں نے حیرانی سے پوچھا

URDU4U.COM

"یہ تو مجھے معلوم نہیں کون ہیں۔ میں نے انہیں ساتھ والے کامن روم میں بٹھایا ہوا ہے "ڈیوٹی کلرک نے جواب دیا۔

اس کا پیغام سن کر مجھے بڑا تعجب ہوا۔ میں تو یہاں صرف ماہ چار ماہ کیلئے کورس پر آیا ہوں۔ یہاں پر میرا کوئی رشتہ دار نہیں رہتا۔ اس کے علاوہ ماسوائے میرے والدین کےکسی کومیرا یہاں کا ایڈریس بھی معلوم نہیں۔ پھر یہ خاتون کو ہو سکتی ہے جو مجھے یہاں ریسٹ ہاؤس میں ملنے آئی ہے۔ اسی تذبذب میں کامن روم گیا سامنے صوفے پر ایک انگریز خاتون بیٹھی تھیں جو مجھ کو دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئیں فاصلہ ذرا زیادہ ہونے کی وجہ سے میں اسے پہچان نہ سکا۔ مگر جونہی میں قریب پہنچا اور اسے مسکراتے دیکھا تو مجھے خود بخود ساری آ گاہی ہو گئی اور میں تقریباً اچھل ہی پڑا وہ میریا تھا تو اس وقت وہ ایک بڑی چنچل گڑیا سی تھی مگر آج کم و بیش دس بارہ سال بعد اسے اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ وہ ایک عظیم تبدیلی سے روشناس ہو کر زندگی کی اس منزل میں داخل ہو چکی تھی جوسراپا ظوان ہوتی ہے۔

میں اس کے ساتھ ہی صوفہ پر بیٹھ گیا۔ پرانی یادیں اور بیتے دن میرے ذہن کی سکرین پر سرعت سے چلنےلگے اسے یوں اتفاقاً مل کر مجھے اتھاہ مسرت ہو رہی تھی اس نے مجھے بتایا کہ وہ ایک کام کے سلسلہ میں ریسٹ ہاؤس آئی تھی تعارفی بورڈ پر میرا کارڈ دیکھ کر وہ خوشی سے اچھل پڑی یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ طویل عرصہ کے بعد تمہارا کھوج پا کر میں تمہیں بغیر ملے چلی جاتی ڈیوٹی کلرک نے بتایا کہ تم ابھی تھوڑی دیر میں آنے والے ہو تو میں نے بیٹھ کر تمہاری واپسی کا انتظار کرنا ضروری سمجھا دیکھو اب میں تمہارے پاس بیٹھی ہوں۔

ہم دونوں نے ایک دوسرے سے ملنے پر واقعی ازحد خوشی محسوس کی ہم وہیں بیٹھ کر چائے

پیتے رہے اور باتیں کرتے رہے اس کے والد کرنل رائس کے متعلق اپنے مشاغل کے متعلق موسم کے بارے میں ایک طویل عرصہ پڑوس میں گ زارے ہوئے دنوں اور اپنی شرارتوں اور جھگڑوں کے متعلق میں جس دوران فوج میں کمیشن لے کر سروس کے سلسلہ میں جگہ جگہ گھومتا رہا اس دوران اس نے اپنی تعلیم مکمل کر لی اور پھر سروس اختیار کر لی وہ ان دنوں مقامی فوجی ہسپتال میں ویلفئیر آفسیر لگی ہوئی تھی۔

اس نے بتایا کہ اس کا باپ اپنی کاروباری مصروفیات کے سلسلہ میں سالہا سال سے انگلستان سے دور یہاں رہائش پذیر تھا اور واپس وطن نہیں جا سکا تھا یا یوں کہئے کہ اس طویل غیر حاضری کی وجہ سے اپنے رشتہ داروں عزیزوں دوستوں سے بالکل کٹ کر رہ گیا تھا اب اتنے سالوں کے بعد موقعہ پا کر وہ قریباً تین ماہ قبل طویل رخصت پر انگلستان گیا ہے۔ شاید ابھی تین چار ماہ اور وہیں قیام ہو مجھے یہاں سرکاری رہائش گاہ ملی ہوئی ہے جس میں میں اکلی ہوتی ہوں۔ تاہم احساس تنہائی سے بچنے کے لئے میں نے اپنی دو ماتحت ہم پیشہ ساتھیوں کو ساتھ رکھا ہوا ہے۔

شام کے قریب اس نے رخصت چاہی میں اس کو اس کی رہائش گاہ تک چھوڑنے کے لئے اس کے ساتھ گیا اپنے آسمانی رنگ کے گرم کوٹ کا کالر کانوں تک اونچا کر کے وہ چستی سے میرے ساتھ قدم ملا کر چلتی رہی اس کی بنگلہ نما رہائش گاہ کے پھاٹک تک پہنچ کر میں نے رخصت چاہی اس نے ایک بار پھر اس ملاقات پر دلی خوشی کا اظہار کیا اور امید ظاہر کی کہ جیسے دن میں وہاں ہوں وہ ملتے رہیں گے اور اسکا وقت بڑا اچھا گزرے گا پھر اس نے بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے بڑے اصرار کے ساتھ مجھے کل چائے پر مدعو کیا۔

میں واپسی پر تمام راستہ اس کے حسن اخلاق کے متعلق ہی سوچتا رہا۔

۱۴ دسمبر

مس میریا کے ہاں چائے بڑی پر لطف رہی۔ اس کی بھولی بھالی باتوں اور حسن اخلاق نے میری نظروں میں اس کی عظمت اور بڑھا دی ہے۔ اسکا بنگلہ نما چھوٹا سا سرکاری کوارٹر ایک چھوٹے سے ٹیلے پر واقع ہے۔ جسے اس نے بڑے سلیقہ اور چابکدستی سے آراستہ کر رکھا ہے۔ اسنے مجھے بنگلہ کو کونہ کونہ دیکھایا شیشے کے بڑے سے شو کیس میں رکھی ہوئی رنگ برنگی مچھلیاں اور اپنے خوبصورت البم بھی دکھائے۔ اور میرے رخصت ہونے سے پہلے مجھے پیانو پر اپنی نہایت سریلی آواز میں ایک گیت سنایا جس میں موسم بہار کو نہایت حسین پیرایا میں خوش آمدید کہا گیا تھا۔

رخصت کرتے وقت میریا نے کہا چونکہ اس کے والد مجھے بہت چاہتے تھے اور اس کے علاوہ ہم ایک طویل عرصہ اچھے پڑوسی بھی رہے تھے۔ اس لئے اسے مجھ سے والہانہ انس ہے۔ وہ بہت خوش ہے کہ اس کے بچپن کا ایک بہت اچھا دوست کئی سالوں کے بعد پھر مل گیا ہے میں اس کے ان جذبات کا شکریہ ادا کرتے ہوے اس کے متعلق نہایت خوشگوار تاثرات لے کر واپس لوٹا۔

۱۷ دسمبر

آج اپنے ہیڈ کوارٹر سے لوٹتے ہوئے خیال آیا کہ مس میریا سے ملتا چلوں اسکا کوارٹر میرے راستے ہی میں تو پڑتا ہے وہ مجھے اپنے کوارٹر کے سامنے لان میں چہل قدمی کرتے ہوئے مل گئی نہایت تپاک سے ملی اور مجھے کشاں کشاں برآمدے میں لے آئی تھوڑی ہی دیر میں چائے آ گئی ہم چائے پیتے رہے اور باتیں کرتے رہے دوران گفتگو اس نے کہا کام کی اتنی زیادتی ہے کہ تھک جاتی ہوں جی چاہتا ہے کہیں سیر کے لئے جاؤں مگر اکیلی جانے کو جی نہیں چاہتا اب تم مل گئے ہو تو جی چاہتا ہے اس اتوار کو تمہارے ساتھ کہیں پک نک پر جاؤں مجھے کسی تفریح پر گئے ہوئے عرصہ ہو گیا ہے کانونٹ سی نکلنے کے بعد پک نکیں تو ایک خواب بن کر رہ گئی ہیں اب تو یہاں صرف سروس کی مصروفیات ہیں یا تنہائی کے لمحات! اس نے اس خواہش کا اظہار کچھ اس انداز سے

کیا کہ میں انکار کی جیرت نہ کر سکا علاوہ اس کے مجھے بھی اتوار کو کوئی کام نہیں ہے چنانچہ مفصل پروگرام طے کرنے کے بعدم یں اپنے زیست ہاؤس واپس آ گیا۔

URDU4U.COM

۱۹ دسمبر

آج تمام دن پک نک میں صرف ہوا ابھی بمشکل آٹھ ہی بجے تھے کہ میریا دوار دلیوں کے ہمراہ آ پہنچی بلا کی سردی تھی آہستہ آہستہ سورج کی کرنوں نے تمازت پکڑیا ور دھند نے پہاڑ کے دامن سے قبضہ اٹھانا شروع کیا ضروری سامان لے کر دس بجے کے قریب ہم ٹھٹھرتے ہوئے روانہ ہو گئے گھنٹہ بھر کی کوہ پیمائی کے بعد ہم مقررہ مقام پر پہنچے یہ جگہ میں نے پہلے نہیں دیکھی تھی مختصر سی وادی تھی جس میں ایک پہاڑی چشمہاپنا سر پٹختا ہوا ٹنڈ منڈ ڈرختوں اور زرد جھاڑیوں کے بیچوں بیچ بہہ رہا تھا سامان اردلیوں کی تحویل میں چھوڑ کر ہم چشمہ کے ساتھ ساتھ گھومتے رہے میریا بچوں کی طرح چشمہ کے کنارے گیلی مٹی سے گھروندے بناتی رہی اور پانی سے فرضی باغات کی آبیاری کرتی رہی اس کی باتوں میں رومانیت پیدا ہوتی گئی وہ کسی خیال سے رہ رہ کر چونک اٹھتی اور نہایت متفکرانہ انداز میں دور چوٹیوں کو گھورنے لگتی میں نے محسوس کیا کہ اس کے خیالات میں ضرور کوئی طوفان بل کھا رہا ہے اسکی نگاہیں کسی کی منتظر ہیں اور اس کے دل میں کوئی چنگاری بھڑک اٹھنے کیلئے بے تاب ہے ہم ایک اونچے سے پتھر فپر بیٹھ کر چشمے میں کنکر پھینکتے رہے اور باتیں کرتے رہے میں باتوں ہی باتوں میں اس کے دل کو کریدنے کی کوشش کرتا رہا آخر میرے اصرار پر اس نے انکشاف کیا کہ وہ ویلز سے محتب کرتی ہے جو اسکا منگیتر بھی ہے اس نے مجھے ویلز کی دی ہوئی انگوٹھی بھی دکھائی جس میں ایک خوشنما ہیرا جگمگا رہا تھا میریا نے یاک لمبی سانس بھرتی ہوئے کہا وہ عنقریب انہیں چوٹیوں کو عبور کر کے اسے ملنے آئے گا اور پھر وہ نہایت دھوم دھام سیم قامی گرجا میں شادی کریں گے۔

اس نے یہ بھی بتایا کہ ویلز برطانوی فوج میں کپتان ہے میریا اس کی نیلگوں آنکھوں

اور سنہرے بالوں کی باربار تعریف کرتی رہی اس نے کہا تم اس سے مل کر بہت خوش ہو گے وہ بہت ملنسار ہے اور پیانو بہت اچھا بجاتا ہے اس کے آنے پر ہم ایک جشن منائیں گے وہ پیانو بجائے گا اور میں گاؤں گی اپنی زندگی کا بہترین گیت اپنے ارمانوں سے سجایا ہوا ایک ملکوتینغمہ یہ کہتے ہوئے اس کی جھیل کی مانند نیلی آنھکوں سے شفاف موتی پھوٹ نلکے اور وہ میرے موجودگی سے بے نیاز ہو کر کتنی دیر خلا میں گھورتی رہی۔

دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر ہم پھر اسی پتھر پر آ بیٹھے اور ڈبل روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے چشمہ میں پھینک کر مچھلیوں کی چھینا جھپٹی کا نظارہ کرتے رہے میریا مجھے اپنی اور ویلز کی گزشتہ حسین ملاقاتیں بناتی رہی جو ویلز کی دو مرتبہ پاکستان آنے کے دوران ان کی ہوئی تھیں میں نے محسوس کیا کہ میریا کو ویلز سے اتھاہ اور بے لوث محبت ہے۔ وہ باتیں کرتی رہی اور میں اس کے معصوم مگر پرعزم چہرے کو دیکھتا رہا جو محبت کے انکشاف کے ساتھ اور زیادہ نکھر گیا تھا اسکی آنکھوں کی نیلاہٹ اور گالوں کی سرخی میں اصافہ ہو گیا تھا وہ بظاہر میرے اس بیٹھی تھی لیکن اس کے خیالات کسی اور فضا میں پرواز کر رہے تھیچر بجے کے قریب پہاڑوں کے دامن میں دھند پھیلنے لگی سائے لمبے ہونے اور فضا میں خنکی پھیلنے لگی ہم نے اپنی چیزیں اکٹھی کیں اور واپس روانہ ہو گئے۔

پہاڑی ڈھلانون سے اترتے اترتے میریا نہایت رومانی انداز میں کہنے لگی "دیکھو تمام درخت ٹنڈ منڈ کھڑے ہیں لیکن خزاں کی یورش کے بعد یہ ہرے بھرے ہو جائیں گے ان پر شگوفے پھوٹیں گے اور کلیاں مسکرانے لگیں گی پھر ہر طرف بہار ہی بہار چھا جائے گی میری خزاں کے دن بھی عنقریب ختم ہونے کو ہیں پھر میں اور ویلز یک جان ہو کر یہاں سے اپنے وطن جائیں گے جہاں اس نے میرے لئے ایک ایسے ہی چشمہ کے کنارے بڑا خوبصورت بنگلہ بنایا ہے جس کی دیوار سی گہری سبز بیلیں لپٹی ہوئی ہیں ویلز نے لکھاہ ے کہ اگلی بہار میں ہم دونوں سوئزر لینڈ جائیں گے۔"

۲۱ دسمبر

دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو اپنی تھا کہ میریا ناچتی ہوئی میرے کمرے میں آ گھسی اسکا چہرہ مسرت سے کھل رہا تھا اور اس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ ابل رہی تھی آتے ہی صوفے پر دراز ہو گئی پیشتر اس کے کہ میں کچھ کہتا وہ اپنا پرس کھولتے ہوئے بولی۔

"دیکھو ویلز کا تار آیا ہے۔ روالپنڈی پہنچ چکا ہے۔ اور۲۴ تاریخ کو یہاں آ رہا ہے۔ میں نے اس کے استقبال کا سب پروگرام مرتبکر لیا ہے۔ میں اسے لینے کل روالپنڈی جا رہی ہوں میں نے لیک ہوٹل کے میجر کو ایک نہایت پر تکلف دعوت کا آرڈر دے دیا ہے جس میں میں نے اپنے سب ملنے والوں کو مدعو کر لیا ہے میں ویلز کا وہاں ہی تمہارے ساتھ تعارف کراؤں گی۔ "مسٹر امجد" وہ کہے جا رہی تھی۔ "میں آج بہت خوش ہوں مجھے مرے انتظار کا صلہ ملنے والا ہے اب میں کرسمس ناچ بڑی دھوم سے ویلز کے ساتھ ناچوں گی میں اپنی تمام تکلیفیں اور انتظار کی کلفتیں رقص میں سمو دوں گی یہ کرسمس میرے لئے خوشیوں کا پیام لایا ہے میں انہیں مسرتوں کو جلو میں لے کر یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی: "میں یوں بے وقت چلے آنے پر معافی چاہتی ہوں دراصل میں خوشی سے پاگل ہو گئی ہوں اب میں جا رہی ہوں ابھی مجھے بہت سے کام کرنے ہیں میں کل صبح راولپنڈی جاؤں گی تم میری عدم موجودگی میں ہوٹل کے منیجر کو تاکید کرتے رہنا دعوت میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ رہ جائی تم میرے دوست ہو میرے قائم مقام ہو میں نے ہوٹل منیجر کو تمہارے متعلق بتا دیا ہے تم اس کے ساتھ رابطہ رکھو گے.... ایسا کرنے پر میں تمہاری ممنون ہوں گی۔"

یہ کہہ کر وہ لچکتی مٹکتی چلی گئی اور میں اس بھولے پن پر کتنی دیر تک مسکراتا رہا۔

۲۳ دسمبر

ناشتہ سے فارغ ہوتے ہی میریا کا فون آیا اس نے بتایا ویلز بخیریت ہے اور وہ اس کے

ہمراہ کل شام چھ بجے ادھر پہنچ رہی ہے وہ سیدھے ہوٹل ہی آئیں گے ساتھ ہی مجھے پھر تاکید کی کہ میں دعوت کا انتظام کی طرف خوصی توجہ دوں گی اگر ان کے پہنچے میں کچھ دیر ہو جائے تو میں ان کے قائم مقام کی حیثیت سے مہمانوں کا استقبال کروں جس کے لئیوہ اور ویلز دونوں میرے مشکور ہوں گے۔

URDU4U.COM

۲۴ دسمبر

دن بھر کافی مصروفیت رہی دفت رسے شام کے قریب نکلیں کر ہوٹل پہنچا واقعی نہایت پر تکلف دعوت کا انتظام کیا گیا تھا ہوٹل کے منیجر نے بتایا کہ اس موسم میں اتنی عظیم الشان دعوت کا آرڈر اس جگہ کی تاریخ میں پہلا واقعہ ہے۔ کرسمس اور اس دعوت کی مشترکہ تقریب پر ہوٹل دلہن کی طرح سجا ہوا تھا اور چکا چوند کر دیے والی روشنیاں جگمگا رہی تھیں لاؤنج جسکے وسط میں کرسمس کا بڑا سا درخت عجیب بہار دے رہا تھا باہر غضب کی سردی پڑ رہی تھی ساڑھے چھ بجے کے قریب آہستہ آہستہ برف پڑنی شروع ہو گئی میں اور منیجر میریا اور ویلز کا انتطا کرنے لگے ہر ہارن پر مجھے میریا کی کار کا گمان ہوتا سات بجے مہمان آنا شروع ہو گئے حتے کہ ساڑھے سات بجے تک ہال کھچا کھچ بھر گیا ہوٹل کی فضا میں آرکسٹر کی دلنواز تانیں بلند ہونے لگیں دوسرے لاؤنج میں تھے بچوں نے رنگا رنگ غباروں کے تعاقب میں ہلڑ مچانا شروع کر دیا۔

جوں جوں وقت گزرتا گیا ہمارے انتظار میں شدت پیدا ہو گئی آٹھ بجے میں نے پنڈی فون کیا معلوم ہوا کہ وہ دونوں قریبا پانچ بجے وہاں سے روانہ ہو چکے ہیں۔ کسی وقت بھی پہنچ سکتے ہیں ساڑھے آٹھ بج گئے برف نہایت تیزی سے گرنا شروع ہو گئی اور ہوٹل کے باہر ہر طرف بھیانک سماں پیدا ہو گیا بے چینی مجھی سخت پریشان کرنے لگی مہمان بدستور خوش گپیوں میں مصروف تھے ساتھ والے لاؤنج میں تو نو عمر جوڑوں نے کرسمس کا ناچ بھی شروع کر دیا ہوٹل کا مینجر بار بار متفکرانہ انداز میں پوچھ رہا تھا کہ کھانا کب شروع کیا جائے گا وقت بوجھل چھکڑے کی طرہ رینگ رہا تھا اب نو بجنے

کو تھے مجبوراً مجھے مہمانوں سے کہنا پڑا کہ کھانا شروع کیا جا رہا ہے۔

میں اپنی نشست پر بیٹھنے ہی والا تھا کہ ہوٹل کے صدر دروازے سے ایک پولیس آفیسر برف میں لت پت اندر داخل ہوا اور سیدھا منیجر کے پاس چلا گیا اس نے تھوڑی دیر مینجر سیب ات کی پھر منجیر نے مجھے آنے کے لئے اشارہ کیا میرے قریب پہنچنے پر پولیس آفیسر نے مجھ سے پوچھا "کیا مسٹر امجد آپ وہی ہیں"

"جی ہاں" مینن ے جواب دیا۔

"مس میریا نے اپنی آمد کے متعلق منیجر اور آپ ہی کو تار دیا تھا؟"

"جی ہاں فرمایئے" میں کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکا۔

"مجھے افسوس کے ساتھ اطلاع دینی پڑتی ہے کہ مس میریا اور اس کا ساتھی برف پر سے کار پھیسل جاے کی وجہس ے اک کھڈ میں گر کر ہلاک ہو گئے ہیں ایک ملٹری ٹرک کی اطلاع پر ہم جائے وقوعہ پر گئے اور ان کی لاشیں پولیس اسٹیشن میں لی آئے ہیں۔ میریا کے پرس میں دیگر کاغذات کے علاوہ ان تاروں کو نقول ملیں جو آپ دونوں کو دی گئیں تھیں اسی سراغ سے میں آپ کو اور منیجر کو اطلاع دینے حاضر ہوا ہوں اس سلسلہ میں مزید کاروائی کے لئے پولیس آپ کو مدد اور تعاون کی ضرورت ہے"

یہ سنتے ہی مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا وہی ہوٹل جو چند لمے پہلے تک بقعہ نور بنا ہوا تھا شعلوں میں جلتا دکھائی دیا ہینڈ کی دھنیں کسی نوحہ کی چیخوں میں بدل گئیں۔ ہوٹل کے منیجر کو یہ خبر مہمانوں سے چھپائے رکھنے کی تاکید کر کے میں پولیس اسٹیشن پہنچا پولیس آفیسر نے بتایا کہ ڈرائیور اور کار کے پرخچے اڑ گئے ہیں اور یہ دونوں ایک چٹان کے پہلو میں ابدی نیند سو رہے تھے۔ ان کے جسموں پر برف کی گہری تہہ جم چکی تھی میریا کا خون سے شرابور سر ساتھی کے سر پر تھا جو خود ہاتھ پاؤں پھیلائے ابدی نیند سو رہا تھا۔

میں نے دونوں کی لاش سے چادر اٹھا کر دیکھا دونوں کے بری طرح خود آلود چہروں پر مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی ویلز کی نیلگوں آنکھیں پتھرا چکی تھیں اس کے سنہری بال اس

کے خون بھرے چہرے پر بہت زیب دے رہے تھے میریا کا چہرہ اس ابدی وصال پر دمک رہا تھا۔

میں اس منظر کی تاب نہ لا سکا اور آنسو ضبط کرتے ہوئے پولیس اسٹیشن سے باہر نکل آیا برف گرنی بند ہو چکی تھی اور خون جما دینے والی سرد ہوا درختوں اور جھاڑیوں میں شیون کر رہی تھی خوف سے میرے قدم تیز تر ہوتے گئے مجھے پہاڑوں کی گہرائی سے رہ رہ کر میریا کی سریلی آواز اٹھتی سنائی دے رہی تھی:۔

"میرے خزاں کے دن بھی عنقریب ختم ہونے کو ہیں ویلز کے آنے پر ہم ایک جشن من ائیں گی وہ پیانو بجائے گا اور میں گاؤں گی اپنی زندگی کا بہترین گیت اپنے ارمانوں سے سجایا ہوا ملکوتی نغمہ اب میں کرسمس ناچ بڑی دھوم دھام سے ویلز کی ساتھ ناچوں گی یہ کرسمس میرے لئے کتنی مسرتوں کا پیغام لے کر آیا ہے میں انہیں م سرتوں کو جلو میں لے کر اپنی زندگی کابہترین ناچ ناچوں گی پھر ہم مقامی گرجا میں شادی کریں گے اور اگلی بہار میں ہم دونوں سوئٹز ر لینڈ جائیں گے۔"